صحبتے با اہلِ دل

حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالی کے وہ مجلسی ارشادات و ملفوظات جن میں عصر حاضر کے ذوق و مزاج کے مطابق زندگیوں کی اصلاح کا پیغام اور ایمان و یقین پیدا کرنے کا وافر سامان موجود ہے ——

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

فہرست مضامین و عنوانات بقید صفحہ

پیش لفظ

از مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان، لکھنؤ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

اس عاجز بندہ پر اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی زندگی میں اس نے جن مقبول بندوں کو پایا بغیر کسی استحقاق کے ان کی عنایت و شفقت اور اپنے دل کو ان کی محبت نصیب ہوئی ـــــ انہی میں سے ایک بھوپال کے شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی (علیہ الرحمۃ والرضوان) کی ذات بابرکات تھی جن کے ملفوظات کا یہ مجموعہ آپ کے ہاتھ میں ہے اور جن کے وصال کو ابھی پورا ایک مہینہ بھی نہیں ہوا ہے۔

بھوپال کے سالانہ تبلیغی اجتماع کے سلسلہ سے (۲۰ - ۲۲ سال سے قائم ہے) یہ عاجز راقم سطور ہر سال بھوپال حاضر ہوتا تھا، حضرت کی سعادت بھی نصیب ہوتی تھی، لیکن واقعہ یہ کہ عرصہ تک آپ کی شخصیت اور مقام سے کوئی خاص واقفیت نہیں تھی بس اتنا معلوم تھا کہ حضرت پیر ابو احمد مجددیؒ کے صاحبزادہ اور جانشین ہیں اور حضرت

پیر صاحب کے بارے میں ان کے عالی مقام خلیفہ حضرت مولانا محمد عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے چونکہ بہت کچھ سنا تھا اس لئے قلب میں ان کی پوری عظمت تھی ــــ دپھر غالباً ۳-۴ دفعہ کی زیارت و ملاقات کے بعد) حضرت کی مجلس میں بیٹھنے اور ارشادات سننے کا اتفاق ہوا تو محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کو حکمت کی وہ دولت عطا فرمائی ہے جس کے بارے میں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے :۔

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ؕ — جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے "حکمت" کی نعمت ملی اس کو "خیر کثیر" عطا فرمایا گیا۔

رفیق محترم مولانا علی میاں کے بھوپال سے کچھ خاص روابط بھی تھے اور وہاں اُنکی آمد ورفت تبلیغی اجتماع کے سلسلہ کے علاوہ بھی ہوتی تھی، اس لیے حضرت کی مجالس میں حاضری کا ان کو زیادہ موقع ملتا تھا۔ حضرت کو بھی ان کے ساتھ خاص تعلق تھا۔

اب سے تقریباً سوا تین سال پہلے ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ میں مولانا موصوف کا بھوپال جانا ہوا اور کئی دن قیام رہا حسب معمول اہتمام سے حضرت کی مجالس میں حاضری رہی، اس دفعہ ان کے دل میں ملفوظات قلمبند کرنے کا داعیہ شدت سے پیدا ہوا اور پھر اہتمام سے روزانہ کے ارشادات قلمبند کرنے لگے۔ وہاں سے لکھنؤ واپسی پر انھوں نے مجھے ملفوظات کی وہ کاپی دکھائی۔ میں نے کہا کہ ان کو اللہ کے بندوں کے عام فائدہ کے لئے شائع ہونا چاہیئے۔ مولانا نے میری رائے سے اتفاق کر لیا لیکن فرمایا کہ حضرت سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ راقم سطور ہی نے حضرتؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور اس میں یہ ذاتی تجربہ اور واقعہ بھی لکھا کہ

"حضرت کے جد بزرگوار شاہ رؤف احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ

حضرت شاہ غلام علیؒ کے فارسی ملفوظات کا جو مجموعہ "درالمعارف" مرتب فرمایا تھا، اس کا
تلخیصی ترجمہ اب سے چند سال پہلے "الفرقان" میں شائع ہوا تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس
سے اللہ کے بہت سے بندوں کو دینی نفع پہونچا۔ کتنے ہی دلوں میں تعلق باللہ کی طلب پیدا ہوگئی۔
خود میرا یہ حال ہے کہ میں نے اس کے اوراق "الفرقان" کے پرچوں سے علیحدہ کر کے اپنے پاس
رکھ لیے ہیں۔ جب کسی وجہ سے دل زیادہ پراگندہ اور مکدر ہوتا ہے تو اس کے مطالعہ سے
اپنا علاج کرلیتا ہوں۔ اس ذاتی تجربہ کا ذکر کرنے کے بعد میں نے لکھا کہ: مولانا علی میاں نے
بھوپال کی اس دفعہ کی حاضری میں حضرت کے کچھ ملفوظات قلمبند کئے ہیں۔ میں نے بھی ان
کا مطالعہ کیا، الحمدللہ مجھے بڑا نفع ہوا اور یقین کے ساتھ امید ہے کہ اگر ان کو شائع کردیا جائے
تو اللہ کے بہت سے نیک بندوں کو بڑا دینی نفع پہونچے گا اس لئے الفرقان میں ان کی اشاعت
کی اجازت مرحمت فرمادی جائے۔ مجھے اندازہ ہے کہ "الفرقان" کے پڑھنے والوں میں
الحمدللہ اچھی خاصی تعداد ایسے بندگانِ خدا کی ہے جو اس طرح کی چیزیں قدر سے پڑھتے
اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اس کے جواب میں جو گرامی نامہ آیا، اُس سے ہم لوگوں نے سمجھا کہ اگرچہ ان ملفوظات
کی اشاعت مزاجی اور طبعی طور پر حضرت کے لئے خوشگوار نہیں ہوگی، لیکن دینی فائدہ کے
خیال سے گوارا فرمالی جائے گی۔ اس بنا پر اور اسی نیت سے الفرقان" میں قسطوار ان
کی اشاعت شروع کردی گئی ــــ اس سلسلہ کی پہلی قسط محرم ۸۷ھ کے شمارہ میں شائع
ہوئی تھی۔ پھر اسکے بعد بھی مولانا علی میاں کے بھوپال کے کئی سفر ۸۷ھ اور ۸۸ھ میں ہوئے
اور ہر دفعہ ملفوظات قلمبند کرنے کا اہتمام کیا اور یہ سلسلہ قسطوار الفرقان میں شائع ہوتا رہا۔
گذشتہ سال ۸۹ھ کے وسط تک اس سلسلہ کی اکیس ۲۱ قسطیں شائع ہوچکی تھیں۔

ان کو پڑھ کر بہت سے اہلِ نظر مخلصین نے مولانا علی میاں کو بھی لکھا اور اس عاجز مدیر الفرقان کو بھی کہ ان سب ملفوظات کو یکجا کتابی شکل میں ضرور شائع کیا جائے چنانچہ اب سے ۶ - ۷ مہینے پہلے مولانا نے اس کا ارادہ فرمالیا۔ پورے سلسلہ پر نظر ثانی کی، ہر ملفوظ پر عنوان بھی قائم کیا جس سے اس کے مقصد اور روح کی طرف رہنمائی ہو جائے، اس کے بعد ذیقعدہ ۸۹ھ میں مولانا کا پھر بھوپال جانا ہوا اور پورے ہفتہ قیام کیا اور روزانہ کی مجلس کے ملفوظات پابندی اور اہتمام سے قلبند فرمائے۔ مگر چونکہ کتابی اشاعت کا فیصلہ کیا جا چکا تھا، اسلیے ان کو الفرقان میں شائع کرنے کا فیصلہ نہیں کیا گیا۔ (وہ پہلی دفعہ اس مجموعہ ہی میں شائع ہو رہے ہیں)

مولانا نے قریباً پچاس ۵۰ صفحات کا مقدمہ بھی لکھا جس میں صاحبِ ملفوظات علیہ الرحمہ کی نہایت سبق آموز سوانح حیات اور ان کے خاندانی اسلاف و مشائخ کا تذکرہ اور تعارف بھی بقدر کافی آگیا ہے۔ اسکے علاوہ نقشبندی مجددی سلسلہ سے اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں دین و شریعت کی حفاظت کا جو خاص کام لیا ہے اور اللہ کی توفیق سے جس منصوبہ بند طریقہ پر ان حضرات نے یہ خدمت انجام دی ہے اسکی طرف بھی اس مختصر سے مقدمہ میں غالباً پہلی دفعہ اشارات کیے گئے ہیں۔

چونکہ صاحبِ ملفوظات علیہ الرحمہ کے ارشادات سے خاص کر چند مہینوں سے یہ اشارہ مل رہا تھا کہ اس عالم سے حضرت کی رخصتی کا وقت قریب ہی ہے اسلئے مولانا علی میاں کی بھی اور اس عاجز کی بھی خواہش اور پوری کوشش تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے یہ جلد سے جلد شائع ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کا فیصلہ یہی تھا کہ حضرت کے وصال کے بعد شائع ہو۔ ابھی کتابت ہو رہی تھی، ۲۴۰ صفحات تک کتابت ہوئی تھی کہ ۱۳ ربیع الاول ۹۰ھ ۲۰ مئی ۷۰ء

کو حضرت کا اچانک وصال ہو گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصّٰلحین۔

اب حضرتؒ کے وصال کے بعد محسوس ہوا کہ اب سے سوا تین ساڑھے تین سال پہلے مولانا علی میاں کے قلب میں جو یہ ڈالا گیا کہ وہ حضرتؒ کے ملفوظات قلبند کریں اور پھر اس کا ایسا داعیہ پیدا فرمایا گیا کہ انھوں نے اس کے بعد خاص اس مقصد کے لیے بھی بار بار بھوپال کے سفر کیے (حالانکہ حضرتؒ کے ساتھ مولانا کا بیعت وغیرہ کا کوئی رسمی تعلق نہیں تھا) تو یہ حضرت علیہ الرحمہ کے فیوض و معارف اور اصلاحی دعوت کی حفاظت کا ایک غیبی انتظام تھا اور اب اس کتابی اشاعت کے ذریعہ اس کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَاءُ۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے ادارۂ الفرقان سے ایسے بہت سے کام لیے ہیں جن کو اس کی نظر عنایت کی علامت اور نشانی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟" اور "معارف الحدیث" کے بنیادی سلسلوں کے علاوہ امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے فرزند و جانشین حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندیؒ کے مکتوبات نیز ان کے اور ان کے بعد کے ولی اللّٰہی سلسلہ کے ربّانی مصلحین کے علوم و معارف اور اصلاحی و تجدیدی کارناموں کی اشاعت یہ سب اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات و احسانات ہیں جن کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا۔

اگر بر روید از تن صد زبانم
چو سوسن شکر لطفش کے توانم

بلاشبہ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی علیہ الرحمہ کے اس مجموعۂ ملفوظات

کی اشاعت کی توفیق بھی اسی سلسلۂ عنایاتِ ربانی کی ایک کڑی ہے جس ربِ کریم نے اس کی توفیق دی، اسی سے دعا ہے کہ وہ اس کو صاحبِ ملفوظاتؒ کے باقیاتِ صالحات کی حیثیت سے قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ بندوں کو اس سے وہ نفع پہونچائے جو اصل مقصود ہے۔

ناظرین کو مطالعہ سے خود معلوم ہو جائے گا کہ اس مجموعۂ ملفوظات کے مرتب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اب سے کئی مہینے پہلے اس کو مرتب کیا تھا اور مقدمہ بھی شروع ذلیقعدہ ۸۹ھ (وسط جنوری ۷۰ء) میں لکھ دیا تھا۔ اس کے بعد مولانا نے بھوپال کا ایک سفر گزشتہ مہینہ اپریل میں بھی کیا اور آخری مجلس (۲۷ محرم ۹۰ھ۔ ۵ اپریل ۷۰ء) کے ملفوظات کا اور اضافہ ہو گیا۔

اس کے صرف پینتالیس (۴۵) دن بعد ۱۳ ربیع الاوّل ۹۰ھ (۲۰ مئی ۷۰ء) کو حضرت کا وصال ہو گیا۔ واقعۂ وصال کی جو تفصیلات عینی شاہدوں سے معلوم ہوئیں ان میں اہلِ ایمان کیلئے بڑی لذت و مسرت کا سامان ہے۔ ان کو معلوم کر کے زبان پر آتا ہے کہ ایسی موت پہ ہزار زندگیاں قربان!

راقم سطور نے ایک مضمون میں ان تفصیلات کا ذکر کیا تھا۔ وہ "الفرقان" بابت ماہ ربیع الاوّل میں شائع ہو چکا ہے۔ کچھ باتیں اس کے بعد علم میں آئیں اب اس کے اضافہ اور نظر ثانی کے بعد اس مجموعۂ ملفوظات کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

محمد منظور نعمانی

ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ
جون ۱۹۷۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

مجددی خاندان اور سلطنتِ مغلیہ جن لوگوں کی اسلامی ہند کی تاریخ پر نظر ہے، وہ جانتے ہیں کہ امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے تجدیدی کارنامے کے بعد سے ہندوستان کی اسلامی حکومت کی نگرانی، اس کے سربراہوں اور ذمہ داروں کی تعلیم و تربیت اور ہندوستان میں دین و شریعت کی حفاظت اور اسلام کے مستقبل کے تحفظ کا کام اللہ تعالیٰ نے ان کے خاندان اور ان کے سلسلہ کے عالی مقام مشائخ اور بزرگوں کے سپرد فرمایا۔ ذٰلک تقدیر العزیز العلیم۔

مغل بادشاہوں کی ذہن کے ساتھ عرصہ تک کے لئے ہندوستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کی قسمت وابستہ کردی گئی تھی) دینی اصلاح کا جو عظیم کام دورِ اکبری کے آخری عہد سے اس سلسلۂ عالیہ کے بانی حضرت مجدد الف ثانی نے شروع کیا اس کی تکمیل محی الدین عالمگیر کی ذات پر ہوئی (جو ہندوستان کا سب سے بڑا فقیہ، غیور حامیِ دین

و شریعت اور مجاہد مسلمان فرمانروا تھا، اس نے اپنی شاہزادگی کے دور میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلف الرشید، خلیفۂ راشد اور ان کے علوم کے ترجمان و شارح حضرت خواجہ محمد معصوم سے بیعت کی تھی، حضرت خواجہ اپنی فراستِ صادقہ کی بنا پر اس کو ہندوستان میں دین کے احیاء و حفاظت کے نازک اور عظیم کام کے لئے تیار کر رہے تھے اور اپنے حیات بخش اور روح پرور خطوط اور ہدایت ناموں کے ذریعہ اس کی ایمانی چنگاریوں کو فروزاں اور اسلامی جذبات کو متحرک اور متعدی بنانے کی کوشش میں مصروف تھے، چنانچہ ایک ایسے زمانے میں جب کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ ہندوستان کا سب سے بڑا فرمانروا اور سلطنتِ مغلیہ کا آخری با اختیار و طاقتور بادشاہ ہونے والا ہے، وہ اس کو "شہزادۂ دین" پناہ کے لقب سے یاد فرماتے تھے۔ پھر جب اس نے اپنی اصلاح و تربیت کا شوق ظاہر کیا اور حضرت کو تشریف آوری کی زحمت دینی چاہی تو آپ نے اپنے فرزند گرامی قدر حضرت خواجہ سیف الدین کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا۔ جنھوں نے بادشاہ کے منازلِ سلوک طے کرائے۔ محل شاہی کو تمام بدعات اور خلافِ شریعت چیزوں سے پاک کیا اور پھر اپنے والد بزرگوار کو بادشاہ میں آثارِ ذکر پیدا ہو جانے کی بشارت دی۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ بادشاہ کی تخت نشینی کے دس برس بعد تک حیات رہے اور بادشاہ کا ان سے برابر رابطہ قائم رہا اور حضرت خواجہ سیف الدین نے ۲۶، ۲۷ سال تربیت و ارشاد میں مصروف رہ کر ۱۰۹۶ھ میں وفات پائی۔ حضرت خواجہ سیف الدین ہی کی دہلی میں وہ خانقاہ تھی جو بعد میں ان کے سلسلہ کے نامور مشائخ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہیدؒ، حضرت شاہ غلام علیؒ اور حضرت شاہ احمد سعید مجددیؒ کے قیام سے منور و مشرف ہوئی اور جس نے حضرت شاہ غلام علی کے عہد میں ساری

اسلامی دنیا میں نام پیدا کیا اور اس عہد کا سب سے بڑا روحانی مرکز بن گئی اور جہاں سے حضرت خالد کُردی نے تربیت و خلافت حاصل کر کے سارے شام و عراق اور ترکی کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے معمور و مخمور کر دیا۔

شاہنشاہ عالمگیر کی وفات کے بعد جب سلطنتِ مغلیہ کو زوال آیا تو ان مجددی مشائخ نے اسلامی معاشرہ کو زوال سے بچانے اور مسلمانوں کے دینی جذبات اور اخلاق کو اس سیاسی زوال کے اثرات سے محفوظ رکھنے کی امکانی کوشش کی، اپنے نفَس گرم اور اپنے جذبِ قوی سے ان کے تعلق باللہ اور تمسک بالشریعت کو قائم رکھنے کے لئے پوری جانفشانی فرمائی، حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کی تعلیم سلوک و تربیت کی سرگرمیاں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے خاندان کی اشاعت کتاب و سنت کی کوششیں، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ و شاہ اسحاق صاحبؒ کا شہرہ آفاق درسِ حدیث اور پھر حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریکِ جہاد اور تاسیسِ حکومت اسلامی (علیٰ منہاج الخلافۃ الراشدۃ) کی کوشش سب اسی طلائی زنجیر کی کڑیاں ہیں

این سلسلہ از طلائے ناب است

این خانہ تمام آفتاب است

مجددی خاندان اسلامی ریاستوں میں

جب تقدیر الٰہی نے اسلامی سلطنت کے لئے زوال و اختتام کا فیصلہ کیا اور مسلمانوں کی شامتِ اعمال سے "غریب الوطن و متاع فروش"[1] انگریز اس ملک کے فرمانروا بن گئے اور دہلی کی مرکزی سلطنت کے بجائے ہندوستان کے مختلف حصوں میں انگریزی

---

[1] انھیں الفاظ کیساتھ حضرت سید احمد شہیدؒ نے اپنے مکاتیب میں انگریز حکمرانوں کو یاد فرمایا ہے

سلطنت کے زیر سایہ متعدد مسلمان ریاستیں قائم ہوگئیں جہاں مسلمان شرفا و فضلا اور اہل کمال بڑی تعداد میں جمع ہوگئے اور جنھوں نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اور اپنے مقدور بھر گذشتہ اسلامی سلطنت کی آن بان قائم رکھنے اور اہلِ علم اور اہلِ دین کی قدر دانی و سرپرستی کرنے کی کوشش کی۔ یہ دورِ خزاں میں مسلمانوں کی تہذیب، علوم اور حاکمانہ خصوصیتوں اور صلاحیتوں کی یادگاریں تھیں جہاں مسلمان خاندانوں کے افراد قسمت آزمائی کے لئے آتے تھے، حوصلہ منداور ہونہار نوجوان اپنی تسکین کا سامان پاتے تھے، اہلِ کمال کو اظہارِ کمال کا موقع ملتا تھا، کتاب و سنّت اور اسلامی علوم کے ماہر اپنے درس کے حلقے اور دینی علوم کے مدرسے قائم کرتے تھے اور شائقینِ علم دور دور سے اپنی پیاس بجھانے آتے تھے۔ اس طرح یہ ریاستیں مسلمانوں کی زندگی اور ان کی بچی کھچی طاقت و صلاحیت کا مرکز بن گئیں، اس وقت مجددی خاندان و سلسلہ کے مشائخ نے انھیں ریاستوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور ان کی مختلف شاخوں نے ان ریاستوں میں خانقاہیں تعمیر کیں اور تربیت و اصلاح کا کام شروع کیا اور اپنے سلسلہ کے بانی کے مسلک اور حکمتِ عملی کے مطابق حکمران طبقہ اور خواص کی تربیت و اصلاح پر خصوصی توجہات مرکوز کیں، اللہ تعالیٰ نے بھی جو مربّی حقیقی ہے اس کا غیب سے سامان فرمایا۔ متعدد والیان ریاست کے دل میں اس سلسلۂ عالیہ سے عقیدت، اس کی طرف انجذاب و کشش اور ان کو اپنے یہاں آنے کی زحمت دینے اور ان سے استفادہ حاصل کرنے کا قوی داعیہ پیدا کیا۔ چنانچہ یہ محض اتفاقی امر نہیں ہے کہ ہم کو اس زمانہ کی تقریباً تمام اسلامی ریاستوں میں اس خانوادۂ عالی کا کوئی نہ کوئی فرد اور اس سلسلۂ گرامی کا کوئی نہ کوئی صاحب ارشاد شیخ نظر آتا ہے۔

حیدر آباد ان ریاستوں میں سب سے بڑی ریاست حیدر آباد کی تھی جو ایک مستقل حکومت کا درجہ رکھتی تھی اور بہت سے آزاد اسلامی ملکوں سے اپنے رقبہ کی وسعت اور لوازم سلطنت میں کم نہ تھی۔ حیدر آباد میں مسکین شاہ صاحب تیرھویں صدی کے وسط میں تشریف لائے جو حضرت شاہ سعد اللہ صاحب کے خلیفہ تھے۔ حضرت شاہ سعد اللہ صاحب کے خلیفہ تھے۔ حضرت شاہ سعد اللہ صاحب کو حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ دہلوی سے خلافت تھی، ان کا سلسلہ مشہور و معروف ہے۔ مسکین شاہ صاحب کا حیدر آباد میں طویل قائم رہا۔ آصف جاہ ششم، اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں ان کے معتقد و ارادت مند تھے۔ سنہ ۱۳۱۴ھ میں ان کا انتقال ہوا اور مسجد الماس اندرون دروازہ علی آباد حیدر آباد میں ان کی قبر مبارک ہے[۵]۔ شاہ سعد اللہ صاحب کے دوسرے خلیفہ سید محمد پادشاہ بخاری تھے جن کے خلیفہ مولانا سید عبد اللہ شاہ صاحب مصنف "زجاجۃ المصابیح" مدت دراز تک حیدر آباد میں سرگرم تربیت و ارشاد رہے۔ اور خلق کثیر نے ان سے فیض پایا۔ ۱۸ ربیع الاول سنہ ۱۳۸۴ھ کو رحلت فرمائی۔

رام پور رام پور شروع سے مجددی خاندان کے افراد کا مامن و مسکن رہا ہے سنہ ۱۱۷۳ھ میں جب سکھوں نے سرہند کو تاراج کیا تو اس خاندان کے ایک فرد شاہ شعور احمد صاحب مجددیؒ (والد حضرت شاہ رؤف احمد صاحب) رام پور تشریف لائے اور وہیں چودہ محرم سنہ ۱۲۰۱ھ میں انکے فرزند ارجمند شاہ رؤف احمد صاحب جنکا تذکرہ آئندہ سطور میں آئیگا)؛

---

۵ ادات مسکین" مصنفہ ابوطاہر محمد عبد القادر نقشبندی مجددی۔ مطبوعہ سنہ ۱۳۱۱ھ یہ مسکین شاہ صاحب کا تذکرہ ہے جو ۲ جلدوں میں ہے۔

کی ولادت ہوئی اور وہیں انھوں نے سن شعور اور تعلیم و تربیت و سلوک کے مدارج طے کیے۔

نواب کلب علی خاں کا دور ہر حیثیت سے ریاست کے عروج و نیکنامی اور مرکزیت کا دور تھا، انھوں نے "دلّی سے حضرت شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ کو تشریف لانے کی تکلیف دی۔ وہ خود تشریف نہیں لائے مگر اپنے فرزند ارجمند مظہر شریعت و طریقت حضرت شاہ عبد الرشید علیہ الرحمہ کو بھیج دیا۔ نواب صاحب نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ان کی تشریف بری کے بعد مرتے دم تک مولانا ارشاد حسین خلیفہ حضرت ممدوح سے اذکار و اشغال کی ورزش کرتے رہے"[1] اس کے بعد حضرت شاہ عبد الرشید صاحب کے صاحبزادے شاہ محمد معصوم مجددیؒ جنھوں نے اپنے دادا حضرت شاہ احمد سعید صاحبؒ سے سلوک کی تعلیم و تربیت پائی تھی، نواب کلب علی خاں مغفور کے عہد میں رام پور تشریف لائے اور وہیں طرح اقامت ڈال دی اور وہیں ۱۳۴۱ھ میں وفات پائی۔ ان کی خانقاہ معصومیہ اب بھی رام پور میں مشہور ہے۔

ٹونک ٹونک کی ریاست تیرھویں صدی کے وسط میں راجپوتانہ کے ریگزار میں قائم ہوئی تھی لیکن بہت سی دینی و علمی حیثیتوں سے بہت سرسبز و شاداب تھی اور حمیت دین و حمایت شریعت میں شروع سے ممتاز رہی۔ اس کی بنیاد نواب امیر خاں کے ہاتھوں سے پڑی جو حضرت شاہ غلام علی کے مرید و معتقد اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے رفیق و حلقہ بگوش تھے۔ ان کے جانشین ان کے فرزند اکبر نواب وزیر الدولہ وزیر محمد خاں ہوئے جو سید صاحب کے مرید رشید اور عاشق و جاں نثار تھے۔ ان کے صاحبزادے نواب محمد علی خاں، پیر مرتضیٰ خاں جمعدار (خلیفہ حضرت سید صاحبؒ) کی صحبت و تربیت سے

---

[1] ماخوذ از تذکرہ گل رعنا۔ مصنفہ مولانا حکیم سید عبد الحئی صاحب مرحوم (حاشیہ صفحہ ۴۰۱، ۴۰۲)

فیض یافتہ تھے۔ اسی ریاست میں سید صاحب کی شہادت کے بعد ان کے خاندان کے لوگ سکونت پذیر ہوئے اور بالاکوٹ کے مجاہدین کا قافلہ آ کر ٹھہرا جس کی نسبت سے وہ محلہ، محلہ قافلہ کے نام سے مشہور ہوا۔

ان نسبتوں و تعلقات کی بنا پر اس ریاست کے فرمانرواؤں اور عام مسلمانوں کو اس سلسلۂ عالیہ سے ہمیشہ تعلق و ارادت رہی۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے والد ماجد حضرت شاہ ابو سعید صاحب نے سفر حج سے واپسی پر رمضان ۱۲۵۰ھ میں یہاں قیام فرمایا اور یہیں ان کی وفات کا واقعہ پیش آیا اور یہیں سے ان کی نعشِ مبارک دہلی منتقل ہوئی۔

بھوپال بھوپال کی ریاست نواب دوست محمد خاں کی حوصلہ مندی سے سنہ ۱۱۳۵ھ (۱۷۲۳ء) میں قائم ہوئی، یہ ریاست حضرت شاہ رؤف احمد صاحب مجددی[1] کے قدوم سے مشرف ہوئی جو حضرت شاہ غلام علی صاحب کے ارشد خلفاء میں سے تھے اور نسباً و نسبتاً اوّل سے آخر تک مجددی ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب چار واسطوں سے حضرت خواجہ محمد یحییٰ فرزند اصغر حضرت مجدد الف ثانیؒ[2] اور سلسلۂ طریقت چار واسطوں سے حضرت خواجہ محمد معصومؒ فرزند و خلیفۂ ارشد حضرت مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے۔

---

[1] شاہ رؤف احمدؒ ابن شاہ شعور احمدؒ ابن شیخ محمد شرفؒ ابن شیخ رضی الدینؒ ابن شیخ زین العابدینؒ ابن حضرت خواجہ محمد یحییٰؒ

[2] شاہ رؤف احمد خلیفہ حضرت شاہ غلام علی خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں خلیفہ حضرت سید نور محمد بدایونی۔ خلیفہ حضرت شیخ سیف الدین۔ خلیفہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ۔

شاہ رؤف احمد صاحب

شاہ رؤف احمد صاحب ۱۲۰۱ھ میں رام پور میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پایا۔ تعلیم مفتی شرف الدین صاحب اور دوسرے اساتذۂ رام پور سے پائی۔ حدیث حضرت شاہ عبد العزیز صاحب اور اپنے ماموں حضرت شاہ سراج احمد صاحب (شارح ترمذی) سے حاصل کی طریقت کا اکتساب اولاً اپنے سلسلہ کے نامور شیخ شاہ درگاہی نقشبندیؒ سے کیا جو حضرت شاہ جمال اللہ رام پوری کے خلیفہ تھے ان کی خدمت میں پندرہ سال رہ کر منازلِ سلوک کی تکمیل کی اور اجازت سے سرفراز ہوئے، شاہ درگاہی صاحب کی وفات ۱۴ جمادی الآخرۃ ۱۲۲۶ھ میں ہوئی۔

غالباً ان کی وفات کے بعد مولانا شاہ رؤف احمد صاحب اپنی تکمیل تربیت کیلئے حضرت شاہ غلام علی صاحب کی طرف متوجہ ہوئے جن کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس سلسلہ کی تجدید بلکہ کمالات باطنی اور درجۂ احسان کی تجدید کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا۔ حضرت شاہ غلام علی صاحب کی گوناگوں اور چند در چند تعلقات و خصوصیات کی بنا پر ان پر نظر خاص تھی، بالآخر ان کو وہ قرب اختصاص حاصل ہوا جو ان کے خلفاء میں کثیر التعداد ہونے کے باوجود چند ہی مخصوص ترین حضرات کو حاصل تھا۔ ۱۲۳۱ھ میں اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے (حضرت شاہ غلام علی صاحب کو جن چند خلفاء پر فخر تھا، ان میں سے وہ بھی ہیں) اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بھی آپ کے حصے میں رکھا کہ آپ نے حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کے ملفوظات و افادات کے محفوظ و قلم بند کرنے کا اہتمام کیا۔ یہ مجموعہ "دُرّ المعارف" کے نام سے شائع ہو کر مقبول خاص و عام ہوا۔ صوفیا و مشائخ کے ملفوظات کے جو مجموعے اس وقت پائے جاتے ہیں ان میں اہل نظر و اہل ذوق کے نزدیک دو مجموعے سب سے زیادہ مستند موثر و مفید اور اپنی دلآویزی اور شیرینی میں ممتاز ہیں، ایک سلطان المشائخ حضرت خواجہ

نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کا مجموعہ جو حضرت شیخ حسن علی سنجریؒ نے مرتب کیا اور "فوائد الفواد" کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرا حضرت شاہ غلام علی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ "درّ المعارف" جو حضرت شاہ رؤف احمد صاحب کی یادگار ہے۔

حضرت شاہ رؤف احمد صاحبؒ جمادی الآخرہ ۱۲۳۳ھ میں بھوپال تشریف لائے[1] نواب معز محمد خاں[2] مرید ہوئے اور خانقاہ کی موجودہ جگہ عطا کی۔

شاہ رؤف احمد صاحب پر احترام شریعت و اتباع سنت کے اس جذبہ کے ساتھ جوان کو خاندانی ورثہ میں ملا تھا، جذب و شوق اور عشقِ الٰہی کا غلبہ تھا طبیعت رسا اور نہایت موزوں پائی تھی۔ رأفت تخلص کرتے تھے۔ مشہور نقاد سخن نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے گلشنِ بےخار میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"شاگرد جرأت بارہا بہ دہلی رسیدہ و طریقۂ رضیہ صوفیہ از غلام علی شاہؒ یاد گرفتہ در صنائع لفظی بسیار می کوشد" (صفحہ ۸۵)

عبدالغفور نسّاخ "سخن شعراء" میں لکھتے ہیں:-

---

[1] شاہ رؤف احمد صاحب کے دیوان "کلیات رافت" سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے مالوہ و بھوپال کا انتخاب اپنے شیخ حضرت شاہ غلام علی صاحب کے ایماء و حکم سے کیا تھا۔ خزینۃ الاصفیاء میں بھی اس کی صراحت کی گئی ہے۔ (صفحہ ۷۰۴)

[2] معز الدولہ فتح جنگ نواب معز محمد خاں بہادر علیہ الرحمہ نواب غوث محمد خاں کے صاحبزادے اور قدسیہ بیگم والئی ریاست بھوپال کے بھائی تھے۔ بعض سیاسی مصالح کی بنا پر انگریزوں نے بجائے ان کے ان کی بہن کو والئی ریاست بنانا مناسب سمجھا اور ان کو ایک بڑی جاگیر پر قناعت کرنی پڑی ۱۲۸۵ھ میں وفات ہوئی۔

"بڑے زبردست عالم تھے۔ عروض و قوافی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ فارسی میں ایک دیوان اور ریختہ میں چھ دیوان اور فن میں ان سے ایک دو رسالے یادگار ہیں۔ جمیع اصناف سخن پر قادر تھے۔" (ص۱۷۸)

شاہ صاحب کو معارف و حقائق کو نظم کرنے پر خاص قدرت تھی، اکثر اپنے قلبی واردات اور کیفیات باطنی کو نظم کے پیرایہ میں ادا اور "حدیث دیگراں" میں سر دلبراں کی نقاب کشائی کی ہے۔ بھوپال میں رجوع عام ہوا اور علماء و خواص کا بھی ایک بڑا گروہ دست گرفتہ اور حلقہ بگوش ہوا۔ افغانستان اور بخارا سے لوگوں نے آکر اکتساب فیض کیا اور بلغار و یارقند سے طالبین آکر اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے آپ کی تصنیفات میں سے "تفسیر رؤفی" "جواہر علویہ" (جس میں حضرت شاہ غلام علی صاحب کے حالات ہیں) "ارکان الاسلام" "مکتوبات فارسی" اور متعدد منظوم رسالے اور مثنویاں "یوسف زلیخا" ہندی و مثنوی "سراپا سوز" "مراتب الوصول" وغیرہ آپ کی یادگار ہیں۔

سنہ ۱۲۵۲ھ کے آغاز میں آپ کو حرمین شریفین کی زیارت کا شوق دامنگیر ہوا۔ آپ نے بھوپال سے احرام باندھا۔ ۲۷ ذیقعدہ سنہ ۱۲۵۳ھ کو آپ کا بادبانی جہاز بندر لیث پہنچا جہاں آپ نے حالت احرام میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔

شاہ خطیب احمد صاحب

شاہ رؤف احمد صاحب کے دو فرزند تھے ایک حضرت شاہ خطیب احمد صاحب اور ایک حضرت شاہ حسیب احمد صاحب، حضرت شاہ خطیب احمد صاحب کی ولادت ۱۹ رمضان سنہ ۱۲۲۴ھ کو ہوئی۔ اپنے والد ماجد سے تعلیم و تربیت سلوک حاصل کی اور ہمیشہ خدمت میں رہے۔ سفر حج میں بھی وہ ساتھ تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ہندوستان

تشریف لائے اور بھوپال میں مدت العمر قیام رہا۔ رفیع حالات اور ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ تھے۔ نہایت مرتاض، زاہد اور قوی النسبت بزرگ تھے، واقعات اور بعض خوارق اولیائے متقدمین کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ غلام سرور لاہوری "خزینۃ الاصفیاء" میں لکھتے ہیں:۔ "مرد عالم و فاضل باشوکت و تجمل بود" ۱۲۲۶ھ بیالیس۴۲ سال کی عمر میں وفات پائی اور جہانگیر آباد[۱] میں مدفون ہوئے۔

آپ کے دو صاحبزادے تھے محمد ابو البرکات جو ۱۲۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۸۶ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، دوسرے حضرت پیر ابو احمد صاحب جن کا اصل نام عبد اللہ تھا۔

حضرت شاہ پیر ابو احمد صاحب

آپ کی پیدائش ۱۱ر رمضان المبارک ۱۲۹۰ھ میں بھوپال میں ہوئی۔ تعلیم اساتذۂ بھوپال بالخصوص مولانا قاضی ابو ایوب صاحب سے حاصل کی، والد حضرت شاہ خطیب احمد صاحب کا جب انتقال ہوا تو آپ کی عمر ۸ سال کی تھی، اسلئے ان سے اکتساب فیض نہ کر سکے۔ اس بنا پر آپ نے اپنے ہی خاندانی بزرگ حضرت شاہ عبد الغنی مجددی سے مدینۂ طیبہ جاکر سلوک کی تعلیم و تربیت حاصل کی اور انھیں سے اجازت و خلافت حاصل ہوئی[۲] حضرت شاہ عبد الغنی صاحب حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے چھوٹے بھائی اور حضرت شاہ اسحٰق صاحب کے ممتاز ترین تلامذہ اور اساتذۂ حدیث میں ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ وغیرہ اور دوسرے

---

[۱] جہانگیر آباد۔ بھوپال کا ایک نواحی محلہ۔

[۲] حضرت شاہ عبد الغنی صاحب آپکے حقیقی پھوپا اور رشتے کے چچا تھے۔

نامور علماء و شیوخ حدیث ہیں۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب نے حکومت انگریزی کے استقرار پر ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) میں ہندوستان سے ہجرت فرمائی اور مدینہ طیبہ میں قیام اختیار کیا جہاں ساری عمر گذار دی اور درس و ارشاد اور تعلیم و تربیت میں مشغول رہ کر ۶ محرم ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی اور بقیع میں آسودۂ خاک ہوئے۔

کمالات و اوصاف

حضرت شاہ پیر ابو احمد صاحب اپنے عہد کے مشائخ کبار میں سے تھے اور اس آخر دور میں کم سے کم ہندوستان میں نسبت مجددیہ کا ان سے بڑھ کر مظہر اور اس طریقہ کے کمالات و علوم اور معارف و حقائق کا ان سے بڑھ کر عارف و ترجمان نظر نہیں آتا وہ غایت درجہ میں سنت کے متبع اور آداب طریقت کے امین و محافظ تھے۔ تجرید و تفرید، تبتل و انقطاع، اہل دنیا سے بے رغبتی، امراء و اہل دول سے بے تعلقی اور زہد و قناعت میں دور دور ان کی نظیر نہیں تھی۔ منازل سلوک کے نشیب و فراز اور اس کی گھاٹیوں سے پورے طور پر واقف اور مکتوبات امام ربانیؒ کے بڑے غوّاص و محقق تھے۔ احکام شریعت میں نہایت سخت اور معاملات دنیاوی میں نہایت نرم و شفیق، طبعی طور پر مزاج میں جلال تھا لیکن چھوٹوں پر بڑی شفقت اور کمزوروں اور طالبین صادقین کی بڑی رعایت فرماتے تھے۔ اہل اللہ کے عام شیوہ کے مطابق بذل و سخا اور جود و عطا کا بڑا ذوق تھا، معمولات کے شدّت سے پابند تھے اور اوقات کا بیشتر حصّہ طریقہ کے اذکار و اشغال و مراقبات میں گزرتا، چھوٹی چھوٹی سنتوں اور آداب، ادعیہ ماثورہ اور اذکارِ مسنونہ کا اہتمام فرماتے اور ہر چیز میں اتباع سنت کو مقدم رکھتے۔ ختم کا بڑا اہتمام تھا، اس میں ناغہ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ اسفار اور دوروں کا بہت کم معمول تھا کہ اس سے اذکار و معمولات میں فرق پڑتا ہے۔ زندگی کے آخر دور میں یکسوئی کو

انقطاع اور اتباع سنت کا اہتمام بہت بڑھ گیا تھا۔

افسوس ہے کہ ایسے جلیل القدر شیخ کے حالات و کمالات کا کوئی مرقع اور ان کی کوئی سوانح حیات یا ملفوظات وافادات کا کوئی مجموعہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اکبر مولانا حکیم سید ابو حبیب صاحب (والد مولانا سید ابوظفر ندوی) حضرت کے ممتاز خلفاء و مسترشدین میں تھے اور ان کو آپ سے ایک والہانہ و عاشقانہ تعلق تھا۔ انھوں نے آپ کے حالات و کمالات اور علوم و تحقیقات کا ایک بڑا قیمتی مجموعہ "معارفِ مجددیہ" کے نام سے مرتب کیا تھا افسوس ہے کہ وہ ان کے ایک صاحب علم عزیز سے جنھوں نے مطالعہ کے لئے مستعار لیا تھا ضائع ہو گیا اور جیسا کہ شیوخ کاملین کا جن پر فنا کا غلبہ ہوتا ہے شیوہ ہے ان کے بیشتر حالات و کمالات پر پردہ پڑا رہا۔ اہل اللہ کی وفات کے قرب کا زمانہ اور اس دار اغیار سے محبوب حقیقی کی طرف سفر کا وقت ان کے اصلی اذواق و کمالات کے ظہور کا آئینہ ہوتا ہے، اس لئے یہاں حضرت کے مرض وفات اور ارتحال کے زمانہ کے چند حالات و واقعات درج کئے جاتے ہیں جو بعض حاضر الوقت خدام کی یادداشت سے ماخوذ ہیں۔

وفات

۴ر جمادی الاولی ۱۳۲۲ھ میں علالت کا اشتداد ہوا، کبر سنی شدت مجاہدہ اور علالت کے امتداد سے ضعف بڑھتا گیا، ۹ر جمادی الاولیٰ سے علالت نے اور شدت اختیار کرلی۔ بار بار دن اور وقت کا استفسار فرماتے، یکبارگی آپ نے فرمایا، السلام علیکم، پھر کچھ گردن سے اشارہ فرمایا، پھر آبدیدہ ہو کر ارشاد فرمایا، کہاں میرا یہ کثیف سینہ اور جسم اور کہاں قدم مبارک؟ پھر مسواک طلب فرمائی۔ طشت میں پانی منگوایا بار بار دہن مبارک اور پیشانی مبارک کو تر کرتے، اس پر قاضی یحییٰ صاحب

نے فرمایا کہ یہ سنت بھی ادا ہوگئی۔ تشنگی کی شدت تھی۔ زمزم شریف نوش فرماتے، دو چار جھٹکے لگے جس سے آپ کو سخت تکلیف محسوس ہوئی، پھر فرمایا ابھی بعض اخوان سے ملاقات نہیں ہوئی اور سکوت ہوگیا۔ فرزند گرامی حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب نے عرض کیا، آش حاضر ہے، فرمایا لاؤ اور نوش فرمایا، پھر نماز کا وقت دریافت فرمایا، ظہر کا وقت تھا، پھر لیٹے لیٹے صاحبزادے کی تکبیر پر نماز پڑھی، پھر فرمایا ہم نے قبول کیا۔ ۱۶ تاریخ صبح سے افاقہ ہوگیا۔ حکیم سید ضیاء الحسن افسر الاطباء نے نبض ملاحظہ فرمائی۔ آلہ لگا کر بخار کا اندازہ کیا، کہا کہ اس وقت ماشاء اللہ نبض بالکل صحیح ہے بخار بالکل نہیں ہے۔ طبیعت بحمد اللہ سب طرح اچھی ہے۔ یہ سن کر کچھ ارشاد فرمایا جس سے مفہوم ہوتا تھا کہ افاقہ محض ایک مہلت ہے

۱۷ تاریخ روز چہارشنبہ کی شب سے اسہال کی ایسی کثرت ہوئی کہ اکثر اوقات غفلت ہو جاتی تھی۔ قبل نماز ظہر طبیعت میں کچھ سکون پیدا ہوا۔ نماز ظہر ادا فرمائی، اکثر معتقدین بیعت کے لئے حاضر ہوئے، ان کو بیعت کرایا۔ خود نے دستگیری فرمائی اور حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب نے تلقین فرمائی۔ عصر کی نماز تکبیر پر اشاروں سے ادا فرمائی۔ ضعف و ناتوانی حد سے زیادہ ہوگئی۔ رات بھر اسہال آتے رہے طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔

۱۸ جمادی الاولیٰ پنجشنبہ کی صبح وصیت نامہ کی تکمیل کا حکم دیا۔ وصیت نامہ حسب ہدایت مرتب کیا گیا۔ ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ ۲ بجے حاذق الملک حکیم اجمل خاں حسب الطلب دہلی سے تشریف لائے۔ مزاج کا حال دریافت فرمایا، فرمایا اب مزاج کہاں ہے۔ پھر حکیم صاحب نے دوا دینے کی اجازت چاہی، فرمایا اب دوا

کی ضرورت نہیں، نماز عصر کی تیاری تھی کہ ایک دم کچھ حرکت فرمائی، نہایت آہستگی کے ساتھ کچھ فرماتے ہوئے واصل بحق ہو گئے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ قاضی محمد یحییٰ صاحب اور قاضی عنایت اللّٰہ صاحب انجھروی نے جو اس وقت حاضر تھے سورۂ یٰسین پڑھی۔ قدم مبارک سیدھے کئے۔ یہ واقعہ ۱۸ رجمادی الاول ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۲۳ء بروز پنجشنبہ ساڑھے چار بجے دن کا ہے۔

۱۲ بجے رات کو غسل کا انتظام کیا گیا۔ حضرت کی وصیت کے مطابق دیسی کھادی کا کفن تیار کیا گیا، رات ہوا کی شدت رہی اور بارانِ رحمت رہا۔

حفاظ حاضرین تمام رات قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہے۔ ۱۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ روز جمعہ صبح ۸ بجے ٹھیک جنازہ مبارک خانقاہ شریف سے اٹھایا اور جہانگیر آباد لایا گیا، تمام شہر حاضر تھا ہر قوم وملت کا آدمی نالہ کناں ہمراہ تھا۔ کاندھا دینا یا تابوت کو ہاتھ لگانا ممکن نہ تھا، باوجودیکہ فوجی دستہ نے جنازہ کو حلقہ میں کر لیا تھا، تاہم ہجوم کی وجہ سے پلنگ کی پٹیاں ٹوٹ گئیں۔ ۱۰ بجے جنازہ میدانِ احاطہ میں پہنچا۔ ساڑھے دس بجے صفوف کی ترتیب کے بعد قاضی محمد یحییٰ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، ایک ہنگامہ محشر تھا، قدم رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ ۱۱ بجے نعش مبارک قبر میں اتاری گئی اور لوگ باسینۂ بریاں ودیدہ گریاں واپس ہوئے۔

مسترشدین میں مولانا قاضی محمد یحییٰ صاحب قاضی ریاست، مولانا حکیم سید ابوحبیب صاحب دسنوی بہاری، مولانا قاضی محمود محی الدین ابن قاضی بدرالدولہ مدراسی اور مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں حکیم سید ابوحبیب صاحب خلافت خاصّہ سے سرفراز تھے۔

نزہۃ الخواطر جلد ہشتم میں مصنف کتاب مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب نے قاضی عبیداللہ مدراسی کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کو بھی حضرت پیر ابو احمد صاحب سے سلاسل اربعہ میں بیعت و اجازت حاصل تھی، قاضی صاحب مرحوم قاضی بدرالدولہ کے نامور فرزند متبحر عالم اور جنوبی ہند کے نامور مفتی تھے جن کے فتاویٰ پر بڑا اعتماد تھا۔ آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ بائیس کتابوں کے مصنف ہیں جن میں مجموعۂ فتاویٰ بھی شامل ہے، مذہباً شافعی تھے اور اسی مذہب میں فتویٰ دیتے تھے۔ ۵ اربیع الاول ۱۳۴۶ھ میں انتقال کیا۔

حضرت پیر ابو احمد صاحب کے تین صاحبزادے تھے۔ مولانا شاہ محمد ابراہیم صاحب مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحبؒ اور مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب دامت برکاتہٗ، اول الذکر دونوں بھائیوں کا انتقال اپنے والد بزرگوار ہی کی حیات میں ہوگیا تھا۔ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب زیب سجادہ اور مصروفِ ارشاد و افادہ ہیں۔ بارک اللّٰہ فی حیاتہٖ و نفع المسلمین بافاداتہٖ۔

مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی

مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب کی ولادت ۱۲ شوال ۱۳۰۳ھ میں ہوئی۔ ساڑھے چار سال کی عمر میں والدہ صاحبہ کے سایہ سے محروم ہوگئے۔ بڑی ہمشیرہ نے ماں کی قائم مقامی کی، لیکن ابھی آپ کی عمر بارہ ہی سال کی تھی کہ ان کا سایۂ عاطفت بھی سر سے اٹھ گیا۔

اس زمانہ میں منشی امتیاز علی صاحب کاکوروی ریاست کے وزیر و مدار المہام تھے۔ وہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ سے ارادت و عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ اس رشتہ سے مولوی سید تجمل حسین صاحب دسنوی جن کا ندوہ سے

خصوصی تعلق تھا۔ بھوپال آتے جاتے تھے اور منشی صاحب کے پاس طویل قیام رکھتے تھے۔ مولوی تجمل حسین صاحب حکیم سید ابو حبیب صاحب کے عزیز قریب تھے جن کا قیام خانقاہ میں رہا کرتا تھا اس طرح مولوی صاحب موصوف کی خانقاہ میں آمد و رفت تھی۔ مولوی صاحب کے صاحبزادہ مولوی محمد قاسم صاحب ندوہ میں پڑھتے تھے۔ غالباً اسی تقریب و تعارف سے اور اپنے شوق علم کی تکمیل کے لئے آپ ۱۳۱۵ھ میں جب آپ کا سن ۱۲ سال کا تھا اور ندوہ کو قائم ہوئے بھی تین ہی چار سال ہوئے تھے آپ مولوی محمد قاسم صاحب کے ساتھ ندوہ آئے۔ اس زمانہ میں ندوہ محلہ ماموں بھانجہ کی قبر واقع گولہ گنج خاتون منزل میں تھا اور مولانا محمد فاروق صاحب چڑیاکوٹی صدر مدرس تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں بھی طلباء کے ساتھ ان کو نہلانے میں شریک ہوا۔ آپ کا قیام بھی مولانا ہی کے یہاں تھا۔ چونکہ ابتدائی تعلیم بھوپال میں نہیں ہو سکی تھی، اس لئے دارالعلوم میں داخلہ نہیں ہو سکا۔ ادھر مکان پر اطلاع ہو گئی اور بڑے بھائی محمد ابراہیم صاحب آ کر لے گئے اس طرح کل بارہ دن ندوہ میں قیام رہا۔

بھوپال آ کر آپ قرآن شریف حفظ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ گھر میں حالات آپ کے لئے سازگار نہ تھے، بھائیوں میں منجھلے بھائی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے طبیعت کو زیادہ مناسبت اور ان سے خصوصی یگانگت تھی، وہ ہجرت کر کے حرمین شریفین چلے گئے۔ ادھر پے در پے ایسے واقعات پیش آئے کہ آپ کی خود دار اور غیور طبیعت اس کا تحمل نہ کر سکی۔ حضرت شاہ پیر ابو احمد صاحب رح پر ذکر و سلوک کا غلبہ تھا۔ خانقاہ شریف میں زیادہ تر ختم خواجگان وغیرہ کا اہتمام رہتا تھا۔ آپ پر خداداد طریقہ پر تعلیم حاصل کرنے کا شوق غالب تھا۔ یہاں ماحول اس کے لئے سازگار نہ تھا، پھر کچھ لوگ آپ کے

خلاف والد صاحب کے کان بھرتے تھے اور ان کو آپ سے ناراض و بیزار کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ابھی قرآن مجید کے ستائیس پارے ہی حفظ کئے تھے کہ ۱۳۲۲ھ میں حیدر آباد کا رُخ کیا۔ یہاں خاطر خواہ تعلیم بھی نہیں ہو رہی تھی اور یہ شوق بھی دامنگیر تھا کہ حیدر آباد سے حرمین شریفین جانے کی کوئی راہ نکل آئیگی اور وہاں بھائی صاحب کے پاس پہنچ جائیں گے۔ جن سے آپ کو بہت محبت تھی

حیدر آباد کا سفر

حیدر آباد میں سب سے پہلے آپ حضرت مسکین شاہ صاحب کی خانقاہ میں پہنچے اور ان کے سجادہ نشین تسکین شاہ صاحب کے یہاں قیام کیا، یہاں چند ماہ قیام رہا تھا کہ آپ کے رشتہ کے ایک ماموں مولوی سعید احمد صاحب مجددی[۱] کو معلوم ہو گیا اور وہ آپ کو مع سامان کے گھر لے گئے اور وعدہ کیا کہ میں آپ کے حجاز جانے کا انتظام کر دوں گا۔ اس میں سال بھر سے زیادہ گذر گیا۔ اسی دوران میں منجھلے بھائی کے انتقال کا خط آگیا۔ اب مکہ جانے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔ خواب میں زیارت ہوئی۔ انھوں نے فرمایا "الکریم اذا وعد وفا"۔ جواب دیا اب آکر کیا کروں؟ جواب میں فرمایا: ع

"بہ جنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد"

کئی بار یہی واقعہ پیش آیا۔ اس سے ایک والہانہ شوق اور سفر کا شدید تقاضا پیدا ہوا۔

سفرِ حجاز

مولوی سعید احمد صاحب سے جب اس امر کا انصرام نہ ہوا تو آپ ایک دوسرے صاحب کے پاس گئے۔ انھوں نے کہا کہ مجھے سو روپے

---

[۱] برادر مولوی ندیم احمد صاحب مجددی مقیم مدینہ منورہ [۱] (حاشیہ صـ پر دیکھیے)

کا اختیار ہے۔ آپ نے اسی کو قبول فرما لیا۔ سو روپیہ نظام شاہی کے ۹۱ روپے ۱۴ آنے کلدار ہوئے۔ ٹکٹ کا انتظام نظام کی طرف سے ہوتا تھا۔ الغرض بڑی صعوبتوں کیساتھ ۱۳۲۳ھ میں حجاز پہنچے، کچھ عرصہ مکہ میں قیام کیا۔

وہ زمانہ سخت بدامنی کا تھا، بدو حجاج کو بے دریغ قتل کر دیتے تھے۔ مصارف کی کمی اور راستہ کی بدامنی کی وجہ سے رفقاء سفر سخت ہراساں اور سفر کے بارے میں سخت متردد تھے۔ آپ نے رفقاء کو مخاطب کر کے فرمایا کہ پہلے تو آپ کو اس راستے میں جان دے دینے کی آرزو تھی۔ اب کیوں ڈرتے ہیں۔ وَلَقَدْ کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوہ فقد رأیتموہ وانتم تنظرون۔ یہ راستہ تو عشق و جانبازی کا ہے۔ آپ کی اس تلقین سے لوگوں کی ہمت بندھی اور مکہ معظمہ سے روانگی ہوئی۔ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، مولوی ندیم احمد صاحب کے یہاں قیام کیا۔ وہاں پہنچکر وہیں پیوند خاک ہو جانے کی آرزو دامنگیر ہوئی اور کسی طرح طبیعت اس سرزمین کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھی۔ لیکن بعض حالات و واقعات کی بنا پر آپ کو وہاں سے مراجعت کرنی پڑی اور مکہ معظمہ کچھ عرصہ قیام کر کے سنہ ۱۳۲۴ھ میں حیدرآباد واپس ہوئے۔

حیدرآباد کا قیام حیدرآباد آپ کا سترہ برس قیام رہا، زیادہ تر قیام بلدہ میں محلہ شاہ علی بنڈہ شکر گنج میں رہا۔ حیدرآباد، بلدہ کے علاوہ آپ نے تین سال جالنہ میں مولوی نور احمد صاحب ملتانی کے پاس قیام کیا، وہاں سے

لہ (حاشیہ صفحہ سابق) حضرت فرماتے تھے کہ ان کا منشا آپ سے اپنی صاحبزادی کا عقد کرنا تھا، اسلئے وہ سفر کا کوئی انتظام نہیں کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس طرح کے تعلقات منظور ہوتے تو بھوپال میں اس کے امکانات تھے۔ مگر مقصد حصولِ علم تھا۔

واپس آکر مولوی عبدالعزیز صاحب کے پاس ملک پیٹھ میں دو سال ٹھہرے جو ایک ذی استعداد استاذ اور ایک متقی عالم تھے[1]۔ اور اصل بدایوں کے رہنے والے تھے، پھر شاہ محی الدین صاحب قادری کے یہاں پانچ سال قیام فرمایا۔ ان کا انتقال حضرت کے سامنے ہی ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ ان کے صاحبزادے کے پاس رہے، پھر ایک صاحب کے یہاں جن کا نام داؤد میاں ہے دو سال قیام فرمایا۔

اسی دوران میں گلبرگہ میں حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں دو سال قیام کیا۔ اورنگ آباد وغیرہ بھی جانا ہوا لیکن مستقر حیدرآباد ہی رہا۔

حیدرآباد کے قیام کا زمانہ بڑے مجاہدہ اور جفاکشی کا تھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس سترہ سال کی مدت میں زیادہ تر جوار کی روٹی پر گذر کی، عید کے موقعے پر اس ڈر سے کہ احباب نیا جوڑا بنانے پر اصرار نہ کریں جنگل میں نکل جاتے تھے۔ اس وقت جوار ایک روپیہ کی بہت مل جاتی تھی۔ ۵ اسیر جوار مہینہ بھر کے لئے کافی ہوتی تھی، نمک کا بجٹ نہ ہوتا تھا جن سے روٹیاں پکواتے تھے نمک انھیں کی طرف سے ہوتا تھا۔ کتابیں بغل میں دبائیں اور روٹیاں کپڑے میں باندھیں اور گھر سے چل دیئے۔ سالن کے دام بھی نہ ہوتے۔ آم کا اچار سالن کا کام دیتا تھا۔ کبھی طبیعت میں تقاضا پیدا ہوتا تو گڑ سے جوار کی روٹی کھا لیتے۔

بعض مرتبہ فرمایا کہ حیدرآباد میں کثرت سے فقیروں اور مجذوبوں کی صحبت رہی زیادہ تر وہ لوگ ملے جن پر وحدۃ الوجود اور "ہمہ اوست" کا غلبہ تھا اور اس میں ان کو بہت غلو تھا۔ بے قید صوفی اور بے راہ اور آزاد منش درویشوں سے بکثرت واسطہ پڑا۔

حیدرآباد کے مجاہدات

یہ وہ زمانہ تھا کہ بھوپال میں خود حضرت کے مکان پر ارشاد و ہدایت کا ہنگامہ گرم تھا اور رجوع خلائق اور

[1] مولوی عبدالعزیز صاحب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے شاگرد تھے ۱۹۱۹ء میں انتقال کیا۔

فتوحات کا یہ حال تھا کہ روپیہ کو گننے کی فرصت نہ تھی۔ تولے جاتے تھے۔ ادھر نانِ جویں پر گذارہ تھا اور سخت تکالیف کا سامنا۔ اس پر بار بار طلبی بھی ہوتی تھی، لیکن آپ علم و درویشی کی طلب میں ایسے مست اور اپنی دھن میں ایسے پکے تھے اور طبیعت بھی ایسی غیور و خود دار پائی تھی کہ پچھلے تجربات کے بعد وہاں کا رہنا گوارا نہ تھا (اس لیے یہاں کی فاقہ مستی کو وہاں کی فراخ دستی، تنعم اور صاحبزادگی اور مخدومیت پر ترجیح دیتے رہے)۔ اس زمانے میں اکثر یہ شعر پڑھتے ؎

بڑے مزے میں گذرتی ہے بے خودی میں امیرؔ
خدا وہ دن نہ دکھائے کہ ہوشیار ہوں ہم

فرمایا کہ بزرگوں کی حکایات میں پڑھا تھا کہ انھوں نے بہت دنوں تک برگ گیاہ پر گذارہ کیا۔ میں نے بھی کوشش کی کہ گھاس پھوس کھا کر پیٹ بھر لوں مگر قے ہو گئی اسلئے مجبوراً جوار اختیار کی۔ اس عرصہ میں بعض حضرات سمجھانے بھی آئے اور اس حالت پر سخت تعجب اور افسوس کا اظہار کیا۔ مگر آپ بھوپال آنے پر رضامند نہ ہوئے۔

تعلیمی مشاغل

حیدرآباد کے زمانۂ قیام ہی میں آپ نے عربی، فارسی کی تعلیم کے سلسلہ کا آغاز کیا۔ گلستاں بوستاں حضرت شاہ محی الدین قادری سے پڑھیں جو ایک متبحر عالم تھے۔ کچھ کتابیں مولوی عبدالعزیز صاحب بدایونی سے پڑھیں، مولوی محمد سعید صاحب پشاوری سے جو قادیانی مسلک رکھتے تھے، فارسی کی مشہور کتاب ظہوری پڑھی جس کے پڑھانے میں وہ خاص ملکہ رکھتے تھے۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مسقطی سے جو عربی کے بڑے ادیب تھے، بھی چند کتابیں پڑھیں اور ان کی صحبت اٹھائی۔ مولوی ضمیر الدین صاحب سے سوانح جامی پڑھی۔ وہ آپ کے خاندان و سلسلہ سے واقف تھے۔ انھوں نے بعض مرتبہ

کہا کہ "میاں کبھی اپنے بزرگوں کی کتابیں بھی تو دیکھ لیا کرو"۔ چنانچہ شیخ مولوی سلیمان مہدی سے پڑھا۔ نثر غالب پڑھنے کے لئے حضرت امجد حیدرآبادی کے پاس گئے۔

مشائخ حیدرآباد میں سے چند ماہ تسکین شاہ صاحب کی خدمت میں رہے۔ فرماتے تھے جس محلہ میں رہا اس محلہ کے کسی دیرینہ سال معمر بزرگ کی سرپرستی میں رہا۔ ان سے کہہ دیتا تھا کہ "میں اپنا اچھا برا نہیں سمجھتا آپ میری نگرانی فرمائیں اور اچھے برے سے آگاہ فرمادیا کریں"۔ حضرت نے بارہا ان بزرگوں کی تربیت و تنبیہ کے سبق آموز واقعات سنائے۔

مشائخ حیدرآباد

حیدرآباد کے مشہور بزرگ حضرت شاہ کلیمی صاحبؒ کی خدمت میں بھی رہے، موصوف کٹرا مانک پور کے رہنے والے تھے۔ لیکن جب حیدرآباد آتے تو مہینوں قیام فرماتے، حضرت نے ان کی صحبت سے بھی بہت فیض اٹھایا، اکثر ان کے واقعات سناتے ہیں۔ اسی طرح دلاور علی شاہ صاحب جو ایک معروف بزرگ تھے، کے یہاں بھی آنا جانا ہوتا تھا اور وہ بھی آپ کا خیال رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت خواجہ شمس الدین چشتی، مولوی سید نور الحسن صاحب، شاہ ہلال علی صاحب جو شاہ خاموش صاحب کے خلیفہ تھے کی بھی بارہا زیارت و ملاقات کی، مولوی عبدالحق صاحب افغانی، مولوی محمد حنیف صاحب وغیرہ کی بھی بارہا زیارت و ملاقات کی۔ آپ بکثرت ان کے واقعات سناتے ہیں۔

حیدرآباد کے اس طویل قیام کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ آپ کی زبان پر حیدرآباد کی بول چال کا خاصا اثر ہے۔ بے تکلف حیدرآبادی محاورات استعمال فرماتے ہیں۔

بھوپال واپسی

حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب نے بھوپال نہ آنے کا عزم بالجزم کر

رکھا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ o

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت کے دو اور بڑے بھائی تھے۔ ایک مولانا شاہ محمد ابراہیم مجددی دوسرے مولانا محمد اسمٰعیل مجددی۔ یہ بھی آچکا ہے کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے مدینہ طیبہ میں ۱۳۲۳ھ میں (۲۵ سال کی عمر میں) انتقال کیا۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب اپنے ان مرحوم بھائی کے صرف سات سال بعد ۱۳۳۰ھ میں راہی ملک بقا ہوئے۔ اب اس خاندان والاشان کا ایک ہی چشم و چراغ مولانا محمد یعقوب صاحب رہ گئے تھے لیکن وہ بھوپال سے بہت دور حیدرآباد میں تھے اور بھوپال کے نام سے بھی متوحش تھے حضرت پیر ابو احمد صاحب کا سن اب پچھتر سے متجاوز ہو چکا تھا اور آپ کو اپنی زندگی کا اعتبار نہ تھا۔ ایسی حالت میں دل میں یہ جذبہ پیدا ہونا بالکل قدرتی تھا کہ وہ بوڑھے باپ کی قوتِ بازو بنیں، ان سے اکتساب فیض کر کے خاندانی نعمت کے وارث و امین ہوں اور یہ ڈیوڑھی بے چراغ نہ ہونے پائے کہ یہ سفینہ حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے لے کر بادِ مخالف اور بیسیوں طوفانوں کے باوجود تہ نشین نہیں ہوا تھا اور دیئے سے دیا جلتا چلا آیا تھا۔

اس کے برخلاف حضرت کو حیدرآباد سے ایسا انس ہو گیا تھا کہ بارہا تمنا پیدا ہوئی کہ یا تو اسی زمین آسودۂ خاک ہوں یا پھر مدینہ طیبہ کی پاک سرزمین میں۔

ایک مرتبہ اس اطلاع پر کہ بڑے حضرت یاد کر کے روتے ہیں، آپ چند دن کے لئے بھوپال گئے۔ لیکن یہ اطلاع صحیح نہیں تھی۔ تعلیم کا سامان اور اپنے موافق ماحول نہ پاکر پھر واپس آگئے۔

حیدرآباد کے متعلق مشہور تھا کہ جو وہاں جاتا ہے وہیں کا ہو رہتا ہے۔ اس وقت کا حیدرآباد علماء و مشائخ کا مرکز اور اپنی پوری بہار پر تھا۔ آپ کے آخری دو سال گلبرگہ میں گذرے۔ آپ نے وہاں ایک افغانی لڑکے داؤد خاں کو بیٹا بنا لیا تھا۔ ان کا تقرر گلبرگہ میں ہوا۔ آپ بھی انھیں کے ساتھ وہاں منتقل ہو گئے۔ قیام زیادہ تر مزار مبارک پر رہتا تھا۔ وہاں اشارۂ غیبی ہوا کہ تمھارا مطلوب بھوپال میں ہے اور وہ منحصر ہے والد صاحب کی توجہ اور عنایت پر، چونکہ بھوپال سے سخت توحش تھا، اس لئے اشارۂ غیبی پا کر سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ دوسری مرتبہ پھر بیداری اور خواب کے درمیان اشارہ ہوا کہ اب حیدرآباد کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دینا چاہئیے اور یہ بتا یا گیا کہ یہاں کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ اسی کشمکش میں خواب میں والد صاحب کی وفات کو دیکھا اور دیکھا ایک کتاب پھٹی ہوئی، ورق بکھرے ہوئے اکٹھا کر کے باندھ کر سامنے رکھی ہوئی ہے حضرت پیر ابو احمد صاحب فرما رہے ہیں، یہ میرا اعمال نامہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جا رہا ہوں حضرت یہ سن کر رونے لگے۔ بڑے حضرت نے فرمایا میاں خاموش نہ بیٹھو، درود شریف پڑھو۔ خواب میں چیخیں نکل گئیں۔ داؤد میاں آواز دے رہے تھے، کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی فرمایا کہ میرے بھوپال جانے کا سامان کرو۔ پہلی گاڑی سے جاؤں گا۔ داؤد میاں نے کہا کہ کل عید الاضحیٰ ہے، اس کے بعد جائیے گا۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگے۔ فرمایا عید راستہ میں ہو گی کچھ حرج نہیں۔ ہماری عیدیں تو سترہ سال سے جنگلوں میں ہو رہی ہیں غرض کہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کو روانہ ہو کر ۱۰ ذی الحجہ کے دن بھوپال پہنچے۔

خانقاہ پہنچے تو سامان تانگہ میں چھوڑ کر خود اندر آئے۔ والد صاحب حجرہ میں تشریف

رکھتے تھے ۔ اندر جاکر سلام کیا۔ وعلیکم السلام فرماکر دریافت کیا کون ہے؟ جو حضرات موجود تھے انھوں نے کہا حضور ننھے میاں (حضرت کی عرفیت) ہیں۔ فرمایا پھر جاکر ہم کو پریشان کریں گے کیونکہ بلانے سے بھی تو نہیں آتے تھے۔ برسوں کوشش کر کر کے تھک گئے مگر بھوپال آنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ آپ نے عرض کیا کہ سامان ابھی تانگہ ہی میں رکھا ہے میں جانے کے لئے اب بھی تیار ہوں۔ میں تو آپ کی مرضی کا طالب ہوں مگر لوگ آپ کو مجھ سے راضی نہیں رہنے دیتے۔ میرے بھوپال نہ رہنے کا یہی سبب ہے، اب بھی میں خود نہیں آیا بلکہ بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپ نے حیدرآباد میں جو اشارات پائے اور جو کچھ خواب میں دیکھا بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا یہ سب بالکل صحیح ہے۔ میں بھی بے چین تھا اور کوئی دعا نہیں چھوڑی جو نہ کی ہو۔ یا اللہ اسے میرے پاس بھیج دے، اب میرے پاس کوئی نہیں رہا۔ اے اللہ اب تو بہت دن ہو گئے۔ اب تو اس کے دل میں ڈال دے کہ وہ بھوپال آجائے۔

شاہ محمد یعقوب صاحب نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ میں خانقاہ، ملکیت و جائداد لینے نہیں آیا۔ مجھے تو صرف آپ کی رضامندی کافی ہے۔ اگر اس مال و اسباب کی پرواہ کرتا تو ۷ برس بے وطن نہ پھرتا۔ اگر اب بھی آپ کی مرضی نہیں ہے تو چلا جاؤں۔ بڑے حضرت نے فرمایا اب مجھ سے جدا ہونے کا وقت نہیں ہے میرے قریب ہی رہو۔ اب میرا وقت قریب ہے لیکن تمھاری طبیعت میں وحشت پیدا ہو گئی ہے۔ تم پھر جاؤ گے۔ مگر مجھ سے پوچھ کر جانا اور خرچ لے کر جانا۔

کچھ دن گزرنے کے بعد حضرت نے خلافت عطا کرنے کا ایما ظاہر فرمایا۔ آپ نے عرض کیا کہ مجھے ضرورت نہیں اور نہ میں اس لئے آیا ہوں کہ خانقاہ میں بیٹھوں اور مرید کروں مجھ کو تو صحرا نشینی ہی پسند ہے۔ باوجود اس کے کہ حضرت کی طبیعت میں جلال تھا لیکن

آپ کے اس جواب پر ناراض نہ ہوئے بلکہ خاموش ہو گئے، کچھ دنوں کے بعد اس کا تذکرہ فرمایا پھر آپ نے انکار کر دیا۔ شادی کے متعلق بھی گفتگو فرمائی مگر آپ نے اس وقت معذرت کر دی۔

حیدر آباد کا دوسرا سفر

چند ماہ قیام کے بعد حیدر آباد جانے کی اجازت چاہی اس لئے کہ عجلت میں آنے کی وجہ سے سامان اور کتابیں نہیں لا سکے تھے جیسے بیٹھے تھے ویسے ہی اٹھ کر چلے آئے۔ حضرت نے بخوشی اجازت دے دی، حضرت کے ایک مخلص نے ریلوے کا پاس بنوا دیا جس کی مدت ایک ماہ تھی۔ آپ تیار ہو کر اسٹیشن روانہ ہوئے، بڑے حضرت باوجود انتہائی ضعف کے ساتھ تشریف لے گئے اور آپ کو گاڑی میں بٹھایا اور سب لوگوں کے ساتھ خود کھڑے رہے۔ دو آدمی بڑے حضرت کو پکڑے رہے۔ آدھ گھنٹہ گاڑی رہی لوگ بیٹھنے کے لئے کہتے رہے لیکن آپ بیٹھے نہیں کھڑے ہی رہے تاکہ آپ اس سے متاثر ہوں اور حیدر آباد نہ رہ جائیں۔ قیام حیدر آباد کے زمانے میں دو تین بار آپ اصرار پر آئے تھے، لیکن پھر چلے گئے تھے، اسلئے اب بھی اطمینان نہ تھا۔

دوبارہ بھوپال واپسی

چونکہ ریلوے کے پاس کی میعاد ایک ماہ کی تھی اور بڑے حضرت کا ضعف بڑھتا جا رہا تھا، اس لئے ایک ماہ سے دو دن پہلے ہی واپس تشریف لے آئے۔ بھوپال پہنچنے کی اطلاع تار سے دے دی تھی، اسلئے بڑے حضرت بہت سے خدام و احباب کے ساتھ اسٹیشن تشریف لے گئے اور خوشی خوشی ساتھ لائے۔

بھوپال آ کر آپنے علمی اشتغال جاری فرما دیا۔ خانقاہ میں کچھ لوگ مستقل مقیم تھے اور علماء اور عوام میں سے بہت سے لوگوں کی آمد رہتی تھی۔ آپ نے حکم دیا جو عالم فاضل ہیں

وہ ہم کو پڑھائیں اور جو عامی ہیں ہم سے پڑھیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اس محنت کے لئے تیار نہیں تھے یا جن کو علم کا ذوق نہیں تھا انھوں نے آمد و رفت موقوف کردی۔ اب بھی اکثر فرماتے ہیں کہ لوگ گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں جہاں قرآن شریف کھولا سب منتشر ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ پوری زندگی اسی تمنا میں گزر گئی کہ اللہ تعالیٰ طالب علم بنادے پیر بننے کا شوق کبھی نہیں ہوا۔ قرآن شریف سے بہت شغف تھا ایک ایک نشست میں دو دو منزلیں پڑھ لیتے تھے اسی طرح سنانے بیٹھتے تو پندرہ پندرہ پارے سنا دیتے۔ زیادہ تر اوقات تلاوت ہی میں گذرتے تھے۔ حیدرآباد کے قیام میں کچھ علاج و معالجہ کا بھی مشغلہ تھا بھوپال آکر مفتی رضوان صاحب مرحوم سے طب کی دو کتابیں پڑھیں۔

بڑے حضرت کی وفات اور آپ کی خلافت و نیابت

آپ کے بھوپال آنے کے بعد قریب ڈھائی سال اور بڑے حضرت حیات رہے۔ آپ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کو بھوپال پہنچے تھے اور ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ کو بڑے حضرت نے اس دار فانی سے ارتحال فرمایا۔

خانقاہ کا ماحول حضرت کی طبیعت کے موافق نہ تھا۔ چنانچہ جب بڑے حضرت کو ۱۷ جمادی الاول ۱۳۴۲ھ کو قدرے افاقہ ہوا تو بعض مخصوص خدام نے عرض کیا کہ حضرت کی طبیعت الحمدللہ پہلے کے مقابلے میں آج اچھی ہے۔ ہم از روئے یاس نہیں کہتے بلکہ بزرگوں کا طریقہ چلا آرہا ہے کہ اپنی جگہ کسی کو بٹھلاتے ہیں جگہ خالی نہیں رہتی۔ والئی ریاست سلطان جہاں بیگم صاحبہ نے بھی قاضی ریاست قاضی محمد یحییٰ صاحب کو بلاکر کہا کہ آپ میری طرف سے حضرت کی خدمت میں یہ گیارہ اشرفی نذر پیش کیجئے اور عرض کیجئے کہ براہ مہربانی خانقاہ کے مستقبل کے متعلق تصفیہ فرما دیجئے جس کو چاہیں اپنی جگہ بٹھا کر اعلان کر دیں تاکہ آپ

کے بعد ہم ان کے قدم پکڑیں۔ قاضی صاحب نے یہ پیغام حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب کو پہنچادیا کہ حضرت کی خدمت میں عرض کردیں۔ آپ نے اشرفیاں لاکر بڑے حضرت کو پیش کردیں اور آگے کچھ نہیں کہا کہ اس کا مطلب تو یہی تھا کہ جس چیز سے انکار کرچکے ہیں اس کو دوسرے کے پیام کے عنوان سے یاد دلادیں۔ اس پر قاضی صاحب نے خود جاکر پیغام زبانی پہنچایا۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا محمد یعقوب کے سوا کوئی اور مستحق ہوسکتا ہے؟ پھر حضرت کو بلایا پھر فرمایا فلاں تسبیح، فلاں جبہ اور فلاں دستار نکالو۔ آپ نے تعمیل کی حضرت نے فرمایا جبہ پہن لو۔ تسبیح عطا فرمائی اور پگڑی اپنے سر پر سے اتار کر ان کے سینے پر رکھی۔ پھر سینہ سے لگاکر خود بھی خوب روئے اور حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب بھی روئے، سب خانقاہ والوں پر گریہ کی عجیب کیفیت طاری تھی پھر دیر تک دعا کرتے رہے، حضرت فرماتے ہیں کہ اتنی دیر تک دعا کی کہ جھکنے کی وجہ سے میری کمر دکھنے لگی پھر جو لوگ بیعت کرنے آئے ہوئے تھے ان کو حضرت سے بیعت کرادیا اور بہت دعائیں دیں۔ ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ کو بڑے حضرت نے آپ کو حجرۂ خلوت میں طلب فرمایا۔ تقریباً نصف گھنٹہ خاموشی معلوم ہوتی رہی، حجرہ بند تھا، پھر کچھ آہستہ آہستہ گفتگو کی اور فرمایا بیٹے ذرا بھی دنیا کی عزت نہ کرنا اور فرمایا کہ میں نے اور تمہاری والدہ نے کدّو ابال ابال کر کھائے لیکن دنیاداروں کی کبھی پرواہ نہ کی اسی پر استقامت کرنا اللہ تم کو برکات سے مالا مال فرمائے گا۔ اس کے بعد وفات کا واقعہ پیش آیا جو تفصیل سے اوپر گزر چکا ہے۔

بڑے حضرت کی وفات کے بعد جیسا کہ مخلصین و مقبولین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی عمومی سنت رہی ہے۔ یہ روحانی مرکز بھی جس کی بنیاد تقویٰ و خلوص، اتباع سنت اور حمایت شریعت پر پڑی تھی خالی نہیں رہا تمام ظاہری قیاسات و قرائن کے برخلاف اور خود شاہ

محمد یعقوب صاحب کے جذبے اور فیصلے کے برخلاف اللہ تعالیٰ آپ کو حیدرآباد سے بھوپال لایا اور زندگی کے آخر دور میں جو پیمانۂ عمر کے لبریز ہونے اور پیمانۂ جذب و شوق کے چھلکنے اور اولیاء اللہ کے کمالات کے ظہور کا خاص زمانہ ہوتا ہے۔ آپ کو حضرت والد ماجد کی خدمت میں رکھ کر آپ کی تربیت و تکمیل کا سامان فرمایا اور برسوں کی راہ مہینوں میں اور مہینوں کی راہ دنوں اور ساعتوں میں طے کرائی۔ ذالک تقدیر العزیز العلیم

آپ نے اس خانقاہ کی بے لوثی اور بے تعلقی، توکل و استغنا اور اتباعِ سنت و شریعت کی روایات کو نہ صرف قائم رکھا، بلکہ ان میں کچھ اضافہ ہی کیا۔ جن خاندانوں اور مقامات کے لوگوں کا اس خانقاہ سے نیازمندی اور عقیدت کا دیرینہ تعلق تھا اور جو یہاں آکر اپنی روح کی غذا اور اپنے درد کی دوا پاتے تھے انھوں نے اپنی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا اور زبان قال یا زبانِ حال سے کہا ؎

ہنوز آں ابر رحمت در فشاں است
خم و خم خانہ با مہر و نشاں است

عقد

حضرت کی وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک ۳۹ سال کی تھی۔ اس وقت تک آپ نے عقد نہیں فرمایا تھا حضرت نے بھی کئی بار تقاضا کیا، لیکن اس خیال سے آپ نے معذرت کر دی کہ مناسب رشتہ ملنا اور طبیعت کی موافقت بہت مشکل سے ہوتی ہے اور اس کے بغیر یہ تعلق فرائض عبودیت کی تعمیل اور حقیقی مقاصد زندگی کی تکمیل میں معاون و مددگار نہیں، بلکہ مخل اور مانع بنتا ہے اور بالآخر زندگی کا ایسا نقشہ بن جاتا ہے کہ انسان عرب شاعر کے قول کے مطابق ؏

ثم التفتُّ فلا دینا ولا دینا

کا مصداق بن جاتا ہے (مطلب یہ ہے کہ شادی کے بعد جب ازدواجی زندگی کے بکھیڑوں اور طبیعت کی ناموافقت دیکھی اور مڑکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ نہ دنیا کا ہی لطف ہے اور نہ دین کا)۔

آپ کو اس کا بخوبی علم تھا کہ اچھے اچھے دیندار گھرانوں کی معاشرت بھی بگڑ گئی ہے اور مغربی تہذیب کے اثرات، مشائخ و علماء کے خاندان میں نفوذ کر چکے ہیں، اسلئے آپ نے اس میں اتنے توقف و احتیاط سے کام لیا ہے کہ بہت سے اہل تعلق کے لئے ایک بڑا سوالیہ نشان بن گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور شوال ۱۳۴۲ھ (اپریل ۱۹۲۸ء) میں مولوی سعید الدین صاحب کی وساطت سے جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے، کھجنا ور ضلع مظفر نگر کے ایک سادات گھرانے میں رشتہ ہوا، آپ کے خسر صاحب کا نام مولانا عبد العزیز صاحب تھا۔ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے اور مولانا تھانوی و حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ مزاج و خیالات میں بھی بڑی مناسبت تھی اور دونوں جگہ کی معاشرت میں بھی بڑی یکسانی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی نیت پوری کی اور آپ کی مرضی و خیال کے مطابق رشتہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی برکت دی۔ پانچ صاحبزادے[۱] اور تین

---

[۱] پانچ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں میاں محمد صالح جو بیس سال کی عمر میں وفات پا گئے، صاحبزادہ گرامی قدر مولانا حافظ محمد سعید صاحب مجددی، مولوی مصباح الحسن صاحب، میاں فضل الرب صاحب میاں سراج الحسن صاحب، تین صاحبزادیوں میں سے ایک کی شادی ڈاکٹر سید رفیع الدین صاحب صدر شعبۂ عربی و فارسی ناگپور یونیورسٹی سے ہوئی ہے اور وہ بھی ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔

صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

نظام الاوقات آپ کا نظام الاوقات عموماً یہ رہتا ہے کہ فجر اول وقت پڑھ کر اشراق تک مصلے پر ہی تسبیحات میں مشغول رہتے ہیں۔ اشراق کے بعد بغیر ناشتہ کئے ہوئے خانقاہ میں تشریف لے آتے ہیں اور درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ سب سے پہلے قرآن پاک سناتے ہیں پھر ایک رکوع کا ترجمہ اور احسن التفاسیر سے کچھ حصہ تفسیر کا پڑھتے ہیں، پھر مشکوٰۃ کی چند احادیث مع ترجمہ و تشریح کے سناتے ہیں، اسی دوران میں دو ایک کتب کا سبق کسی عالم سے لیتے ہیں۔ اسی اثناء میں مریضوں کے بھی علاج و معالجہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ڈاک بھی ملاحظہ فرماتے ہیں، خطوط کے جوابات لکھواتے ہیں، حاضرین سے خطاب بھی فرماتے ہیں۔ اسی گفتگو میں شریعت و طریقت کے اہم نکات، نصائح اور ہدایات کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ ۱۱ بجے اور جب صحبت بہتر ہوتی تو ۱۲ بجے تشریف لے جاتے تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر قیلولہ فرماتے ہیں۔ اس کے بعد اٹھ کر نماز ظہر ادا فرما کر پھر تلاوت فرماتے ہیں۔ عصر کے بعد مغرب تک تسبیحات میں مشغول رہتے ہیں بعد مغرب اوابین ادا فرماتے ہیں اور درمیانی اوقات میں ذکر و تسبیح میں مشغول رہتے ہیں عشاء ادا فرما کر آرام فرماتے ہیں۔ ختم خواجگان عام دنوں میں ہر جمعہ کو بعد مغرب اور رمضان مبارک میں بعد نماز جمعہ کا معمول ہے۔

رمضان مبارک میں حضرت کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ چار پانچ دن میں قرآن پاک تراویح میں ختم فرمایا اور پھر بعد میں پورے رمضان میں جہاں سے چاہا پڑھا۔ دوسرا قرآن ختم نہیں فرماتے۔ فجر کے بعد اشراق پڑھ کر آرام فرماتے ہیں۔ ۱۰ بجے اٹھ کر حسب دستور خانقاہ میں تشریف لاتے ہیں۔ ظہر اول وقت ادا فرما کر پھر قیلولہ فرماتے ہیں پھر عصر کو تشریف لاتے

ہیں اور تلاوت میں مصروف رہتے ہیں تین تسبیح درود شریف کی مغرب تک پوری فرما لیتے ہیں۔ افطار کے ساتھ قدرے کھانا تناول فرماتے ہیں۔ اوابین سے فارغ ہو کر آرام فرماتے ہیں۔ معمولی سحر تناول فرما کر سنت ادا فرماتے ہیں۔ آٹے کا حریرہ پکوا کر اکثر نوش فرماتے ہیں۔ رمضان کا مہینہ زیادہ تر تلاوت ہی میں صرف فرماتے ہیں۔ اشراق تک تین تسبیح درود شریف کی پڑھ لیتے ہیں۔ باقی نظام الاوقات یہی ہے

طریقۂ زندگی اور خصوصیات

بڑے حضرت کی وفات کے بعد آپ نے ان کی جانشینی فرمائی ان خصوصیات کے ساتھ جو اس خانقاہ کا شعار بن گئی تھیں، مثلاً اہل دنیا سے بے تعلقی، بے لوثی، اپنی جگہ پر قیام و استقرار، معمولات و مشاغل میں انہماک و استغراق، طالبین کی اصلاح و تربیت، مزید اضافہ علمی اشتغال کا ہوا۔ خود بھی کتابوں کا مطالعہ فرماتے اور دوسروں کو بھی تحصیل علوم دینیہ اور علم و مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں۔ مختلف علمائے بھوپال سے مختلف کتابوں کا (قطع نظر اس کے کہ وہ کس پایہ کی ہیں اور ان کے مجمع عام میں پڑھنے اور ان اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے سے واردین و صادرین پر کیا اثر پڑے گا اور وہ اس شیخ کے متعلق جس کو علم ظاہر و باطن میں کامل و مکمل سمجھتے ہیں کیا خیال قائم کرینگے) درس لیتے ہیں۔ اکثر یہ منظر سامنے آتا ہے کہ لوگ معتقدانہ حاضر ہوتے ہیں اور بعض آپ کا نام نامی سن کر دور سے آتے ہیں اور آپ کسی مقامی عالم کے سامنے کتاب کھولے ہوئے درس لے رہے ہیں۔ خانقاہ کے ان علمی مشاغل اور اسباق کے علاوہ آپ علماء و مدرسین کے گھر جا کر بھی درس لیتے ہیں۔ ان خوش نصیب افراد میں جن کو یہ اعزاز حاصل ہوا، مولانا عبدالرشید صاحب مسکین مرحوم، مولانا عبدالرحمٰن صاحب مرحوم،

مُفتی رضوان الدین صاحب مرحوم، مولانا ابراہیم خلیل صاحب مرحوم اور مولانا عزیز الرحمن صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بعض مرتبہ کسی مدرسہ کے نوجوان فاضل یا نوعمر استاذ سے بھی آپ کو کچھ پوچھ لینے یا استفادہ کرنے میں تامل نہیں ہوتا۔

آپ کے زمانے میں یہ خانقاہ، خانقاہوں کی تمام رسوم اور پابندیوں سے جو خانقاہوں کا للازمۂ زندگی اور ان کی علامت سمجھی جاتی ہیں بہت دور ہو گئی۔ نہ یہاں تعظیم کے وہ طریقے ہیں جو عام طور پر خانقاہوں میں رائج ہیں، نہ لنگر کا انتظام، نہ مہمانوں کی دھوم دھام، نہ عرس و فاتحہ کا اہتمام، نہ اوقاف کا انتظام و انصرام، ایک سادہ اور بے تکلف دینی مرکز ہے جس میں زیادہ تر قال اللہ و قال الرسول کی آواز، قرآن اور حدیث کا درس و مذاکرہ، اخلاق و معاشرت کی اصلاح کی باتیں، زندگیوں کا احتساب، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اسی کے ساتھ ساتھ دانش مندی و حکمت (جس سے عملی زندگی، گھروں کی معاشرت، ہر طبقہ کی نفسیات اور خصوصی کمزوریوں و امراض کی گہری واقفیت اور باخبری کا اظہار ہوتا ہے) کی جلوہ فرمائی نظر آتی ہے۔

حیدر آباد کے طویل قیام کی وجہ سے جس میں آپ ایک پردیسی اور گمنام طالب کی حیثیت سے ۷ا برس تک رہے اور سخت مجاہدہ اور جفاکشی کی زندگی گزاری۔ آپ میں سے مخدوم زادگی بلکہ صاحب زادگی کی بو بھی جو اہل تجربہ کے بیان کے مطابق بڑے بڑے مجاہدات کے بعد بھی نہیں نکلتی نکل گئی اور ایک ایسی وارستہ مزاجی، بے تکلفی اور رسوم بیزاری پیدا ہو گئی جو بعض اوقات نئے زائرین اور سطحی نظر رکھنے والوں کے لئے آزمائش و ابتلا کا باعث بن جاتی ہے۔ حیدر آباد میں آپ کا اتنے مختلف طبقوں سے واسطہ رہا اور علماء و مشائخ امراء و رؤسا، صحیح العقیدہ اور فاسد العقیدہ اشخاص، مخلص و غیر مخلص، اصلی و جعلی فقراء

درویشوں، صاحب جذب و صاحب سلوک مشائخ، وحدۃ الوجود کے غالی داعیوں اور
علمبرداروں اور شدید منکرین اور مخالفین سے صحبتیں رہیں کہ آپ کی نظر سے زندگی کا کوئی
گوشہ اور اسلامی معاشرہ کا کوئی طبقہ مخفی نہ رہا اور آپ کی زندگی پر نظر اتنی گہری اور وسیع ہوگئی
جو نہ صرف طبقہ علماء و مشائخ میں نادر الوجود بلکہ خالص دنیاداروں میں بھی خال خال نظر آتی ہے۔
آپ کے ملفوظات میں جو حقیقت پسندی، دقیقہ رسی، زندگی کی عکاسی، توازن و اعتدال اور
بالغ نظری دیکھنے میں آتی ہے، وہ اس طرز زندگی کا نتیجہ ہے جس کے مواقع بلا ارادہ لیکن
بارادۂ الٰہی آپ کے لئے مہیا کئے گئے۔ اس طویل زندگی اور طویل و گوناگوں تجربوں کا
ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ آپ کے ذہن میں دین، سلوک، تصوّف سب کے بارے میں زوائد اور اصلی
اجزاء، وسائل اور مقاصد اور مغز و پوست میں امتیاز کرنے کی غیر معمولی صلاحیت پیدا ہوگئی
اور ان میں سے ہر چیز کا لب لباب اور اس کے مغز کا ذہن نے ادراک کرلیا اور اس کو پیش کرنے
اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرنے میں آپ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی
اسی کے ساتھ مختلف سلسلوں کے مشائخ سے بکثرت ملنے اور ان کی خوبیوں، ان کے
خلوص، دردمندی، طلب صادق اور تعلق مع اللہ کو قریب سے دیکھنے کی وجہ سے ایک ہی
طریق کی عصبیت اور ایک ہی سلسلہ اور خانوادہ کو تمام سلاسل و خانوادوں پر ترجیح دینے
کی عادت سے جو اہل سلاسل میں عام ہے آپ بالکلیہ آزاد ہوگئے۔ سب کی خوبیوں کا اعتراف کرنا
اور سب کو مقبول و نافع ماننا اور سب کو ایک منزل کے مسافر گرداننا طبیعت ثانیہ
بن گئی۔ طبعی مذاق اور موہبت خداوندی سے قرآن مجید کا ذوق ہر ذوق پر غالب آگیا۔
اور اس کی تلاوت و تدبر کا انہماک اتنا بڑھا کہ خانقاہ خانقاہ سے زیادہ مدرسہ معلوم
ہونے لگی اور اس کی دعوت و ترغیب ہر تذکیر و تعلیم پر غالب نظر آنے لگی۔

اسی طرح سے کتابوں کے مطالعہ کا شوق، ہر نئی دینی کتاب کا استقبال اور اس پر مسرت کا اظہار اس کے مطالب پر حاوی ہو جانے کا اہتمام عربی زبان کا عشق، اس کی قدیم و جدید کتابوں کے حصول کا شغف اور ان کو دور دور سے منگوانے کا اہتمام پھر ان کی حفاظت و نگہداشت، عربی زبان سیکھنے اور اس کو روزمرہ زبان بنانے کی تشویق یہ وہ خصوصیات ہیں جن کی کسی خانقاہ اور کسی شیخ خانقاہ سے عام طور سے توقع نہیں کی جاتی لیکن یہ چیزیں یہاں اتنی نمایاں ہیں کہ ان کے محسوس کرنے کے لئے کسی طویل قیام اور کچھ بہت زیادہ گہری واقفیت کی ضرورت نہیں، وہ ہر آنے والے کو ایک ہی دو مرتبہ کی حاضری میں نظر آجاتی ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑے بڑے حقائق روزمرہ کی مثالوں یا چھوٹی چھوٹی حکایتوں کے پیرایہ میں بیان کرنے کا غیر معمولی ملکہ عطا فرمایا ہے۔ تصوف و سلوک کی بڑی نازک حقیقتوں کو آپ اس طرح آسان اور گویا روزمرہ کے چٹکلوں میں اس طرح بیان فرما دیتے ہیں کہ ان میں کسی قسم کا غموض و ابہام یا پیچیدگی باقی نہیں رہتی اور بعض مرتبہ بڑے معرکۃ الآرا مسائل جن میں صدیوں سے نزاع چلی آرہی ہو اس طرح سے حل ہو جاتے ہیں کہ تِل اوٹ پہاڑ کی مثل صادق آتی ہے، اس میں آپ کی عارف رومی حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ سے خاص مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ غالباً اس میں آپ کی گلستاں و بوستاں اور اسکے حکیم و دانا مصنف شیخ سعدیؒ سے غیر معمولی محبت و عقیدت کو بھی دخل ہے جو آپ کو ہر دور میں حاصل رہی ہے اور اب بھی آپ ان کو اپنا مرشد و مربی مانتے ہیں اور گلستان و بوستاں کو اپنی عظیم ترین محسن کتابوں میں شمار کرتے ہیں۔

تصوف و اصلاح باطن کی ضرورت کو اس زمانہ کی طبائع و اذواق کے مطابق بیان کرنا اور اس کو ایک بدیہی حقیقت و ضرورت ثابت کرنا آپ کا وہ کارنامہ ہے جس میں حضرت مجدد الف ثانی کی تجدید کا پرتو اور ان کی فرزندی کی نسبت کام کرتی

نظر آتی ہے' اسی طرح دین کی ضرورت' اسلام کی صداقت وحقانیت، معاشرت' اخلاق کی اصلاح، معاملات کی درستی، ظاہر و باطن میں یکسانی، نفاق سے اجتناب' اخلاص و انابت کی اہمیت، اپنا محاسبہ اور دوسروں کے ساتھ رعایت' صحابۂ کرام کی عظمت و عقیدت، سابقین اولین وسلف صالحین کی طرف سے تاویل ومعذرت' اولیائے کرام ومشائخ عظام کے واقعات کو سمجھنے کی کوشش اور ان کو اچھے محمل پر حمل کرنے کا اہتمام' ذریعہ اور مقصود میں تمیز، متقدمین کی عبارتوں اور ان کی تحقیقات کو سمجھنے میں غلط فہمی اور گمراہی کے اسباب اور ان سے بچنے کا طریقہ' شکستہ دلوں کی تسکین اور تھکے ہارے مسافروں اور ناکام انسانوں کی تسلی وتشفی وہمت افزائی کا سامان، دین کا مطابق فطرت ہونا، غیبی حقائق کو سمجھنے اور ان پر غور کرنے کا طریقہ' یہ اور ایسے بہت سے مضامین اور مباحث ہیں جو آپ کی روزمرہ گفتگو میں برابر آتے رہتے ہیں۔

ملفوظات اور ان کی ترتیب کا خیال

بزرگوں کے ملفوظات اور ان کی مجالس کے قلم بند کرنے کا سلسلہ ہندوستان میں بہت قدیم ہے۔ یہ ایک بڑا مبارک' اور نہایت دانشمندانہ تصنیفی اقدام تھا۔ ان ملفوظات ومجالس میں جو زندگی وبے ساختگی پائی جاتی ہے وہ قدرتی طور پر علمی تصنیفات' اور عام تحریرات میں نہیں ملتی، پھر زندگی کے مختلف حالات ومسائل میں مختلف المزاج لوگوں کو ان سے جو رہنمائی حاصل ہوتی ہے اسکی توقع بھی لگے بندھے ہوئے طریقہ پر لکھی ہوئی کتابوں سے نہیں کی جاسکتی۔ سادگی وبے تکلفی' شفقت ورعایت' نباضی ومزاج شناسی، عمومی بیماریوں وکمزوریوں سے گہری واقفیت اور ان کا صحیح علاج' ہمیشہ سے بزرگان دین اور صوفیائے کرام کا شیوہ رہا ہے اور اس کا بہترین نمونہ ان کے

ملفوظات و مجالس ہی میں ملتا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگوں کو ان اہلِ دل اور اہلِ یقین کی مجالس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا ہے اور اکثر ان حضرات کے ارشادات و تحقیقات کو دوستوں کو سنایا تو بڑا نفع محسوس ہوا۔ یہ زبانی سلسلہ کچھ زیادہ اعتماد کے قابل نہیں۔ حافظہ پر اعتماد اور لکھنے میں کوتاہی کی وجہ سے اس دولت کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مستثنیٰ کر کے اکثر معاصر بزرگوں کے ملفوظات اور ان کی تحقیقات تلف ہو گئیں۔

ناچیز راقم الحروف کو ایک عرصہ سے حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں نیاز حاصل ہے اور ان کو بھی اس کے حال پر بڑی شفقت ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً ان کی مجالس میں شرکت کی سعادت حاصل کرتا رہا ہے۔ کتنی باتیں ایسی سنیں جن کا مہینوں اور برسوں دل مزہ لیتا رہا اور ان کو ایک سوغات اور نادر علمی تحفہ کے طور پر ہند و عرب کے دوستوں کے سامنے پیش کرتا رہا، بالآخر دل نے یہ فیصلہ کیا اور چند مخلص اور صاحب ذوق دوستوں نے اس کی پر زور تائید کی کہ ان مجالس کو اپنی صلاحیت اور امکانی حد تک قلم بند کر لیا جائے۔ حضرت کے مزاج و مذاق کے خلاف سمجھ کر دورانِ مجلس میں تو کچھ بطور اشارات کے بھی نوٹ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اپنی قیام گاہ (دولت خانہ موسوم بہ غریب خانہ محب مکرم مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی) پر آ کر لکھوانے کا سلسلہ شروع کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک نہایت مفید اور قیمتی سلسلہ بن گیا۔ رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی نے جو خود بھی ان مجالس کے بڑے قدر دان اور شائق ہیں سنا تو اس کو "الفرقان" میں شائع کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ میں نے حضرت کی اجازت پر اس کو موقوف رکھا مولانا نے خود ہی اجازت طلب کی تو اس پر جو گرامی نامہ صادر ہوا، وہ خود ایک عارفانہ اور تحقیقی شان رکھتا ہے

اس کو پڑھکر اندازہ ہوا کہ یہ نشر و اشاعت حضرت کے طبع مبارک پر گراں ہے اور طبیعت کا کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ نام کا اظہار نہ کیا جائے، لیکن اپنے دینی بھائیوں اور الفرقان کے ناظرین کے فائدے کے لئے اس کی جسارت کی گئی کہ الفرقان میں یہ سلسلہ شروع کیا جائے چنانچہ مختلف وقفوں میں یہ ملفوظات قسط وار شائع ہوتے رہے اور بڑے ذوق و شوق سے پڑھے گئے اور بڑا نفع محسوس ہوا۔ متعدد اصحاب ذوق اور اہل نظر نے ان کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا پیہم تقاضا کیا کہ رسائل میں شائع ہونے والے مضامین اپنے وقت پر خواہ کتنے ہی موثر اور مقبول ثابت ہوں، کچھ عرصے کے بعد ان رسالوں کے فائلوں میں دفن ہو کر یا متفرق شماروں میں منتشر ہو کر ضائع ہو جاتے ہیں اور بعد میں تلاش کرنے سے بھی دستیاب نہیں ہوتے، اس لئے اس مخلصانہ و دانشمندانہ مشورہ کو قبول کیا گیا اور آج اس کو کتابی شکل میں مرتب کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے

یوں تو اس ناچیز کو حضرت سے غالباً ۳۵ء، ۳۶ء سے نیاز حاصل ہے۔ میرے خاندان کی ایک شاخ عرصۂ دراز سے بھوپال میں مقیم و متوطن ہے، پھر اپنے رفیق درس اور رفیق کار مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی کی وجہ سے بار بار بھوپال جانا ہوا اور ہر سفر میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری تھا۔ بعض اوقات خانقاہ ہی میں قیام بھی رہا، لیکن ہر کام کا وقت مقرر ہے۔ ان ملفوظات کے قلم بند کرنے کا خیال بہت دیر میں آیا اور اس کا سلسلہ اب سے تین سال پہلے ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ (مطابق مارچ ۱۹۶۷ء) کے ایک سفر میں شروع ہوا۔ اس کے بعد خاص اسی نیت سے بھوپال حاضری دیتا رہا اور وہاں چند روز قیام کر کے ملفوظات قلم بند کرتا رہا۔ یہ قیام (میری بڑھی ہوئی مصروفیت ذمہ داری اور جہاں گردی کی وجہ سے کبھی دس دن سے زیادہ اور تین دن سے کم نہیں رہا۔ اس لئے یہ

ملفوظات دراصل مارچ ۱۹۶۷ء اور جنوری ۱۹۷۰ء کے درمیان کے ہیں۔ بعض اوقات ایک سفر کے ملفوظات اور دوسرے سفر کے ملفوظات میں ایک سال کا وقفہ ہوا ہے، اس سے پڑھنے والوں کو یہ بھی اندازہ ہوگا کہ مرور زمانہ اور طبیعت کے نشیب و فراز کے باوجود دعوت و فکر میں کیسی یکسانی اور اتحاد پایا جاتا ہے، نیز باوجود اس کے جدید مضامین کا برابر ورود ہے اور مثالیں اور حکایتیں بدلتی رہتی ہیں۔ لیکن مرکزی دعوت اور مطمح نظر ایک ہے اور سب کا منتہا اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق، اصلاح نفس، ترقی باطنی، آخرت کا یقین اور شوقِ لقا ہے۔ ع

"آہنگ ہیں یکتا صفت سورۂ رحمٰن"

ان ملفوظات کا بیشتر حصہ "الفرقان" میں شائع ہو چکا ہے اور بہت سے دینی اخبارات و رسائل نے ان کو نقل کیا ہے۔ لیکن ۲۳ جنوری ۱۹۷۰ء سے لے کر بعد تک کی مجلسیں پڑھنے والوں کے لئے نئی ہیں، اور پہلی مرتبہ شائع ہو رہی ہیں۔

ابتدا میں ناچیز مرتب محض حافظے پر اعتماد کرتا تھا اور جو باتیں ذہن میں محفوظ رہ جاتی تھیں، ان کو اگلے دن لکھوا دیا کرتا تھا۔ لیکن بعد میں محبّی حافظ منظور احمد صاحب مقیم خانقاہ کی بیاض سے کام لینے لگا جس میں وہ تقریر کے کچھ الفاظ اور جملے اور اشارات درج کر لیا کرتے ہیں۔ اس بیاض کی وجہ سے مجلسوں کا اکثر حصّہ ضبط تحریر میں آگیا اور کم کوئی مضمون درج ہونے سے رہا۔

ابتدا میں صاحب ملفوظات کے سلسلہ اور خاندان کا تعارف اور ان کے مختصر حالات زندگی و خصوصیات مزاج و مذاق کا بالقدر ضرورت تذکرہ کرنا بھی ضروری سمجھا گیا کہ اس سے ملفوظات اور ان کے ماحول کو سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے نیز کہیں کہیں حواشی اور تشریحی

نوٹس کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

اس کارِ خیر کی تکمیل میں نیز حالات و واقعات وسنین کی فراہمی میں محبی حافظ منظور احمد صاحب سے بڑی قیمتی مدد ملی جو عرصے سے خانقاہ میں مقیم ہیں اور پابندی سے ملفوظات کے نوٹس بھی لیتے رہتے ہیں۔ مرتب ان کی اس عنایت و محبت کے لئے ان کا بڑا شکر گزار ہے۔

حضرت کے بزرگوں کے سلسلہ میں فاضل محترم مولانا وجدی الحسینی صاحب قاضی بھوپال کی غیر مطبوعہ کتاب "بزرگانِ بھوپال" نیز سلیم حامد رضوی صاحب کی کتاب اردو شعر و ادب میں بھوپال کا حصہ" سے بھی مفید مدد ملی ہے مرتب کتاب ان سب حضرات کا شکر گزار ہے۔

اب یہ مفید اور دلآویز مجموعہ ناظرین کی خدمت میں عرفی کے الفاظ میں اس معذرت کے ساتھ پیش ہے کہ ؎

امید ہست کہ بیگانگی عرفی را ۔۔۔ بدوستی سخنہائے آشنا بخشند

ابوالحسن علی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۶ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ - ۱۵ جنوری ۱۹۷۰ء

حادثۂ وفات خاندانی تعارف و سوانح حیات کا یہ حصہ مکمل کیا جا چکا تھا اور ملفوظات کی کتابت بھی بہت کچھ ہو چکی تھی اور امید تھی کہ یہ کتاب حضرت کی زندگی ہی میں شائع ہو جائیگی اور لوگوں میں اسکو پڑھ کر اس چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کی طلب پیدا ہو گی اور وہ "قدر نعمت بعد زوال نعمت" کی پرانی مثل کے مصداق نہ بنیں گے کہ اچانک ۱۳ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ (۲۰ مئی ۱۹۷۰ء) کو حادثۂ ارتحال پیش آگیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۰

جہاں تک حضرت کا تعلق ہے وہ تو خود بھی اسکے لئے سراپا اشتیاق و انتظار تھے اور دوسروں کو بھی اس کا مشتاق رہنے کی تلقین فرماتے رہتے تھے۔ ع دن گنے جاتے تھے اس دن کے لئے۔ لیکن ان لوگوں کا جنھوں نے ابھی تک زیارت نہیں کی تھی یا جن کی تمنا تھی کہ ابھی یہ چشمۂ فیض جاری رہے کا حال یہ ہے کہ:- اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اللہ تعالیٰ اس ناچیز کوشش کے ذریعہ ان بے بہا علوم اور ان بلند مضامین کو عام کرے اور ان سے قلوب کو نئی زندگی اور زندگیوں کو نیا رخ عطا فرمائے۔ وما ذلک علی اللّٰہ العزیز۔

ابوالحسن علی ۲ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلی مجلس

۳ر ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۵ر مارچ ۱۹۶۷ء بروز چہار شنبہ ۱۰ بجے دن۔

مخصوص حاضرین مجلس — نواب مولوی عبیدالرحمان خاں صاحب شروانی مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی، مولوی نعمان خاں صاحب ندوی ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین صاحب، مولوی معین اللہ صاحب ندوی، مولوی نثار الحق ندوی، منشی حلیم الدین، محمد فراہیم صاحب وغیرہ،

اصل چیز مرض کا احساس ہے

فرمایا: جب دوا اور مرض کا احساس نہ ہو تو کوئی کتنے ہی خلوص کے ساتھ عمدہ سے عمدہ نسخہ اور بنی بنائی دوا پیش کرے، لوگ قدر نہیں کرتے ہیں۔ میں اجوائن اور نمک پیش کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ پیٹ کے درد کے لئے نہایت مفید ہے، یہ اجوائن بہت عمدہ قسم کی اور لاہوری نمک نہایت اعلیٰ ہے، لوگ توجہ نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم کو پیٹ کی کوئی شکایت

نہیں۔ مجھے تو کئی بار خیال ہوا کہ لکھنؤ آجاؤں۔ اور یہ دوا آپ کے حوالہ کردوں کہ اس میں کپور کچری وغیرہ کا اضافہ کرکے ان لوگوں کی خدمت کریں جن کو مرض کا احساس اور درد کی تکلیف ہو۔"

قرآن مشیخت کو توڑتا ہے

میرے دریافت کرنے پر فرمایا — "جوانی میں جب میں حیدرآباد میں تھا تو مشائخ کے یہاں تصوف کی کتابیں پڑھی جاتی تھیں، خاص طور پر فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم کا بڑا ورد رہتا تھا، اور مثنوی مولانا روم کا تو دن رات ورد تھا، وحدۃ الوجود کے نکتے بیان ہوتے تھے اور توحیدِ وجودی کے بارے میں موشگافیاں ہوتی تھیں، لیکن میری آنکھیں قرآن کی تفسیر اور حدیث کا درس ڈھونڈھتی تھیں، اور کان ان کے سننے کے لئے بیتاب تھے۔ جی چاہتا تھا کہ کم سے کم ایک ہی آیت کی تفسیر اور ایک ہی حدیث کی تفسیر ہوتی، لیکن ان مجالس میں ان کا کوئی ذکر نہ تھا، ذوق وشوق، وجد وحال، نعرہ و آہ کی کمی نہ تھی، مگر قرآن وحدیث کا سیدھا سادہ بیان مفقود تھا، وجہ یہ ہے کہ قرآن پیری ومشیخت کو توڑتا ہے اور سب کو بندگی اور انسانیت کی سطح پر اتارتا ہے اور سارے استثنارات وامتیازات کو ختم کردیتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عرب کا بدو مجلس نبوی میں آتا ہے تو کسی قسم کے امتیازات ومشیخت کا نشان نہ ہونے کی وجہ سے اس کو پوچھنا پڑتا ہے کہ آپ میں سے خدا کا رسول کون ہے؟

اصل پرزہ

مجھے روزمرّہ کے واقعات میں قرآن اور قرآنی حقائق نظر آتے ہیں، ایک مرتبہ رائے بریلی سے موٹر پر آرہا تھا، موٹر بگڑ گئی دیر تک اس کو درست کرتے رہے، درست نہیں ہوتی تھی۔ جب ایک دوسری موٹر گزری تو اس سے بعض اوزار لے کر اس کو درست کیا گیا، میں نے پوچھا کہ کیا خرابی تھی؟ کہا گیا کہ ایک بہت باریک سوراخ ہے جس سے پٹرول آتا ہے، اس میں کچھ کچرا آگیا تھا۔ اس کی وجہ سے سارے موٹر کی مشینری اور اس کا ساز

وساماں بیکار ہوگیا۔ نہ سیٹیں کچھ کام آتی تھیں نہ ان کی گدّیاں، نہ آئینے نہ انجن کام کرتا تھا، نہ پہیے حرکت کرتے تھے۔ ایک چھوٹی سی خرابی سے ساری موٹر دھری کی دھری رہ گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا اور "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا"[1] کی تفسیر روشن ہوگئی۔ یہی انسان کے پورے نظام زندگی اور پورے معاشرہ اور تمدن کا حال ہے کہ اندر کی کثافت اور ابتری سے سارا نظام مختل اور معطل ہوجاتا ہے اور پھر خارجی سازوسامان کچھ کام نہیں آتا۔ اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ[2]۔ آج زندگی کا سارا فساد اور سارا انتشار اسی اندرونی کثافت اور ظلمت کا نتیجہ ہے۔ اور اس کی طرف کسی کو توجہ نہیں۔ پورا جہاز جس پر ہزاروں مسافر ہوتے ہیں، ایک چھوٹے سے پرزے کے سہارے چلتا ہے۔ اگر وہ پرزہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو یہ کوہ پیکر جہاز بیکار ہوجاتا ہے۔ کپتان کے سامنے جو گھڑی ہوتی ہے اس میں سوئی اگر بال کے برابر سرک جائے تو جہاز کی سمت میں سیکڑوں میل کا فرق پڑجاتا ہے۔

نماز میں جی نہ لگنے کی وجہ

فرمایا — "بمبئی میں مجھے ایک نوجوان ملے، سوٹ بوٹ میں ملبوس، داڑھی صاف، کہنے لگے مجھے پہچانا؟ میں نے

---

[1] وہی بندہ کامیاب بامراد ہوا جس نے اپنے نفس کی اصلاح کی اور اس کو سدھارا اور وہ نامراد رہا جس نے اسے خاک آلود کیا۔

[2] معلوم ہونا چاہیئے کہ جسم انسانی میں ایک مضغۂ گوشت وہ ہے کہ جب وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب اس میں بگاڑ آجائے تو پورے انسانی وجود میں بگاڑ آجاتا ہے اور وہ قلب ہے۔

کہا نہیں، کہا میرا نام یہ ہے، حافظ قاری ہوں، اکثر لوگ مجھے اس لباس میں نہیں پہچانتے پھر کہنے لگے مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے، کہنے لگے میرا نماز میں جی نہیں لگتا۔ میں نے کہا بالکل قدرتی بات ہے، ایسے ہی ہونا چاہیئے۔ چمڑے کے کارخانے میں کام کرنے والے کا عطر کی دوکان میں دم گھٹنے لگتا ہے اور عطر کے کارخانہ میں کام کرنے والا جب سرلش کے کارخانہ میں جاتا ہے تو اس کی جان پر بن جاتی ہے۔"

حیاتِ طیّبہ کے معنی اور اس کی عجیب مثال

فرمایا — "ایک زمانہ میں میں اس آیت پر بہت غور کرتا رہا۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ میری عادت ہے کہ جب کوئی چیز ذہن میں آجاتی ہے تو چلتے پھرتے ہر وقت اسی کا خیال رہتا ہے۔ میں نے بہت سوچا کہ حیاتِ طیّبہ کیا ہے؟ خیال میں آیا کہ دنیا کا مٹ کر زندگی ہی میں آخرت کا نظر آجانا حیات طیبہ ہے، اگر کوئی پوچھے کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کہیں ٹھہرے ہوں اور وہاں غلطی سے دس ہزار کے نوٹ چھوڑ کر آگئے ہوں اور کسی مجلس میں شریک ہوگئے ہوں اور اس کمرہ کا دروازہ کھلا رہ گیا ہو تو آپ کا دل اس میں لگا رہے گا اور آپ کو نوٹ کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا نہ کچھ سن سکیں گے۔ اگر بعد میں آپ سے کوئی کہے گا کہ اس مجلس میں فلاں باتیں ہوئیں، فلاں فلاں آدمی آئے اور گئے تو آپ کہیں گے کہ مجھے کچھ خبر نہیں، میرا دل تو فلاں چیز میں لگا ہوا تھا۔ یہی حیاتِ طیّبہ کا حال ہے کہ مومن کا دل یہاں اور بدن وہاں رہتا ہے۔"

ف۵ جو بندہ پابندی اچھے اعمال کرے اور دل سے وہ مومن بھی ہو تو ہم اس کو "حیاتِ طیبہ" کی نعمت سے نوازیں گے۔

بڑھاپے کی شکایت کرنیوالے کی مثال

"آخرت اور جنت مقصود اور نتیجہ ہے اور بڑھاپا اور موت اس کا ذریعہ اور پل ہے، اس لئے مجھے تعجب ہوتا ہے جب کوئی بڑھاپے کی شکایت کرتا ہے اور بڑے درد و حسرت سے کہتا ہے کہ اب مرنا ہی باقی ہے اور موت تو آنی ہے۔ وہ لڑکوں اور جوانوں کو حسرت سے دیکھتا ہے کہ کبھی میں بھی ایسا تھا، اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسان خوشی خوشی کھیتی کرے، جب غلّہ کاٹنے اور غلّہ اٹھانے کا وقت آئے تو رنجیدہ اور مایوس ہو، حالانکہ یہ ساری محنت و مشقت اسی دن کے لئے تھی اب اس کا افسوس کیوں؟ اب تو غلّہ اٹھانے اور گھر لیجانے کا وقت آیا، حدیث میں آتا ہے کہ جو اللہ کی ملاقات کا شائق ہو اللہ بھی اس کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے۔ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ ــــ حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بندے کے لئے خدا کی طرف سے سلام و پیام آتا ہے۔ قرآن شریف میں ہے:

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وَاَبْشِرُوا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاء کم فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرۃ۔[1]

---

[1] جنھوں نے اقرار کیا اور مان لیا کہ ہمارا رب بس اللہ ہے اور ہم اسی کے بندے اور پرستار ہیں پھر وہ اس قول و قرار پر مستقیم رہے (یعنی اللہ کی مرضی کے تابع رہ کر زندگی اسی طرح گذاری جس طرح اللہ کو رب ماننے کے بعد گزارنی چاہیئے) تو ان اہلِ استقامت پر فرشتے آتے ہیں اور ان کو پیام دیتے ہیں کہ کسی طرح کا خوف و غم نہ کرو۔ تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمھارے رفیق ہیں۔ حیات دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

بڑھاپے میں قفس کی تیلیاں کمزور ہو جاتی ہیں اسلئے طائرِ رُوح نکلنے کے لئے بیقرار ہوتا ہے

میں کلکتہ میں جہاں ٹھہرا ہوا تھا وہاں ایک انگریز کا مکان تھا اس کے یہاں ایک مینا پلی ہوئی تھی۔ کلکتہ میں مکانوں کی دیواریں چھوٹی ہوتی ہیں اس لئے اکثر پاس پڑوس والوں کو دوسرے گھروں کا حال معلوم ہوتا رہتا ہے۔ میناؤں کا ایک جھنڈ گزرا اور انھوں نے آواز دی تو یہ مینا جو پنجرے میں تھی بے قرار ہو گئی اور بہت پھڑ پھڑائی۔ بالکل یہی حالت روح کی ہے کہ جب وہ اوپر کی آوازیں سنتی ہے اور وہاں سے اس کے کان میں صدا آتی ہے کہ:-

"یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ"[1]

تو وہ بھی پھڑپھڑاتی ہے اور اس کا بھی دل چاہتا ہے کہ پنجرے کی تیلیاں توڑ کر وہ بھی اپنے آشیانے کی طرف پرواز کرے اور اپنے ہم جنسوں میں جا ملے لیکن وہ پنجرے سے مجبور ہوتی ہے۔ بڑھاپے میں جسم ضعیف ہو جاتا ہے۔ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ گویا قفس کی تیلیاں پتلی اور کمزور ہو جاتی ہیں اور روح کو آزاد ہونے میں آسانی ہوتی ہے۔ اسلئے بڑھاپا موجب شکر و مسرت ہے نہ کہ موجب شکایت و حسرت۔

اخبار بینی کی لت

بڑھاپے میں اس عالم کی تیاری اور اس کا اشتیاق زیادہ ہونا چاہیئے لیکن میں نے ملنگ شاہ کی مسجد کے قریب ایک ضعیف العمر

---

[1] اے نفس آرامیدہ یعنی! اے روح اپنے مالک و مولا کی یاد سے چین حاصل کرنے والی پھر چل اپنے مالک اور رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش اور شامل ہو جا میرے خاص بندوں کے زمرہ میں اور آجا میرے مقام خاص جنت میں ۔ اور جسکو ہم بوڑھا کرتے ہیں اسکو الٹا دیتے ہیں جسمانی حالت میں یعنی وہ بچپن کی طرح پھر کمزور و ناتواں ہو جاتا ہے۔

بزرگ کو دیکھا کہ مغرب کی اذان ہو رہی ہے اور وہ ایک چائے خانہ میں بیٹھے ہوئے اخبار کے مطالعہ میں محو رہیں موذن پکار رہا ہے حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح اور وہ اپنی صلاح وفلاح بھولے ہوئے دوسروں کے قصوں اور بکھیڑوں میں جن کا وہ کچھ بنا بگاڑ نہیں سکتے مستغرق ہیں ؎

بلبل نے آشیانہ چمن سے اُٹھا لیا — اپنی بلا سے بوم رہے یا ہُما رہے

جو کسی اصلاح اور مقصد کے لئے اخبار دیکھتے ہیں ان کے لئے اخبار بینی موجب ترقی ہے

ایسے آدمی کے لئے جو دنیا کی رفتار پر کچھ بھی موثر نہیں ہوسکتا اخبار بینی کا انہماک اضاعت وقت نہیں تو اور کیا ہے؟ البتہ جو لوگ موثر ہوسکتے ہیں اور جو کسی اصلاح اور مقصد کے لئے اخبار دیکھتے ہیں، ان کے لئے اخبار بینی موجب ترقی اور باعث ثواب ہوسکتی ہے۔ مجھ سے اعزاز الدین خاں صاحب نے بیان کیا تھا کہ تھانہ بھون میں اخبار کا داخلہ ممنوع تھا۔ میں بہت خوش ہوا۔ جب مجھے اپنے کسی صاحب فن اور محقق سے تائید مل جاتی ہے تو بڑی خوشی ہوتی ہے۔

دین پر عمل ہو تو اسکے آداب کا بھی لحاظ ضروری ہے

فرمایا۔" حدیث میں آتا ہے کہ نماز کا انتظار کرنے والا نماز ہی کے حکم میں ہوتا ہے، اس لئے جو شخص نماز پڑھنے جائے

لہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں عام سالکین وطالبین کو اخبار بینی کی ممانعت تھی لیکن خود حکیم الامت قدس سرہٗ ایک نظر ڈال لیتے تھے اور کوئی چیز پڑھنا ضروری یا مفید سمجھتے تو پڑھ لیتے تھے۔ حضرت ممدوح کا ایک رسالہ بھی اس موضوع پر ہے جس کا نام ہی " اخبار بینی ہے اس کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ اخبار صرف وہ لوگ پڑھیں جو اس سے کام لیں اور اسکے اہل ہوں دوسرے لوگوں کے لئے لایعنی اور موجب مفاسد ہے۔

یا نماز کے انتظار میں بیٹھے تو اس کو نماز کے آداب اور نماز کی عظمت کا خیال رہنا چاہئے۔ مجھے ایک صاحب پر بڑا رشک آتا تھا، کہ وہ بہت دور کے محلے سے جامع مسجد میں فجر کی نماز پڑھنے کے لئے آتے تھے۔ میں سوچتا تھا کہ ان کو کس قدر ثواب ملتا ہوگا، اس لئے کہ ان کو بہت قدم اٹھانے پڑتے تھے اور مسجد کے لئے جتنے قدم اٹھانے پڑیں اتنا ہی ثواب زیادہ ہے، لیکن ایک دن میری یہ سب خوشی خاک میں مل گئی۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ بیڑی پیتے ہوئے جامع مسجد آرہے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کو تو یہ خیال چاہیئے تھا کہ میں نماز کے لئے مسجد جا رہا ہوں، نماز ہی میں ہوں انھوں نے اپنے اس چلنے کی قدر نہ کی اور اس کے آداب کا خیال نہ رکھا۔

اجزاء کا اقرار اور مجموعہ کا انکار

فرمایا ـــــ بعض لوگ کسی چیز کی مجموعی شکل یا اس کے نام سے چڑتے ہیں، لیکن اس کے علیحدہ علیحدہ اجزاء ان کو مانوس و مرغوب ہوتے ہیں اور ان کو ان سے ذرا وحشت نہیں ہوتی، مثلاً بعض لوگ گلاب جامن سے چڑتے ہیں، لیکن کھویا، شکر، گھی سب ان کو علیحدہ علیحدہ مرغوب ہوتا ہے اور وہ ان کو بڑے شوق سے استعمال کرتے ہیں، لیکن جب ان سب کو باہم جمع کر کے پیش کیا جائے اور اس کا نام گلاب جامن بتایا جائے تو وہ بھاگتے ہیں اور مارنے دوڑتے ہیں۔ ایک بڑے میاں تھے ان کو اس سے چڑ تھی کہ کوئی ان سے کہے کہ دادا خیریت ہے؟ بچے ان کو چڑاتے رہتے تھے اور وہ ڈنڈا لیکر ان کے پیچھے دوڑتے تھے، اگر ان سے کوئی کہتا کہ بڑے میاں پیٹ میں درد تو نہیں ہے؟ کان میں درد تو نہیں ہے؟ سر میں درد تو نہیں ہے؟ بخار تو نہیں ہے؟ ہاضمہ خراب تو نہیں ہے؟ تو جواب دیتے کہ نہیں، یعنی ہر طرح سے اچھا ہوں، لیکن جب کوئی کہتا کہ خیریت ہے تو آگ بگولہ ہو جاتے۔ ایک دن ہمارے مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے ان کو پکڑا اور اسی طرح کے سوالات کیے اور جب انھوں نے

ہر درد و تکلیف کا انکار کیا تو انھوں نے کہا کہ اسی کا نام خیریت ہے تم اس سے کیوں چڑتے ہو، بس خیریت کا نام آتے ہی وہ چڑ گئے اور کہنے لگے کہ پھر تم نے اسی کا نام لیا۔"

اسلام اسی مجموعہ کا نام ہے

یہی حال بعض پڑھے لکھوں کا ہے کہ ان کو تصوف کے تمام اجزار کا علیحدہ علیحدہ اقرار ہے لیکن مجموعہ تصوف سے وحشت ہوتی ہے اور اس کے نام سے چڑتے ہیں۔ یہی حال دوسرے مذاہب کا بھی ہے کہ ان کو بہت سے اجزار کا اقرار ہے اور وہ اجزار ان ادیان اور ان کی تعلیمات میں منتشر ہیں ان کے مجموعہ کا نام اسلام ہے، اس مجموعہ سے ان کو وحشت ہے۔ اگر ایک ایک جزر کو علیحدہ علیحدہ پوچھا جائے (مثلاً توحید، رسالت، معاد، اعمال صالحہ، اخلاق حسنہ وغیرہ) اگر کہا جائے کہ بس انھیں کے مجموعہ کا نام اسلام ہے تو تیوری چڑھ جائے گی۔ قرآن شریف میں آتا ہے:۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰىھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ[1]: اب ان معروفات ومنکرات طیبات ومحرمات کا نام الگ الگ لیجئے۔ ہر معروف کی تعریف کریں گے، ہر منکر کی مذمت، ہر پاک صاف چیز کو قابل قبول بتائیں گے اور ہر حرام اور گندی چیز کو ناپسند کریں گے، لیکن اس مجموعہ

---

[1] اللہ کی خاص رحمت کے مستحق اس کے وہ بندے ہیں جن میں ایمان، تقویٰ اور تزکیہ کی کی صفات ہیں، جو پیروی کرتے ہیں اللہ کے اس پیغمبر کی جو نبی امی ہے جس کو وہ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس تورات میں اور انجیل میں جو ان کو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے اور حلال و پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتا ہے اور خبیث و گندی چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔

(اسلام) سے ان کو وحشت اور ان تعلیمات کے داعی و جامع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو انکار ہے۔ میں دوسرے مذاہب کے پیرووں کو سمجھانے کے لئے یہی طریقہ اختیار کرتا ہوں کہ اجزاء کو الگ الگ پیش کرتا اور ان سے اقرار لیتا ہوں کہ یہ سب اجزاء صحیح اور قابل قبول ہیں۔ پھر ان کے مجموعہ سے وحشت کیوں ہے؟ میرے پاس ایک ہندو صاحب آتے ہیں۔ وہ ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں، دوسرے صاحب آتے ہیں وہ رکوع میں رہتے ہیں۔ تیسرے صاحب ڈنڈوت کرتے ہیں اور دیر تک سر جھکائے رہتے ہیں مجھے ان کے اس فعل سے گرانی ہوتی ہے۔ جب سب الگ الگ غیر اللہ کے لئے ان کے نزدیک جائز ہے تو پھر مجموعی طور پر اللہ کے لئے کیوں جائز نہیں؟ انھیں کے مجموعہ کا نام نماز ہے، بندگی انسان کی فطرت میں ہے اور یہی پیدائش کا مقصود ہے ــــ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ" (انسانوں اور جنات کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ خالق کی بندگی اور عبادت کریں) پرزوں کو صحیح جگہ پر استعمال کرنا ہی عبادت اور توحید ہے۔ ان سب افعال کو اللہ کے لئے مخصوص کرنا بس یہی اسلام کی تعلیم ہے۔

معالج کو مریض کی قوت کا لحاظ کرنا چاہیے نہ کہ اپنی قوت کا

فرمایا ـــــ "معالج کو مریض کی قوت کا لحاظ کرنا چاہیئے، نہ کہ اپنی قوت کا، یہی طبِ نبوی ہے

دیکھیے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون کے پاس بھیجا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے ــــ "اِذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ" (تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی کا رویہ اختیار کیا ہے) لیکن ہدایت کی جا رہی ہے کہ اس کی قوت ہضم کا لحاظ رکھا جائے اور ایسی خوراک نہ دیدی جائے جس کو وہ برداشت نہ کرسکے فَقُوْلَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ (اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ سوچے یا اس کے

دل میں خوف پیدا ہو۔

حبیب حجاز مقدس میں شکری پاشا کے زمانہ میں جنگ ہونے اور رسد وغلہ نہ آسکنے کی وجہ سے اہل مدینہ کو مدینہ سے شام چلے جانے کا حکم ہوا تو اس وقت مدینہ کی آبادی بہت مختصر رہ گئی تھی۔ ۵۰، ۶۰ آدمی مسجد نبوی میں نماز کے وقت ہوتے تھے، انھیں لوگوں میں ہمارے خاندان کے بھی ایک بزرگ تھے۔ ایک دن مسلسل فاقہ کی وجہ سے وہ جاں بلب ہو گئے اور نقاہت سے بے ہوش ہو گئے۔ ڈاکٹر آیا تو اس نے کہا کہ ان کو ہرگز غذا نہ دی جائے ورنہ مرجائیں گے۔ اس نے کپڑا تر کر کے ان کے منہ میں پانی کے چند قطرے ٹپکائے پھر پھل کا تھوڑا سا رس دیا۔ اسی طرح تدریجی طور پر غذا پہنچائی، یہی حال روحانی اور اعتقادی مریض کا ہوتا ہے کہ اس کو تدریجی طور پر دینی خوراک دی جاتی ہے۔ مناظرہ میں ان باتوں کا لحاظ نہیں ہوتا اس لئے ان سے ہدایت نہیں ہوتی، مجھے مناظرہ سے بالکل مناسبت نہیں، بعض لوگ فخریہ کہتے ہیں کہ حریف کو دندان شکن جواب دیا۔ ایک صاحب نے ایسے ہی کہا تو میں نے کہا کہ پھر وہ بیچارہ گنا کیسے کھائے گا، آپ نے تو دانت توڑ ڈالے۔

غیر مسلموں کو بھی اسلام کی دعوت دینے میں قرآن ایسے ہی اسلوب اختیار کرتا ہے۔ کہ سلیم الطبع اور غیر منصف مزاج غیر مسلم بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے، مثلاً یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے کہا گیا ہے" یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواءٍ بیننا وبینکم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئاً ولا يتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله

---

[۱] اے اہل کتاب آجاؤ ایک ایسی بات پر جو برابر ہے ہم میں اور تم میں (یعنی اصولی طور پر وہ مسلمات میں سے ہے) یعنی یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی بندگی نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ بنائے سوائے اللہ کے۔

اب اس میں سے کون سا جزء ہے جس کا کوئی عقلمند اور حق پسند انکار کر سکے۔

ایک مرتبہ حیدرآباد میں ایک آریہ سماجی بڑے زور کی تقریر کر رہا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ توحید کا قائل ہے اور رسالت کا منکر، وہ کہتا ہے کہ رسالت کی بالکل ضرورت نہیں بندے اور خدا کے درمیان کسی کو حائل ہونے کا حق نہیں۔ میں نے اپنے ساتھی کو تیار کیا۔ انھوں نے تقریر شروع کی اور کہا پنڈت جی بالکل صحیح کہتے ہیں، واقعی بندے اور خدا کے درمیان کسی کو حائل ہونے کا حق نہیں، بندہ جانے اور خدا جانے، اس پر مسلمان سامعین بڑے متعجب ہوئے اور گھبرائے لیکن انھوں نے اس کے بعد کہا کہ پنڈت جی تو صحیح کہتے ہیں لیکن ایک مصیبت یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں آدمی رسالت و نبوت کی ضرورت کے قائل ہیں اور اس کے پکّے معتقد ہیں، اب خدا خود ہی آئے اور ان کو سمجھائے، خدا ہی ان کا اطمینان کرائے تو ان کو اطمینان ہو، کسی کو بیچ میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر پنڈت جی بھی خاموش ہو گئے اور سناٹا چھا گیا۔

نماز اس وقت عبادت بنے گی جب اس کا منی آرڈر وصول کرنے سے زیادہ شوق ہوگا!

فرمایا ــــ "فرائض دینی کو عادت کے طور پر نہیں، عبادت کے طور پر کرنا چاہیئے۔ عادت کے طور پر کیا تو روزمرہ کی غذا، اور طبیعت کا تقاضا بن گیا۔ اس پر ملا جی (ملا حسن علی) نے کہا کہ میں تو نماز عادت کے طور پر پڑھتا ہوں، اس کو عبادت کیسے بناؤں؟ میں نے کہا عبادت جب بنے گی جب اس کا (اخروی) فائدہ اور نقصان سامنے ہو۔ آپ کو دوپہر کی میٹھی نیند سو رہے ہوں، نیند کا غلبہ ہو اور باہر ڈاکیہ آواز دے کہ منی آرڈر لے لیجئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اگر آپ نے الکسی کی تو ڈاکیہ چلا جائے گا اور منی آرڈر واپس ہو جائے گا یا کل ملے گا، آپ نیند قربان کر کے اٹھتے ہیں اور منی آرڈر

وصول کرتے ہیں، یہی حال نماز کا ہے کہ کیسی ہی میٹھی نیند سو رہے ہوں۔ سردی میں لحاف اوڑھے ہوئے ہوں، منھ نکالنے کو جی نہ چاہتا ہو، لیکن فجر کی اذان ہو، نماز کے فائدے پر یقین اور نہ پڑھنے پر جو سزا ہے اس پر اعتقاد ہے۔ آپ نیند قربان کرتے ہیں اور سردی میں وضو کرتے ہیں، بس یہی عبادت کی روح ہے۔

رمضان کی قدر اور پہلے سے اہتمام

رمضان کی آمد ہوئی تو میری فرمائش و درخواست پر مولانا عبدالرشید صاحب مسکین نے میرے گھر میں رمضان کے فضائل و آداب پر وعظ فرمایا۔ جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے کہا کہ رمضان کا حق صرف رمضان میں ادا نہیں ہوتا، اس سے پہلے اس کا استقبال، اس کا ذوق و شوق اور اس کی تیاری چاہیئے۔ مکان کی تعمیر کا سلسلہ بنیاد سے شروع ہوتا ہے، جتنا بڑا اور اونچا مکان بنانا ہوتا ہے اتنی ہی نیو گہری کھودی جاتی ہے۔ اگر کوئی کسی مکان کی نیو کھود رہا ہو اور اس کو مضبوط بنا رہا ہو اور کوئی کہے کہ مکان کو تو سطح زمین پر کھڑا ہونا ہے، یہ زمین کے اندر کیا کارروائی کی جارہی ہے؟ تو کیا اعتراض صحیح ہوگا؟

اسی طرح رمضان کی تیاری رمضان سے پہلے شروع ہونی چاہیئے۔ رمضان شروع ہونے کے بعد اس کے دن گننا اور اس کے روزوں کا حساب لگانا کہ اب اتنے رہ گئے ہیں، بڑی ناقدری ہے۔ میں حیدرآباد میں سنتا تھا کہ لوگ رمضان شروع ہونے کے بعد سے حساب شروع کر دیتے تھے کہ "دہ رواں، دہ دواں، دہ پراں"، یہ رمضان کی قدر نہ ہوئی۔

کسی کی عاقبت خراب کرنا بزرگی نہیں

بعض لوگ کبھی کسی شیخ اور بزرگ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھوں نے فلاں کی نسبت سلب کر لی۔ فلاں کو تباہ کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہوئی۔ وہ بیچارہ

کلمہ پڑھتا تھا، اللہ کا نام لیتا تھا، اس سے بھی گیا۔ بزرگوں کا کام کسی کی عاقبت کو خراب کرنا اور کسی کو تباہ کرنا تو نہیں ہے، وہ تو عاقبت درست کرتے اور تباہ حال لوگوں کو سنبھال لیتے ہیں۔

کسی بندے میں کچھ نہیں، سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

فرمایا۔۔۔۔ "آدمی کی تعریف نہیں جہاں سے علوم و مضامین آتے ہیں اُس کی تعریف ہے۔ کوئی ٹونٹی کی تعریف کرے اور اس کا فیضان بتائے۔

ٹونٹی کہے گی کہ اس وقت آنا جب پانی بند ہوجاتا ہے، پھر میرے فیضان کی حقیقت معلوم ہوگی اُس وقت اگر اس سے کوئی پانی پینے گیا تو وہ کہے گی کہ میں تو خود جلی جا رہی ہوں، چُلّو بھر پانی مجھ پر ڈال دو۔ یہی انسان کا حال ہے کہ وہ ہر وقت ایک حال میں نہیں رہتا اور نہ وہ فیضان کا مالک ہوتا ہے۔ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ پانی کے حوض پہ بیٹھے وضو کر رہے تھے، اچانک پانی میں گر گئے اور غوطہ کھانے لگے۔ بڑی مشکل سے مریدوں نے نکالا اور جان بچی۔ ایک مرید نے دب سے عرض کیا کہ حضرت فلاں موقع پر دریائے مغرب پر سے گزر گئے اور پاؤں بھی تر نہ ہوا، آج چھوٹے سے حوض میں گر گئے اور ہوش نہ رہا۔ فرمایا یکساں حال نہیں رہتا، شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند | کہ اے روشن گہر پیر خردمند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی | چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوالِ ما برقِ جہاں ہست | دمے پیدا و دیگر دم نہاں ہست
گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم | گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

اگر درویش بر حالے بماندے
سرِ دست از دو عالم بر فشاندے

دوسری مجلس

۴ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۶ر مارچ سنہ ۱۹۶۷ء بروز پنجشنبہ ما بین ۱۰½ بجے، ۱۱½ بجے۔

مخصوص حاضرین: مولوی عبدالرحمٰن خاں صاحب شیروانی، مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی، صوبہ دار عبدالجلیل صاحب، محمد فراہیم صاحب، مولوی نثارالحق ندوی وغیرہ

ادعیہ ماثورہ کی مثال

صوبہ دار عبدالجلیل صاحب جو ایک ناگہانی حادثہ کا شکار ہو کر مفلوج و معذور ہو چکے ہیں اور کسی ہمراہی کے سہارے بمشکل چلتے ہیں، لیکن اس معذوری کے باوجود بڑے صابر و شاکر ہیں، مجلس میں آئے اور ایک طرف بیٹھ گئے ـــــ حضرت کی اچانک ان پر نظر پڑی، بڑی محبت کے ساتھ ان کو اپنے پاس بلا کر بالکل قریب بٹھایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی مصیبت ڈالتا ہے تو اس سے پہلے صبر و شکر

کی قوت اور یقین کی نعمت عطا فرماتا ہے، ورنہ مصیبت کا تحمل مشکل ہے۔ اسی طرح سے دعاؤں کے جو مضامین اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائے ان سے پہلے قبولیت کا فیصلہ فرمالیا۔ جس طرح کوئی حاکم جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو امیدوار کو خود ہی عرضی کا مضمون لکھوا دیتا ہے، یہ صرف ادعیۂ ماثورہ کی خصوصیت ہے۔ بزرگوں سے جو دعائیں منقول ہیں وہ اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتیں۔ بزرگوں کی دعاؤں کی مثال پرندہ کی ہے جو خود اڑتا ہے، اور قرآن مجید اور حدیث کی دعاؤں کی مثال ہوائی جہاز کی سی ہے جو سینکڑوں کو لے کر اڑتا ہے، اسی لئے سورۂ فاتحہ میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" (تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ دکھا ہم کو سیدھا راستہ)

مجھے حزب البحر وغیرہ سے کچھ مناسبت نہیں مثلاً اس میں دعا آتی ہے کہ:۔ اَللّٰھُمَّ سَخِّرْنِی لَکَ (اے اللہ مجھے اپنا مطیع و فرمانبردار بنالے) آپ کو وہ واقعہ یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے یہاں سے اس رقم کے آنے میں دیر ہوئی جو وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو نذر کرتے تھے۔ امام حسن کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے ان کو اس دعا کی تلقین فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ اَقْذِفْ فِی قَلْبِیْ رَجَاءَکَ وَاقْطَعْ رَجَائِیْ عَمَّنْ سِوَاکَ حَتّٰی لَا اَرْجُوْ اَحَدًا غَیْرَکَ (اے اللہ میرے دل میں اپنی امید بھر دے اور میری امید ماسوا سے قطع فرمادے یہاں تک کہ تیرے سوا مجھے کسی سے امید باقی نہ رہے)

یہ دعا کتنی جامع اور مکمل ہے یہ حقیقت میں ایک سیف قاطع ہے جو ماسوا کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

ایک صاحب میرے پاس آئے اور انھوں نے دعائے سریانی مشبع کی فرمائش کی میں نے کہا میں نہیں جانتا، میں تم کو عربی دعا سکھا سکتا ہوں۔

وہ بات پیدا کرو جس سے زبان میں اثر ہو!

فرمایا — "لوگ کسی اسم کے ورد اور کسی دعا کو ہزاروں لاکھوں بار پڑھنے کو موثر سمجھتے ہیں اور وہ صلاحیت اور صفت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے جس سے ایک مرتبہ کی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے، میں کسی کو سوا لاکھ کا وظیفہ یا ختم نہیں بتاتا، البتہ دو دو رکعت نماز پڑھنے کو کہہ دیتا ہوں۔ میں ایک مرتبہ کراچی میں ایک درزی کی دکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ ایک پنجابی بڑے میاں میرے پاس آئے اور کہا کہ میں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا میں کوئی عالم نہیں ہوں، تم مسئلہ پوچھو گے اور میں جواب نہ دے سکوں گا تو تم کو مایوسی ہوگی۔ انھوں نے کہا دریافت کرنے میں کیا ہرج ہے، میں نے کہا پوچھو، کہا کہ یہ وظیفے جو پڑھے جاتے ہیں ان میں بھی کوئی اثر ہوتا ہے؟ میں نے کہا دیکھو وہ سامنے جو کانسٹبل کھڑا ہوا ہے تم اس کے پاس جا کر ۱۰۰ مرتبہ کہو کہ میں نے تم کو برطرف کیا۔ میں نے تم کو برطرف کیا، تم جانتے ہو اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ اس نے کہا کہ اس پر کوئی اثر نہ ہوگا اور وہ اس کو ایک مذاق سمجھے گا، میں نے کہا وہ الٹا تمھاری گردن ناپے گا اور کہے گا کہ تم میرے برطرف کرنے والے کون؟ انھوں نے کہا صحیح بات ہے۔ میں نے کہا اگر قائداعظم (اس وقت محمد علی جناح مرحوم زندہ تھے) ایک سپاہی سے ایک مرتبہ کہیں کہ میں نے تم کو برطرف کیا؟ اس نے کہا کہ وہ اپنے کو برطرف سمجھے گا اور ان کا ایک مرتبہ کا کہنا کافی ہوگا۔ میں نے کہا پھر وہ بات پیدا کرو جس سے زبان میں اثر ہو اور ایک مرتبہ کا کہنا کافی ہو جائے۔

قبولیتِ دعا کا راز

فرمایا — لوگ دعا میں اپنے مقصود پر اور ان لوگوں پر نظر رکھتے ہیں جن سے وہ مقصود حاصل ہو سکتا ہے اور نہیں ہوتا۔ میرے یہاں ایک کاریگر دن بھر بجلی کی وائرنگ اور فٹنگ کرتا رہا۔ اس نے بڑی محنت اور

خلوص سے کام کیا، میں نے اس کو انعام دینا چاہا، کسی طرح قبول نہ کیا۔ مجھے اس جذبہ کی بڑی قدر ہوئی، ایک دن میں صحن میں بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا کہ وہ آیا اور زار و قطار رونے لگا میں سمجھا کہ اس کے کسی عزیز کا انتقال ہو گیا۔ میرے پوچھنے پر اس نے کہا کہ میں بہت دن سے روزگار کی تلاش میں ہوں لیکن کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ جہاں جاتا ہوں ناکام واپس آتا ہوں۔ میں نے کہا کہ میں تم کو خوشخبری دیتا ہوں کہ تم یوں ہی ناکام رہو گے اور کوئی تمھاری بات بھی نہیں پوچھے گا۔ وہ گھبرایا اور اس نے کہا کہ کیوں؟ میں نے کہا کہ نوکری نہ ڈھونڈو، خدا کو ڈھونڈو تمھاری نظر مخلوق پر ہے، خدا پر نہیں ہے، تم اس کو منانے کی کوشش کرو، کام خود تمھارے پاس آئے گا۔ فرمایا کہ وہ شخص اگرچہ جاہل تھا، لیکن یہ بات فوراً اس کی سمجھ میں آگئی، اگر پڑھا لکھا اور مولوی ہوتا تو اتنی جلدی نہ سمجھتا، علم بڑا حجاب ہے۔ چند دن کے بعد وہ بڑا خوش خوش آیا اور کہا کہ مجھے کام مل گیا اور کارخانے والے خود میرے گھر آئے اور مجھے لے گئے، تنخواہ بھی کی اور سواری کے لئے سائیکل بھی دی، وہ میرا شکریہ ادا کرنے لگا۔ میں نے کہا کہ یہ شرک ہے، اس کا شکریہ ادا کرو جس نے نوکری دی ہے۔ اسی طرح چند آدمی میرے پاس آئے انھوں نے کہا کہ ہماری زمین پیتی (سرکاری پیمائش) میں آگئی ہے اور ہم کو وہ قیمت دی جا رہی ہے جو پہلے کبھی تھی۔ میں نے کہا کہ اس پر نظر رکھو اور اس کو راضی کرو، جو ان لوگوں کو گٹی کی طرح بیس کر سڑک پر بچھا سکتا ہے، تیسرے دن وہ آیا اور کہا کہ اسکیم بدل گئی اور زمین بچ گئی۔

حضرت نے ڈاکٹر اشتیاق صاحب کو پوچھا جو کاتب الحروف کے ساتھ تھے اور اسی دن صبح کو لکھنؤ روانہ ہو گئے تھے، عرض کیا گیا کہ ان کی چھٹی ختم ہو گئی تھی وہ آج صبح چلے گئے، حضرت نہ ملنے پر افسوس فرمانے لگے۔ میں نے عرض کیا ان کو حضرت سے بڑی محبت ہے۔

محبت بڑی چیز ہے | فرمایا — محبت بڑی چیز ہے۔ محبت پٹرول کی طرح ہے جس سے

ہر چیز چل سکتی ہے۔ فرمایا کہ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک صحابی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ قیامت کب ہوگی؟ فرمایا کہ تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے (کہ تم کو اس کا اس قدر اشتیاق ہے) کہا کہ میرے پاس اس کے لئے کچھ زیادہ عبادات نہیں البتہ مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔ فرمایا — "المرءُ مع من احب —" (انسان آخرت میں) اسی کے ساتھ ہوگا جس سے (اس کو) دنیا میں محبت تھی) فرمایا حضرات چشتیہ کی نظر اسی پڑول (دردِ محبت) پر زیادہ ہے اور اسی سے ان کی یہ ترقی اور علو شان ہے۔

سلاسلِ اربعہ کی تمثیل

حضرت شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "انہار اربعہ" میں چاروں سلسلوں کی جداگانہ نسبتوں اور ان کے جدا رنگ کو جنت کی ان چار نہروں سے تشبیہ دی ہے جن کے قرآن مجید میں الگ الگ اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى (جنت میں کچھ نہریں ایسے پانی کی ہیں جو سڑتا بگڑتا نہیں اور کچھ نہریں ایسے دودھ کی ہیں جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا اور کچھ نہریں ایسی شراب کی ہیں جن میں پینے والوں کے لئے لذت و سرور ہے اور کچھ نہریں شہد خالص اور عسل صافی کی ہیں) انھوں نے فرمایا کہ نہ بگڑنے والا پانی یہ نسبت سہروردیہ ہے، یکساں ذائقے کے دودھ کی نہر جس میں استقرار و تمکن ہے، نسبت نقشبندیہ ہے اور شراب کی نہر جس میں لذت و سرور اور کیف و نشاط ہے نسبت چشتیہ ہے۔ شہد صافی کی نہر نسبت قادریہ ہے۔ اس محاکمہ میں جو جامعیت اور توازن ہے وہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے ہدایت و تاثیر کے جو واقعات منقول ہیں اور جو خوارق ان کی طرف منسوب ہیں، وہ ان حضرات کے اخلاص، دردِ محبت اور اسی نسبت کا

کرشمہ ہیں۔

تزکیہ اور نظر بندی کا فرق

فرمایا۔ تزکیہ اور نظر بندی میں بڑا فرق ہے۔ تزکیہ میں پٹرول کا کچرا صاف کر دیا جاتا ہے اور اس سوراخ کو کھول دیا جاتا ہے جس سے پٹرول انجن میں آئے اور مشین چلنے لگے، نظر بندی میں اس کا عکس ہے، اس میں کچرا صاف کرنے کے بجائے الٹا پٹرول میں کچرا ڈال دیا جاتا ہے، مسمریزم والے اور شعبدہ باز محض نظر بندی کرتے ہیں۔ وہ قوت متخیلہ پر ایسا اثر ڈالتے ہیں کہ چیزوں کی حقیقت کچھ ہوتی ہے اور نظر کچھ آنے لگتی ہے، اسی حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے: يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعٰى (ساحرین فرعون کے سحر سے حضرت موسیٰ کو محسوس ہوتا ہے کہ ان کی رسیاں سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں) کلکتہ میں ایک مرتبہ بازیگروں نے ایک بڑا تماشہ دکھانے کا اعلان کیا۔ دس بجے کا اعلان تھا۔ تماشائی پہلے پہنچ گئے اور ہال کھچا کھچ بھر گیا، لیکن کئی گھنٹے ہوگئے اور تماشے والے نہیں آئے۔ لوگوں میں مایوسی اور غصہ پیدا ہوا۔ بارہ بجے وہ لوگ آئے تو مجمع نے غصہ اور تعجب کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا ہم ٹھیک وقت پر آئے۔ آپ اپنی گھڑیاں تو دیکھیے دیکھا تو سب کی گھڑیوں میں ٹھیک دس بجے تھے، انھوں نے دن بھر تماشہ دکھلانے کا اعلان کیا تھا، لیکن وہ تھوڑی ہی دیر میں بغیر کچھ دکھلائے جانے لگے۔ اب لوگ پھر چیں بہ جبیں ہوئے کہ یہ کیا مذاق ہے۔ نہ کوئی تماشا دکھایا نہ کرتب دکھایا۔ انھوں نے کہا آپ اپنی گھڑیاں تو دیکھیے کیا بج گیا ہے، دیکھا تو چار بجے تھے۔ سب لوگ خفیف ہوئے اور تماشا ختم ہو گیا۔ بس یہی نظر بندی کا کمال ہے

عالمِ آخرت سے اُنس و آشنائی کی ضرورت ہے

فرمایا۔ عالم آخرت

سے انس و آشنائی کی ضرورت ہے، اور اس کے لئے پہلے سے تیاری کرنی پڑتی ہے جو لوگ اس سے غفلت کرتے ہیں، ان کے اندر انس و شوق کی کیفیت نہیں ہوتی اور دنیا سے رہائی نہیں پاتے بعض بعض ذکر کرنے والے اور اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ اس عالم سے بیگانہ ہیں، انتقال کا وقت ہوا تو کہا کہ والدہ کو بلاؤ، خالہ کو بلاؤ، پھوپی کو بلاؤ، بیوی کو بلاؤ، بچوں کو بلاؤ، پاس لاؤ، بھلا یہ وقت ان کی طرف متوجہ ہونے کا تھا۔ اوپر سے فرشتے اتر رہے ہیں اور پیام لا رہے ہیں، اس وقت تو عالم بالا کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ مولانا رومؒ نے مومن و عارف کے دمِ واپسیں کا نقشہ خوب کھینچا ہے، فرماتے ہیں ؎

موت جسر موصلِ آمد سوئے یار
مرگ را آمادہ باش اے ہوشیار
ایں چہ خوش باشد کہ سوئے شہ روم
واصل درگاہ آں بے چوں شوم
وقت آمد کز جہانِ بیکسی
پائے کوبان سوئے بامِ اورسی

ذکر و علم کی فضیلت اور فائدے سے انکار نہیں، اس سے درجات بلند ہوتے ہیں۔ آخرت میں اس کا فائدہ نظر آئے گا مگر افسوس کہ عالمِ آخرت سے بیگانہ کے بیگانہ رہے، ضرورت اس کی تھی کہ اس عالم فانی، یہاں کے تعلقات اور اس جسم خاکی کو الوداع کہنے کی تیاری کی جاتی۔ شاعر نے صحیح کہا ہے ؎

اے کف دست و ساعد بازو   ہمہ تودیع یکدگر بکنید

دانش مندی یہی ہے کہ جس سے آئندہ واسطہ پڑنے والا ہے اسی سے تعلق پیدا کیا جائے

حیدرآباد میں ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت کے یہاں یہ طے پایا کہ دیوانی سرکشن پرشاد کے یہاں سے سالار جنگ کے فرزند یوسف علیخاں کے یہاں منتقل کردی جائے۔ خاص خاص لوگوں کو اس کا علم ہوگیا کہ دیوانی سرکشن پرشاد کے یہاں سے سالار جنگ کے یہاں منتقل ہو رہی ہے انھوں نے اسی وقت سے اپنی آمد و رفت اور تعلقات کشن پرشاد کے یہاں سے ختم کرکے سالار جنگ کے یہاں قائم کرنے شروع کردیئے، یہی ہر ہوشیار اور عاقبت شناس آدمی کو کرنا چاہیئے کہ جب اس عالم فانی سے منتقل ہونا ہے اور اس پیراہنِ خاکی کو چھوڑنا ہے تو اس سے رشتہ توڑ کر اس سے ...... جوڑیں جس سے واسطہ پڑنے والا ہے اور اسی سے آشنائی اور راہ و رسم پیدا کی جائے، اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ ــــ " وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ (اور ہم جس کو زیادہ عمر دیتے ہیں اس کو جسمانی قوت کے لحاظ سے پیچھے لوٹا دیتے ہیں کیا یہ لوگ سمجھتے نہیں)، میں بہت دن سوچتا رہا کہ ایسی کھلی ہوئی بات یعنی بڑھاپے میں جسمانی انحطاط کے متعلق جس کا ہر ایک مشاہدہ کر رہا ہے أَفَلَا يَعْقِلُونَ کہہ کر کیوں دعوت فکر و تدبر دی گئی اور ایسے بدیہی واقعہ کے متعلق کیوں ایسے اہم الفاظ ادا فرمائے گئے ہیں، لیکن معلوم ہوا کہ اس سے اسی حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ بڑا سیانہ پن اور دانشمندی ہے کہ ساتھ چھوٹنے والے کے بجائے اب آنے والے اور ہمیشہ رہنے والے کی فکر کی جائے جو لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں ان کو موت پر حسرت اور اپنے عزیز و دوست کی مفارقت پہ قلق اور صدمہ ہوتا ہے۔ یہ ہماری کوتاہ نظری اور بے خبری ہے، یہ محض پیراہن کی تبدیلی ہے۔ دیکھیئے میں اپنے گھر میں میلے کپڑے پہنے ہوئے کام کاج کرتا ہوں۔ اس

پر داغ دھبے پڑجاتے ہیں، کہیں باہر جاتا ہوں تو لباس تبدیل کرتا ہوں، کیا یہ تبدیلی رنج کی بات ہے؟ کسی کا بیٹا کسی عہدہ یا ترقی پر پردیس جاتا ہے، یا ولایت سے کسی کا بلاوا آتا ہے اور لوگ اس کو رخصت کرنے جاتے ہیں تو کیا ماں باپ کی عقلمندی ہوگی کہ اس سے لپٹ لپٹ کر روئیں۔ وہ تو خود اس کی کوشش کرتے ہیں اور خدا سے چاہتے ہیں، پھر رنج و صدمہ کیوں؟ یہاں ایک سکھ بھائی آتے ہیں، ان کا ایک لڑکا ریلوے میں ملازم تھا، اس کے بہنوئی ولایت پہنچ گئے، انھوں نے وہاں اس کی ملازمت کی کوشش کی اور تقرر ہوگیا۔ ماں باپ اور وہ سب بہت خوش ہوئے لیکن ریلوے والے اس کو آزاد (ریلیز) نہیں کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ ابھی اس کی ملازمت کی مدت باقی ہے۔ اس کے والدین کئی مرتبہ میرے پاس آئے اور دعا کی درخواست کی۔ میں نے خدا کے بھروسے پر جزم و وثوق کے ساتھ کہہ دیا کہ ان کو آزاد کرنا پڑے گا۔ وہ کئی مرتبہ آئے، میں ہر مرتبہ یہی کہتا رہا، بالآخر اس کو آزادی ملی اور وہ گیا، والدین بڑے شکر گذار ہوئے۔ لڑکے نے وہاں سے پہلی تنخواہ بھیجی کہ پیر صاحب کی خدمت میں پیش کی جائے، میں نے کہا میرے یہاں لینا دینا نہیں ہے۔ اس قصہ سے مقصود یہ ہے کہ دیکھئے انھوں نے اس کے جانے کی کتنی کوشش کی اور ان کے دل سے کیسی لگی ہوئی تھی کہ وہ چلا جائے، وہ اس پر خوش ہوئے یا رنج کیا؟ اسی طرح سے مومن کی موت پر اہلِ ایمان کو رنج کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں تو جب کسی بندۂ خدا کے متعلق سنتا ہوں کہ وہ کلمہ پڑھتے ہوئے ایمان کے ساتھ دنیا سے گیا تو میرا مبارکباد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اور کبھی خیال آتا ہے کہ اس کے گھر مٹھائی بھیجوں، اسی لئے میری پرانی عادت ہے کہ میں تعزیت کے خطوں میں رنج و قلق کا اظہار نہیں کرتا۔ مولانا عبدالشکور صاحب کے والد کا انتقال ہوا، میری نوجوانی تھی، حضرت صاحب (یعنی والد بزرگوار حضرت پیر ابو احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نے مجھ سے فرمایا کہ قاضی صاحب سے کہو کہ تعزیت کے خط کا مسودہ بنا دیں۔ میں نے خود ایک مسودہ تیار کیا وہ بھی اسی انداز کا تھا۔

سالکین کی حالتِ قبض بھی بڑی نعمت ہے

فرمایا— ایک دوست اپنے افغانی دوست کو میرے پاس لائے اور کہا کہ یہ میرے دوست ہیں۔ ذاکر شاغل ہیں، اپنے ملک میں کسی شیخ سے بیعت تھے، ذکر وشغل کرتے تھے ان کا انتقال ہوگیا۔ اب ان پر عرصہ سے شدید قبض طاری ہے، اس سے یہ بہت دلگیر اور ملول رہتے ہیں، میں نے کہا کہ ان کی تو یہ حالت بڑی نعمت ہے۔ اس وقت تو ان کی دعا خاص طور پر مقبول ہوگی، ان کو اس کی قدر کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا کسی کو کسی امیر کے یہاں سے تنخواہ اور کھانا کپڑا ملتا تھا اور اس کی بہت عنایات تھیں، اس وقت اگر وہ اس کی تعریف کرتا ہے اور حق نمک ادا کرتا ہے تو کیا بڑی بات ہے۔ سبھی اپنے محسن کا دم بھرتے ہیں، لیکن اگر اس امیر کے یہاں سے تنخواہ بند ہوجائے اور اس کی طرف سے ظاہری طور پر وہ عنایات نہ ہوں اور وہ شخص اب بھی اس کے گن گائے اور اس کے دل میں شکایت نہ آئے تو یہ بڑی شرافت اور مردانگی کی بات ہوگی اور اس امیر کے دل میں بڑی قدر پیدا ہوگی۔ یہ سن کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دئیے اور ان کو بڑی تسلی ہوئی۔

سلوک کبھی تمام نہیں ہوتا

فرمایا— مجھے اس لفظ پر بہت تعجب ہوتا ہے جب کوئی صاحب کسی صاحب کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا سلوک تمام ہوگیا۔ کیا سلوک بھی کبھی تمام ہوسکتا ہے؟ یہ تو ایک دریائے ناپیدا کنار ہے، یہ تو خود اپنی کم ہمتی اور خامی کی دلیل ہے جس نے سمجھا کہ

سلوک تمام ہو گیا۔ اس کی ترقی رک گئی اور وہ ایک منزل پر رہ گیا، اسی طرح یہ کہنا بھی مجھے بہت محسوس ہوتا ہے کہ قرآن ختم کر لیا۔ حدیث کا دورہ مکمل ہو گیا، بھلا قرآن و حدیث کا بھی کہیں اختتام ہے ؛ یوں کہنا چاہیئے کہ میں نے اپنی عمر تمام کر دی۔ عارف نے تو فرمایا ہے:

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

قرآن شریف کی عظمت

مجھے جالندھر کے ایک بزرگ کی بات بہت پسند آئی، میری نو عمری تھی۔ انھوں نے دریافت فرمایا کہ کیا پڑھا ہے؟ میں نے انکسار میں کہا کہ میں نے کچھ ایسے علوم دینیہ نہیں پڑھے ہیں تھوڑا سا قرآن شریف یاد کیا ہے، فرمایا اپنے لفظوں کو تبدیل کرو، تم نے سب علوم پڑھ لئے۔ جب قرآن شریف پڑھ لیا تو سب کچھ پڑھ لیا۔ سب علوم اسی سے نکلے ہیں۔

حفظِ قرآن کا ثواب حاصل کرنے کی آسان راہ!

یہاں بھوپال میں ایک بڑے عہدیدار تھے وہ تھوڑا تھوڑا قرآن شریف بھی یاد کرتے تھے، ایک دن کہنے لگے کہ حضرت قرآن شریف یاد کرنے کی بڑی تمنا ہے لیکن وقت بہت کم ملتا ہے اور بہت تھوڑا یاد ہوتا ہے' میں نے کہا کہ میں آپ کو ایسی توجہ دو کہ سارا قرآن شریف ابھی یاد ہو جائے ۔ میں نے کہا کہ قرآن شریف یاد کرنے کی نیت کر لیجئے، تھوڑا سا بھی اگر یاد ہو گیا اور موت آگئی تو قرآن شریف کے حفاظ میں لکھے جائیں گے اور حفظ قرآن کا ثواب ملے گا۔

تیسری مجلس

۱۶ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۸ر مارچ بروز شنبہ

بوقت ۱۰ بجے تا ۱۲ بجے

مشائخ کی تقلید و اتباع

فرمایا۔ لوگوں نے مشائخ کے اتباع میں بہت غلو کر رکھا ہے، ان کی نقل و تقلید کو مقصود اور ان کی اطاعت کو اطاعت مطلق سمجھتے ہیں، حالانکہ اصل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور ان کا اتباع ہے، مشائخ اس کا ذریعہ ہیں۔ کہنے والوں نے یہاں تک کہا ہے ؎

ان کے کوچہ کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ الگ بنائیں گے

مشائخ و علماء کی نقل و تقلید اور اتباع و پیروی کی جو حقیقت ہے اور اس کے جو حدود ہیں، اس کا نمونہ نماز میں نظر آتا ہے کہ امام کی تکبیر پر رکوع و قیام کیا جاتا ہے اور ہر رکن اور جز میں اس کی پیروی کی جاتی ہے۔ لیکن جب اسکو سہو ہو جاتا ہے

تو مقتدی اللہ اکبر کہنے لگتے ہیں (یا سبحان اللہ کہنے کا حکم ہے) یہ اللہ اکبر، سبحان اللہ بھی ایک طرح کی مختصر نویسی یا شارٹ ہینڈ ہے جس میں بہت بڑی عبارت مضمر ہے۔ یعنی یہ کہ اب آپ سے سہو ہو گیا ہے، آپ اس کی اصلاح کیجئے۔ گویا مقتدی بجائے اس کی پیروی کرنے کے اس کی رہبری کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح مشائخ و علماء چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہیں، اس لئے ہم ان کے قدم پر قدم رکھتے ہیں، گویا اصل پیروی رسول کی ہے۔

انانیت کا کانٹا شب میں مجلس مشاورت کے زیر اہتمام جلسہ ہوا تھا، راقم الحروف نے اپنی تقریر میں یرموک کے موقعے پر میدان جنگ میں حضرت خالدؓ کی معزولی کا مشہور واقعہ بیان کیا تھا اور حضرت خالدؓ کی اس ایثار، قربانی و بے نفسی کی طرف اشارہ کیا تھا جو ان سے اس نازک موقعہ پر ظاہر ہوئی اور جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ حضرت نے مولوی نعمان صاحب سے پوچھا کہ کل کی تقریر کا کیا موضوع تھا اور کیا کہا گیا؟ مولوی نعمان صاحب نے اس کے بعض مضامین کا ذکر کرتے ہوئے اس واقعہ کا بھی ذکر کیا، حضرت نے بہت پسند فرمایا اور دیر تک گفتگو کا یہی موضوع بنا رہا فرمایا کہ یہ للہیت اور ایثار و بے نفسی کی بے نظیر مثال ہے۔ اس کے مقابلے میں اس زمانہ کے اہل علم و دین کی انانیت و نفسانیت اور بات بات پر مشتعل اور مغلوب الغضب ہو جانے کے بہت سے واقعات سنائے، ایک جگہ شہر کے بہت سے مسلمانوں نے ایک نوجوان عالم اور عالی خاندان صاحبزادے سے جو..... صالح اور ذی علم نوجوان ہیں جمعۃ الوداع میں جامع مسجد میں نماز پڑھانے اور خطبہ دینے کی خواہش ظاہر کی۔ ان کے پیہم اصرار اور مسلسل تقاضوں سے انھوں نے منظور کر لیا۔ جامع مسجد کی کمیٹی ادارہ نے بھی اس کی

اجازت دے دی اور مسجد کے خطیب صاحب کو اس کی اطلاع بھی کر دی گئی کہ فلاں صاحب نماز پڑھائیں گے اور صاحب زادے آگئے، نمازی اور اہل شہر اس کے منتظر اور مشتاق تھے، لیکن سوئی جیسے ہی ایک پر پہنچی اور ٹن کی آواز آئی خطیب صاحب بجلی کی طرح لپک کر منبر پر پہنچ گئے اور خود خطبہ دیا اور نماز پڑھائی، لوگوں کو بڑی مایوسی ہوئی صاحبزادے نے بڑی سلامت روی اور ایثار سے کام لیا اور کسی قسم کا نزاع اور فساد مسجد میں نہیں ہونے پایا، فرمایا اگر وہ امام صاحب ان صاحبزادے کو ایک مرتبہ نماز پڑھانے کا موقعہ دیدیتے تو ان کی حوصلہ افزائی ہوتی اور ان کا کوئی حرج نہ ہوتا۔

اس کے برعکس ایک مرتبہ مولانا عبدالشکور صاحب نے میرے کہنے پر نماز پڑھائی آیت لھم اجر غیر ممنون کے بجائے فلھم اجر غیر ممنون پڑھا۔ سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کہ شاید میں نے لھم اجر غیر ممنون کے بجائے 'فلھم اجر غیر ممنون پڑھا ہے؟ انھوں نے اتنا ہی فرمایا تھا کہ ایک صاحب جو مسائل سے اچھی طرح واقف نہ تھے اور بہت سادہ اور بھولے آدمی تھے، فوراً بولے کہ نماز دہرائی جائے، مولانا عبدالشکور صاحب نے بالکل بحث نہیں کی اور نہ برا مانا، میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا نماز دہرا لوں؟ میں نے کہا کہ آپ اس کا بالکل خیال نہ کریں۔ یہ صاحب بہت سیدھے اور بھولے آدمی ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے اپنی مسجد میں دیکھا کہ ایک صاحب مسجد کے سقایہ سے پانی لے کر مسجد کے پتھر پر کپڑے دھو رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ سقایہ میں پانی یوں ہی کم رہتا ہے، آپ کپڑے دھوئیں گے تو نمازیوں کو وضو کے وقت پانی نہ ملے گا۔ کہنے لگے یوں ہی معمولی طور پر کپڑے کھنگال رہا ہوں۔ میں نے کہا مسجد میں یہ مناسب نہیں ہے، بس یہ سننا تھا کہ طیش میں آگئے اور میرا گلا پکڑ لیا۔ مولانا عبدالشکور صاحب موجود تھے وہ

جھپٹ کر میرے سامنے آگئے کہ وہ اس حملے کو اپنا وپر لے لیں۔ میں نے کہا کہ آپ رہنے دیجئے اور ان کو اپنا غصہ اتار لینے دیجئے، اگر میں صبر و تحمل سے کام نہ لوں اور سختی کا جواب سختی سے دوں تو میں اس گدی کے قابل نہیں، اور میں بھی ایک بازاری آدمی ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم اسی لئے یہاں آتے ہیں۔

اسی طرح حیدر آباد کا واقعہ ہے کہ رمضان کا زمانہ تھا، میں کسی ضرورت سے شہر میں کام کے لئے نکلا، بارش ہونے لگی۔ مجھے بڑا قلق تھا کہ مسجد کی جماعت فوت ہو گئی، میں کہاں آکر پھنس گیا۔ ایک ڈیوڑھی قریب تھی، میں اس بارش سے بچنے کے لئے کھڑا ہو گیا، نظر اٹھائی تو احاطہ میں ایک مسجد تھی، بہت خوش ہوا۔ اذان ہو چکی تھی میں اس میں چلا گیا۔ ایک افغانی صاحب مسجد کے صحن میں کھڑے ہوئے تھے۔ وہ نہایت ناراض ہوئے اور غصہ میں آکر بہت سخت سست کہا۔ میں نے کچھ عرض کیا تو اور مشتعل ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں نے ایسے مقدس صورت کے لوگوں کو بہت سیندھی شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں میرے ہی بہت سے بھائی سیندھی شراب پیتے ہیں اور جب وہ پیتے ہیں تو گویا میں ہی پیتا ہوں، غرض ان کا غصہ کسی طرح دھیما نہ ہوتا تھا، جماعت کھڑی ہوئی اور وہ صاحب نماز میں شریک ہو گئے۔ نماز کے بعد وہاں مصافحہ کا رواج تھا، گویا یہ بھی ایک سنت موکدہ ہے۔ جب انھوں نے مجھ سے مصافحہ کیا تو معذرت فرمانے لگے اور مجھ سے معافی مانگی۔ میں نے عرض کیا، اگر دو چار ہاتھ بھی لگا دیتے تو میں بہت خوش ہوتا کہ میں نے اللہ کے راستے میں مار کھائی۔

ہر موقع پر حساب بیباق کرنے کی ضرورت نہیں

فرمایا۔۔۔ کہ ہر موقع پر جواب دینے اور حساب بیباق کرنے

کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض وقت طرح دینا اور نظر انداز کر دینا ہی مناسب ہوتا ہے۔
مسلمان بعض وقت جذبہ میں آکر کھیل بگاڑ دیتے ہیں اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ ایک
مرتبہ فسادیوں نے کلثوم بیا کی مسجد پر حملہ کیا، اس کو نقصان پہونچایا، پولیس نے موقعہ کا معائنہ
کیا، مسلمانوں کی مظلومیت اور فسادیوں کی تعدّی ثابت تھی، لیکن بعض لوگ جوش میں آکر
جامع مسجد پہنچ گئے اور اشتعال پیدا کر دیا پولیس نے عین رمضان میں جامع مسجد پر چھاپہ مارا
اور بڑی تعداد میں مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے گئی۔ بہت سے معتکفین کو بھی مسجد سے
اٹھا کر حراست میں لے لیا اور مقدمہ الٹ گیا، حیدرآباد میں ایک بینک کے قریب ایک
ویران سی مسجد تھی، قریب ہی بینک کے انگریز منیجر کی کوٹھی تھی۔ ایک درویش کہیں سے
آئے۔ انھوں نے مسجد میں اذان دیدی۔ انگریز کے ملازمین اور عملہ والوں نے بہت سخت
سست کہا اور نکال دیا۔ وہ دوسرے وقت یا دوسرے دن پھر آئے اور پھر اذان دی'
لوگوں نے پھر ان کو ڈانٹا ڈپٹا، وہ خاموشی سے چلے گئے، تیسرے دن پھر آئے اور اذان
دی۔ اب لوگوں نے لات گھونسوں سے ان کی تواضع کی، انھوں نے سب برداشت
کیا۔ اس طرح سے وہ آتے رہے اور اذان دیتے رہے۔ آخر مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی
اور انھوں نے نرغہ کیا اور مسجد کو آباد کرنے پر اصرار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز نے ٹوپی ان کے
قدموں پر رکھدی اور ان سے معافی مانگی۔ یہ صبر و تحمل کا نتیجہ ہے

بندگی سب سے اونچا مقام ہے

فرمایا کہ "بندگی" اور اپنے کو مٹانا سب سے اونچا
مقام ہے بے نفسی، خود انکاری اور اپنے کو
خاک و خس و خاشاک سمجھ لینے سے بڑھ کر کوئی مرتبہ اور کمال نہیں۔ امام ربانی فرماتے ہیں
کہ جن لوگوں سے کرامات کا بہت ظہور رہا ہے۔ ان کو قیامت میں تمنا ہوگی کہ کاش ایسا

نہ ہوتا۔ کڑا مانک پور میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت خواجگی رحمۃ اللہ علیہ انھوں نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کے لوح مزار پر یہ دو شعر لکھ دیئے جائیں ۔

برائے خدا اے عزیزان من نویسید بر گور من ایں سخن
کہ چوں خواجگی در تہ خاک شد نکو شد و خسکم جہاں پاک شد

جسمانیت زیادہ ہوتی ہے تو احساس کم ہوتا ہے

فرمایا۔ جس میں جسمانیت زیادہ ہوتی ہے، احساس کم ہوتا ہے، جس میں جسمانیت کم ہوتی ہے احساس زیادہ ہوتا ہے۔ دیکھئے پاؤں میں جسمانیت زیادہ ہے، اس میں احساس بہت کم ہے، اس کے نیچے مٹی کیچڑ اور کتنے ہی بالوں کا گچھا آجائے اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی، لیکن آنکھ باریک سے باریک بال اور چھوٹے ذرے کو بھی برداشت نہیں کر سکتی، اسی لئے روح (جس میں جسمانیت بالکل نہیں) بہت لطیف الاحساس اور ذکی الحس ہے، پس جس قدر روحانیت بڑھے گی لطافت و قوت ترقی کرے گی۔

انسان کی چار قوتیں

فرمایا کہ — طب کی کتابوں میں آتا ہے کہ ہر عضو میں چار قوتیں ہوتی ہیں (۱) قوت جاذبہ (۲) قوت ماسکہ (۳) قوت ہاضمہ (۴) قوت دافعہ، قوت جاذبہ کا نتیجہ اشتہا، قبولیت کا مادہ، اور جو چیز پیش کی جائے اس کا استقبال ہے، بعض لوگ اس قوت سے محروم ہوتے ہیں اور ان کے اندر یہ

ل حضرت مولانا خواجگی دسویں صدی کے مشائخ کبار میں سے ہیں۔ آپ مصنف نزہۃ الخواطر مولانا سید عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد مادری میں ہیں۔ تصنیفات میں "مراد مرید" یادگار ہے۔ اس کا قلمی نسخہ مولانا کے کتب خانہ میں یادگار ہے۔

صلاحیت مفقود ہوتی ہے، انھیں کے لئے قرآن مجید میں کہا گیا ہے سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لایؤمنون (ان کے حق میں برابر ہے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔) بعض لوگوں میں قوت ماسکہ کا فقدان ہوتا ہے یعنی وہ چیز تو قبول کر لیتے ہیں، لیکن اس کی حفاظت نہیں کر سکتے ہیں، وعظ و نصیحت سے متاثر ہوتے ہیں، لیکن جیسے ہی اس ماحول سے نکلے، معلوم ہوتا ہے کہ کچھ سنا ہی نہیں اور کوئی تاثر لیا ہی نہیں۔ میں نے ایک جلسۂ وعظ میں ایک صاحب کو دیکھا کہ ان پر شدت سے گریہ طاری ہے اور بے حد متاثر ہیں، مجھے ان کی رقیق القلبی پر بہت رشک آیا، مجھے خیال ہوتا تھا کہ یہ اثر اب ان سے کبھی زائل نہ ہوگا، لیکن جیسے ہی وعظ ختم ہوا، اور وہ باہر آئے، میں نے دیکھا کہ انھوں نے بیڑی نکالی اور اپنے دوست سے کہا کہ میاں ماچس ہے؟ میں اپنی ماچس لانا بھول گیا، معلوم ہوا کہ جیسے ان پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا اور یہ کبھی روئے ہی نہیں تھے۔ قوت ہاضمہ کا یہ فعل ہے کہ جو چیز قبول کرے اس کو جزو بدن بنائے، جو کچھ سنے یا دوسروں سے کہے، اس پر خود بھی عمل کرے۔ ایک محلہ کے موذن نے محلہ کے ایک با اثر آدمی سے شکایت کی کہ میاں میں اذان دیتا ہوں، کوئی نماز کو نہیں آتا، کہنے لگے ابھی لاتا ہوں، با اثر و صاحب رسوخ آدمی تھے۔ محلہ میں گشت کیا اور لوگوں سے مسجد میں آنے کے لئے کہا۔ بہت سے لوگ مسجد میں آگئے۔ لوگوں کو مسجد میں پہنچا کر خود تشریف لے جانے لگے۔ موذن نے کہا کہ میاں آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ اتنے آدمیوں کو مسجد میں لے آیا ہوں، اب بھی مجھ سے کہتا ہے (گویا اب میری کیا ضرورت ہے۔)

قوتِ دافعہ کا یہ فائدہ ہے کہ عضو جب کسی چیز کو قبول کر لیتا ہے تو قوت دافعہ منافی اجزاء کو خارج کرتی ہے اور ان کے داخل ہونے سے انکار کرتی ہے، مثلاً طبیعت میں

صلاحیت پیدا ہوئی، علم وذکر نے اپنا اثر کیا۔ کچھ باطنی اصلاح ہوئی تو اب اخلاق رذیلہ، غصّہ، حسد، حرص، حب دنیا جیسے اخلاق دور ہوئے اور ان سے انسان محفوظ ہوگیا۔ لیکن جن لوگوں میں قوت دافعہ کا فقدان ہوتا ہے وہ ان منافی ومتضاد اثرات کو دفع نہیں کرسکتے اور فوراً ان کا اثر قبول کر لیتے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مصاحب درباری کسی بزرگ کے مرید تھے۔ وہ اپنے پیر کی ہمیشہ تعریف کیا کرتے تھے اور ان کی خدمت میں بادشاہ کے تشریف لے جانے کی درخواست کرتے بادشاہ ٹال دیتے، ایک مرتبہ کچھ جی میں آگیا، فرمایا تمھارے پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ بادشاہ نے کوتوال شہر سے کچھ فرما دیا، الغرض پیر صاحب کی خدمت میں سلطان حاضر ہوئے، پیر صاحب اس وقت بڑے بڑے معارف وحقائق بیان فرمارہے تھے، مضامین کا ورود تھا۔ اتنے میں کوتوال شہر حاضر ہوئے اور بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا، جہاں پناہ! بڑا غضب ہوگیا، فلاں افغانی نوربافوں (جولاہوں) کے محلہ میں گئے تھے، وہاں کسی بات پر تکرار ہوگئی۔ ان نوربافوں نے ان افغانی کو بہت زدوکوب کیا، اتفاق سے پیر صاحب بھی افغانی تھے، یہ سن کر آپے سے باہر ہوگئے سب معارف وحقائق بھول گئے اور گالی دے کر کہا کہ وہ ... ہرگز نہ افغانی ہوگا، اگر افغانی ہوتا تو جولاہے اس کو پیٹ نہیں سکتے تھے، یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ ان بزرگ میں قوت دافعہ نہیں تھی۔ وہ ایک ذراسی بات پر مشتعل ہوگئے اور اس حملہ کی مدافعت نہ کرسکے۔

کنواں کھودا جائے تو پہلے مٹی اور پتھر نکلتے ہیں کیفیت حاصل نہ ہونے کی بلیغ مثال

فرمایا ـــ ایک مرتبہ کچھ ذکر وشغل کرنے والوں نے جو ایک شیخ سے تعلق رکھتے تھے شکایت کی ہم عرصہ سے اللہ اللہ کر رہے ہیں لیکن ہمارے اندر کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہم کو اس کا کچھ

احساس ہوتا ہے، فرمایا، ذکر کرتے وقت آپ کو کچھ وساوس اور خیالات آتے ہیں، انھوں نے کہا بہت، فرمایا کہ شکر کیجئے کہ ذکر اپنا کام کر رہا ہے۔ یہ اس اثر کی دلیل ہے، آپ کنواں کھودتے ہیں تو پہلے کیا نکلتا ہے؟ انھوں نے کہا کہ مٹی اور پتھر، فرمایا جو کچھ باطن میں ہوتا ہے پہلے وہی نکلتا ہے اس کے بعد پانی کی نوبت آتی ہے، یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور صحابہؓ کی خصوصیت تھی کہ آپ نے ان کو بھرے ہوئے لبالب حوض پر لے جاکر کھڑا کر دیا اور ان کو مٹی اور پتھر نکالنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ گوہر مقصود اور نسبت باطنی ان کو یکدم سے حاصل ہو گئی

ہم اپنے نفس پر اللہ کی حکومت قائم نہ کر سکے تو دوسروں پر کیا کریں گے

فرمایا۔۔۔ کہ پہلی ضرورت اخلاق و معاملات کو درست کرنے اور نفس کی اصلاح اور اسکو مغلوب کرنے کی ہے، جب تک نفس کا تسلط دور نہ ہوگا نہ اطاعت کا جذبہ پیدا ہوگا نہ ایثار و قربانی کا مادہ، جب ہم اپنے نفس پر اللہ کی حکومت قائم اور اس کے حدود کو جاری نہیں کر سکتے تو دوسروں پر کیا اللہ کی حکومت کو قائم اور اس کے حدود کو جاری کر سکیں گے۔ اخلاق و نفس کی اصلاح سے پہلے اگر ہم نے حدود شرعیہ جاری کرنے کا ارادہ کیا تو فتنے پیدا ہوں گے اور بغاوت ہوگی۔ اس پر واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ایک دوست کی خواہش و اصرار پر پاکستان کے قیام کے کچھ ہی سن بعد ہوائی جہاز سے کراچی گیا۔ وہاں کسی کو میرے آنے کی اطلاع نہ تھی "ٹنڈو سائیں داد" میں میرے بہت سے اعزہ ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کو میرے آنے کی خبر بھی نہ ہوگی۔ میں موتی مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ پیر ہاشم جان نے مجھے دیکھ لیا، وہ لپٹ گئے اور فرمایا کہ آپ خوب آئے آج سجادہ نشینوں کا ایک اجتماع ہے۔ آپ بھی اس میں شرکت کریں، سب سے ملاقات ہو

جائے گی، میں نے کہا میں اجنبی آدمی ہوں اور مجھے جلسوں اور اجتماعات سے مناسبت نہیں، لیکن وہ نہ مانے اور مجھے لے گئے، دیکھا تو بڑے مشائخ جمع ہیں، وہاں یہ تجویز پیش کی گئی کہ حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ حدود شرعیہ کا نفاذ کرے اور مجرموں کو شرعی سزائیں دی جائیں، میں نے اس رائے سے اختلاف کیا، میں نے عرض کیا کہ اگر یہاں حدود جاری کی جائیں گی، چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور زانی کو دُرّے لگائے جائیں گے تو مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سی غیر تربیت یافتہ قومیں (جن کے اندر ایمان راسخ نہیں ہوا ہے) کہہ دیں گی کہ ہمارا ایسے اسلام کو سلام اور ارتداد اختیار کرلیں گی۔ پہلے ایمانی تربیت اور اخلاق و معاملات کی اصلاح کی ضرورت ہے، پھر وہ پاک باز اور بے لاگ بندے کہاں ہیں جو اپنی اولاد اور اعزہ پر بھی حدود جاری کرسکیں اور اس کا نمونہ پیش کرسکیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی (معاذ اللہ) چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا" پہلے اپنی اخلاقی حالت کو دیکھئے، اور امتحاناً کسی مسجد میں جوتا یا گھڑی چھوڑ دیجئے، دیکھئے کیا حشر ہوتا ہے، مسجدوں کے اندر کیا حال ہو رہا ہے؟ میرے ایک دوست کو نواب صاحب نے ایک قیمتی گھڑی عنایت کی تھی، وہ ایک دن میری مسجد میں نماز پڑھنے آئے، اپنی گھڑی فصیل پر چھوڑ کر نماز شروع کردی، پھر وہیں بھول کر گھر چلے آئے، یاد آیا تو مسجد جا کر دیکھا تو غائب تھی، مسجد میں ایک نیک مرد مسجد کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ مسجد کے باہر جانور بندھتے ہیں۔ ان کا گوبر لید وغیرہ صاف کرتے تھے، ان کی اس خدمت کی بڑی قدر آتی تھی۔ میں نے کہا ہو نہ ہو یہی پیر و مرشد لے گئے ہیں، اسی وقت ہوٹل میں دکھلوایا اور بلوایا۔ میں نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں، آپ اور گھر کے بچے سب تھانے چلیں، اس لئے کہ مسجد میں ہمیں لوگ تھے اور پولیس والوں سے کہیں کہ ہم سب کی ٹھکائی کرو اور گھڑی نکلواؤ۔ کہنے لگے

ذرا ٹھہریئے میں مسجد میں جاکر تلاش کرتا ہوں، وہاں گئے۔ ایک بیچارہ غریب آدمی سویا کرتا تھا، اپنے پاس سے نکال کر اس کے بستر میں رکھ دی اور کہا کہ یہ رہی گھڑی۔

اصل مسئلہ دل و دماغ کے متاثر ہونے کا ہے

فرمایا کہ — اصل مسئلہ دل و دماغ کے متاثر ہونے کا ہے، بعض لوگوں کے دل و دماغ انگریزی تعلیم و تہذیب سے متاثر ہوجاتے ہیں اور بعض ان میں غوطہ لگانے کے باوجود اور انگریزوں سے تعلق رکھنے کے باوجود انگریزی تعلیم و تہذیب سے قطعاً متاثر نہیں ہوتے۔ یہاں شاہجہاں بیگم صاحبہ کے زمانہ میں عبدالجبار خاں صاحب وزیر ریاست بنکر آئے، انھوں نے اعلیٰ انگریزی تعلیم پائی تھی اور حکام اور اعلیٰ درجہ کے انگریزوں کے ساتھ ان کے گھریلو قسم کے تعلقات تھے۔ ان کے گھر میں انگریزوں اور میموں کا آنا جانا رہتا تھا، لیکن دل و دماغ ان سے بالکل متاثر نہ تھے۔ نہایت جری، نڈر اور پکے مسلمان تھے، حلیہ اور لباس دیندار مسلمانوں کا تھا، کہتے تھے کہ اگر ہندوستانی مسلمان ننگے بھی ہو جائیں تب بھی انگریز ان سے راضی نہ ہوں گے۔ وزارت کا چارج لیا تو دیکھا کہ ایک بڑی رقم منشی امتیاز علی صاحب مرحوم کے زمانہ سے جارہی ہے۔ اس کی مدت عرصہ ہوا ختم ہو چکی تھی لیکن اس کا ارسال جاری تھا، بیگم صاحبہ سے کہا تو انھوں نے فرمایا کہ رہنے دیجئے خواہ مخواہ فتنہ کھڑا ہوگا، انھوں نے کاغذات منگوائے، ریذیڈنٹ کی غلطی تھی۔ انھوں نے حکام بالا کو لکھا، ریذیڈنٹ کو سخت ناگوار ہوا، انھوں نے پروانہ کی اور جتنی رقم غلط جاچکی تھی اس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریذیڈنٹ کا تبادلہ ہوا اور ان کی فتح۔ بیگم صاحبہ سے جاکر عرض کیا۔ وہ ان کی کارگزاری اور جرأت سے بڑی خوش ہوئیں۔ ایک مرتبہ کوئی بڑا انگریز حاکم آرہا تھا، بیگم صاحبہ کے علاوہ سارا عملہ استقبال کے لئے گیا

ریاست کے ایک انگریز افسر بھی موجود تھے۔ انھوں نے اپنے ماتحت ایک مسلمان افسر سے کہا کہ فلاں کاغذ نہیں آیا، انھوں نے جواب میں کہا کہ انشاء اللہ جلد بھیج دیا جائے گا، اس پر اس نے انشاء اللہ پر کچھ طنز کیا، وزیر صاحب کے کان میں یہ بات پڑی، انھوں نے اس انگریز سے کہا کہ تم نے ہمارے دین کی توہین کی۔ میں آنے والے مہمان سے سب سے پہلے اسی کی شکایت کروں گا۔ وہ بہت سٹپٹایا اور بار بار معافی مانگی، بڑی مشکل سے معاملہ رفع دفع ہوا۔

چوتھی مجلس

مورخہ ۷ر ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹ر مارچ ۱۹۶۷ء بروز یکشنبہ
بوقت ۱۰ بجے تا ۱۲ بجکر ۵۴ منٹ

مخصوص حاضرینِ مجلس: مولوی عبید الرحمٰن خاں صاحب شیروانی، مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی، مولوی محمد نعمان خاں صاحب ندوی، سید معشوق علی صاحب (سکریٹری صرف خاص بیگم صاحبہ بھوپال) نواب سید ظہور الحسن خاں صاحب (نبیرہ امیر الملک والاجاہ نواب صدیق حسن خاں صاحب بہادر) وغیرہ وغیرہ۔

آج اتوار کی وجہ سے حاضری کی بڑی تعداد تھی۔ خانقاہ کا دالان بھرا ہوا تھا۔ جدید تعلیم یافتہ اور ایچ۔ ای۔ ایل کے ملازمین اور انگریزی مدارس کے طلبہ بھی تھے۔ مضامین کا ورود اور طبیعت کا جوش بھی بہت تھا۔ تقریر اصلاحی اور دعوتی رنگ لئے ہوئے تھی۔ پہلے اتوار کے معمول کے.... مطابق مکتوباتِ امام ربانی کا ایک مکتوب جو نواب قلیچ خاں کے نام ہے اور جس میں ان کے اپنے آقائے ولی نعمت کے لئے خدیو نشاٰبتیں لکھنے پر استعجاب و انکار

فرمایا گیا، پڑھا گیا، مکتوب کا فارسی متن حضرت نے پڑھا۔ اس کا اردو ترجمہ مطبوعہ کتاب سے حافظ منظور صاحب نے پڑھ کر سنایا، پھر سلسلۂ گفتگو کا آغاز فرمایا اور بڑے بلند مضامین لطیف نکات ارشاد فرمائے، اس دریا کو کوزہ میں بند کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے، چند جستہ جستہ مضامین جو عام فہم ہیں اور حافظہ میں محفوظ رہ گئے، قلم بند کئے جاتے ہیں۔

اعمال غذا ہیں اور درد و محبت چٹنی

فرمایا ــــ اعمال و احکام شریعت غذا ہیں اور درد و محبت چٹنی۔ چٹنی سے اشتہا کھلتی ہے اور کھانے کے ہضم میں مدد ملتی ہے، لیکن ان دونوں میں تناسب ضروری ہے چٹنی چٹنی ہی کی مقدار میں ہونی چاہیئے، اگر چٹنی غذا بن جائے گی تو معدہ ضعیف ہو جائے گا۔ مجھے چشتیوں کے درد و محبت اور سوز و ساز سے فطری مناسبت ہے۔ اشعار کا بھی مجھ پر اثر پڑتا ہے حضرات نقشبندیہ ہوں یا حضرات چشتیہ، درد و محبت اور ذوق و شوق سے کوئی خالی نہیں میرے پردادا صاحب مولانا رؤف احمد صاحب مجددی اپنے دیوان میں فرماتے ہیں ؎

شراب محبت پلا دے مجھے ۔ تو مستانہ اپنا بنا دے مجھے
ترے جلوے کو دیکھ کر جان دوں ۔ مروں تو ترے فضل سے یوں مروں
رہوں گو رہیں بھی دیوانہ ترا ۔ نہ موقوف ہو منھ دکھانا ترا
اٹھوں تو ترے دھیان ہی پھر اٹھوں
غرض عشق ہی میں جیوں اور مروں

شرعی حدود قیود کی نوعیت اور حکمت!

فرمایا ــ دہلی میں ایک نواب فیض محمد خاں تھے، بڑے بے تکلف، صاف گو اور آزاد مشرب جو جی میں آتا صاف کہہ دیتے۔ لوگ ان کی بیباکی سے ڈرتے تھے اور مجھے

بھی ڈراتے تھے۔ میں ان کی ہر طرح کی باتیں اور اعتراضات سن لیتا تھا۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہر طرح کی آزادی اور وسعت دی ہے۔ علماء نے دین کو بڑا مشکل اور تنگ بنا دیا ہے اور ہر طرح کی پابندیاں عائد کردی ہیں۔ فطرت آزادی اور وسعت پسند کرتی ہے اور پابندیوں سے گھبراتی ہے، لوگوں نے خواہ مخواہ ہر چیز پر قدغن لگا رکھا ہے، یہ کرو، وہ نہ کرو، یہ نہ پیو وہ نہ کھاؤ، وغیرہ وغیرہ۔

میں نے کہا کہ ایک مدرسہ ہے جس میں پابندیاں ہیں، لباس کی پابندی، نظام کی پابندی، اوقات کی پابندی، تعلیم و امتحانات کی پابندی، دوسرا مدرسہ ہے جس میں کوئی پابندی نہیں، ہر طرح کی آزادی ہے، جب جی چاہے آؤ، جتنا جی چاہے پڑھو، پڑھو نہ پڑھو، جب تک جی چاہے رہو، جو جی چاہے پہنو۔ لوگ اپنے بچے کو پہلے مدرسہ میں داخل کریں گے یا دوسرے مدرسہ میں؟ کہنے لگے پہلے مدرسہ میں، دوسرے مدرسہ میں تو کوئی بھی اپنے لڑکے کو داخل کرکے اس کی عمر کو ضائع اور اس کو آوارہ نہیں بنائے گا۔ میں نے کہا بس اسلام بھی پہلے ہی قسم کا مدرسہ ہے۔ پابندیاں اور اس کے سب تقییدات اصلاح و تربیت اور نظم و نظام قائم رکھنے کے لئے اور انسان کے فائدے کے لئے ہی ہیں۔ ان واجبی اور ضروری پابندیوں سے کہیں بھی اور کسی کو چارہ نہیں، اس پر خاموش ہو گئے۔

طب جسمانی میں معدہ کی اور طب روحانی میں دماغ کی اہمیت

فرمایا — اطباء پہلے معدہ کی فکر کرتے ہیں، معدہ ہی سارے جسمانی نظام پر موثر ہوتا ہے۔ وہ باورچی خانہ کا مہتمم ہے۔ میں بھی نسخہ لکھنے میں معدہ کو مقدم رکھتا ہوں، جس طرح اطبائے جسمانی علاج میں معدہ کو مقدم رکھتے ہیں، اطبائے روحانی (صوفیہ) پہلے دماغ کی فکر کرتے ہیں۔ دماغ

بھی ایک باطنی معدہ ہے، جب تک وہ درست نہ ہو، اخلاقی و روحانی نظام صحیح طریقہ پر عمل نہیں کرتا، سب سے پہلے تخیل کو درست کرنے کی ضرورت ہے، لوگ الہام والقاء اور خواب کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ یہ سب تخیل سے متاثر ہوتے ہیں، اگر ایک تخیل قائم ہو گیا اور جم گیا تو بعض اوقات اسی کے مطابق القاء بھی ہونے لگتا ہے اور خواب بھی اس کی تائید میں نظر آنے لگتے ہیں، آسمان کا پانی صاف اور بے رنگ ہوتا ہے، لیکن اگر برتن گندا یا رنگین ہے تو بارش کا پانی گندا یا رنگین نظر آتا ہے، اس میں پانی کا قصور نہیں، رنگین گلاس اور بوتل کا قصور ہے۔

استخارہ کا غلط استعمال

لوگوں نے استخارہ کا بھی بہت غلط استعمال شروع کر دیا ہے، بدیہیات اور مشاہدات میں استخارہ نہیں ہے۔ پہلے اللہ نے آنکھیں دی ہیں دیکھنے کے لئے، یہ پتھر ہے یا سنگ مرمر ہے، اس کے لئے استخارہ کی ضرورت نہیں، لوگ پہلے دل میں ایک چیز طے کر لیتے ہیں، پھر استخارہ کرتے ہیں اور جب کوئی خواب اس کے مطابق نظر آتا ہے تو اس کو سند بنا لیتے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے ایک پردیسی طالب علم کے ساتھ، جو بنگال کے رہنے والے تھے، اپنی لڑکی کی شادی کے متعلق مشورہ لیا۔ میں نے کہا کہ وہ پردیسی آدمی ہیں، ان کے اخلاق و عادات کا تجربہ نہیں، اس لئے شادی کرنے کی میری رائے نہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے ان کی صلاحیت و دینداری خوب دیکھ لی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ برسوں میں بھی آدمی کی حقیقت ظاہر نہیں ہوتی۔ کہنے لگے کہ انھوں نے مسجد میں بیٹھ کر قسم کھائی ہے۔ میں نے کہا یہی جھوٹ کی علامت ہے۔ اگر وہ سچے ہوتے تو کہتے کہ چاہے بیٹی دو چاہے نہ دو میں قسم نہیں کھاؤں گا۔ انھوں نے استخارہ کیا اور راست آیا۔ شادی کے بعد وہ طالب علم کہنے لگے کہ دھوکا ہوا، اتفاقاً

ایک دن پردہ اٹھ گیا تھا۔ میں نے ایک گوری لڑکی دیکھی تھی، یہ تو کالی ہے۔

القاء و الہام کی کسوٹی قرآن و حدیث ہی خواب نہیں!

فرمایا کہ۔ القاء و الہام کے لئے کسوٹی قرآن و حدیث ہے جو اس کے مطابق ہے وہ صحیح ہے اور جو اس کے مخالف ہے وہ غلط ہے۔

قادیانی خوابوں سے بہت استدلال کرتے ہیں اور ان کو ان پر بڑا اعتماد ہے۔ حیدرآباد میں مجھے ظہوری پڑھنے کا شوق ہوا، معلوم ہوا کہ ایک استاد اس کے بڑے ماہر ہیں، مگر عقیدہ کے قادیانی ہیں اور اپنے مذہب کے بڑے مبلغ بھی، میں نے ان کے پاس جانے کا ارادہ کیا، لوگوں نے منع کیا، میں نے کہا کہ میں صرف کتاب پڑھنے جا رہا ہوں، مجھے ان کے عقیدے سے کیا بحث؟ کہنے لگے کہ ہم نے تمہارے جیسے بہت سے لسّان دیکھے، جو وہاں گئے قادیانی ہو گئے۔ میں نے کہا کہ میں کوئی پردہ نشین لڑکی نہیں ہوں۔ پڑھنے کی نوبت نہ بھی آئی کبھی یل ہی میں سامنا ہو گیا تو کیا کروں گا؟ اگر میرا ایمان ایسا ہی ضعیف ہے تو کسی اور سے متاثر ہو جاؤں گا، غرض میں وہاں پہنچا، فرمایا کیسے آئے؟ میں نے کہا ظہوری پڑھنا چاہتا ہوں کہنے لگے لاحول ولا قوۃ، نہ دین کا فائدہ نہ دنیا کا۔ میں نے کہا کہ فارسی کی مشکل عبارتیں اور ادبی صنعتیں سمجھ میں آئیں گی، اسی شوق میں پڑھ رہا ہوں، کہنے لگے ہاں میں نے ایک ایرانی استاد سے پڑھا تھا، وہ لوگ ان فنون کے بڑے ماہر ہوتے ہیں، میں تم کو پڑھا دوں گا، کہنے لگے تمھیں معلوم ہے کہ میں قادیانی ہوں۔ تمھیں لوگوں نے میرے پاس آنے سے منع نہیں کیا؟ میں نے کہا بہت منع کیا، میں نے ان سے کہا کہ پھر تم ہی ظہوری پڑھا دو۔ اس پر خاموش ہو گئے۔ کہنے لگے کہ واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا واذا خلوا الی شیاطینہم قالوا انا معکم انما نحن مستہزءون پر عمل تو نہیں کرو گے؟

حضرت فرماتے تھے کہ میری یہ عادت ہے کہ کسی کی بات کسی دوسری جگہ نقل نہیں کرتا تھا، نہ ایک کا راز دوسری جگہ فاش کرتا تھا۔

الحاصل سبق شروع ہوا، جب ذرا بے تکلف ہوئے تو کہنے لگے کہ تم مجھے جانتے ہو، فلاں بزرگ جن کا فلاں جگہ مزار ہے' ان کی اولاد میں ہوں' میرے مرزا صاحب پر ایمان لانے کی وجہ یہ ہوئی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک تخت بچھا ہے جس پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف فرما ہیں، سامنے اولیاء اور صلحاء کا مجمع ہے، ارشاد ہوا کہ اس کو لاؤ۔ فرشتے مرزا صاحب کو لئے ہوئے آئے' ارشاد ہوا یہی وہ ہے جو میرے بعد پیغمبر ہے اور جس کے لئے اِسْمُہٗ احمد آیا ہے' بس میں اسی دن سے ایمان لے آیا۔ وہ اور دلائل دیتے تھے اور مجھ کو قائل کرنا چاہتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ میرا دماغ تو ابھی کچرے کی گاڑی ہے میں ان باتوں کو ابھی سمجھ نہیں سکتا۔ پہلے قرآن وحدیث پڑھا دیجئے، اور اس کو گلاب و عنبر سے بھر دیجئے' پھر مجھے تمیز ہو گی اور میں صحیح رائے قائم کرسکوں گا۔ میں دیکھتا تھا کہ ان کو تکثیر جماعت کی بڑی فکر رہتی تھی — لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کے لئے وہ اپنے اثرات استعمال کرتے تھے کسی کو نوکر رکھانا، کسی کی شادی کرانا، کسی کی سفارش کرنا، یہ سب شعبے ان کے یہاں قائم تھے کسی راستے سے بھی کوئی شخص ان کے دین میں داخل ہو جائے اس کو بڑی کامیابی سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کیا کرتے ہیں، اس کے مقابلے میں حقانی، ربانی، خدا پرست لوگوں کو اس کثرت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، وہ کثرت سواد سے زیادہ احکام الٰہی کے اجراء اور دین وشریعت کی حفاظت کا خیال رکھتے ہیں۔ اس میں لوگ گھٹیں یا بڑھیں، کوئی آئے یا جائے' ان کو پرواہ نہیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بادشاہ غسان جبلہ ابن ایہم کے ایک غریب بدو کو طمانچہ مار دینے پر (قصاص) طمانچہ مارنے کا حکم دیا، اس پر وہ برہم ہو کر اپنے سب لوگوں کو لے کر چلا گیا

اور مرتد ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر اللہ کا شکر کیا کہ انھوں نے اللہ کے حکم قائم رکھا۔

میرا سبق اسی طرح جاری رہا اور ان کی تبلیغی کوششیں بھی جاری، ان کے ایک بہت مقرب اور معتمد خادم اور مرید تھے جو ہر وقت ان کے پاس رہتے تھے، ایک دن انھوں نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ مولانا انوار اللہ خاں صاحب تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں آسمان سے فرشتے اترے اور ان کے تخت کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے۔ مولانا انوار اللہ خاں صاحب جو نظام کے استاد بھی تھے، قادیانیت کے بڑے مخالف اور دشمن تھے، انھوں نے اپنی زندگی میں نہ قادیانیوں کی کوئی مسجد بننے دی، نہ ان کی کوئی کتاب حیدر آباد میں چھپنے دی، وہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح کے خلیفہ اور بڑے باخدا اور درویش صفت عالم تھے۔ میں نے دیکھا کہ خواب سنتے ہی مولوی صاحب کے چہرے کا رنگ بدل گیا، گورے چٹے آدمی تھے، چہرے پر سیاہی سی دوڑ گئی، کہنے لگے کہ شاید تم کو مولانا انوار اللہ خاں صاحب سے کچھ عقیدت تھی۔ برتن کا جو رنگ ہوتا ہے پانی بھی اسی رنگ کا نظر آنے لگتا ہے، کہنے لگے حاشا وکلا میں تو حضرت کا خادم اور ہم عقیدہ ہوں، مجھے ان سے کیا سروکار؟ وہ اس کا کچھ جواب نہ دے سکے، میرا جی چاہا کہ عرض کروں کہ آپ اپنے خواب کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ وہ کیسے دلیل اور سند بن سکتا ہے؟

ائمہ کی تقلید و پیروی کی مثال بعض اہل علم جو کسی امام کے پیرو نہیں، اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ ائمہ کی پیروی کا کیا ثبوت، اتباع تو اللہ و رسول، کتاب و سنت کا مطلوب ہے، حالانکہ دراصل ائمہ و علماء کی بالذات پیروی اور اطاعت نہیں، بالذات اور بالاستقلال پیروی تو اللہ اور رسول ہی کی ہے، لیکن عرف میں اسی طرح کہا کرتے تھے کہ ہم فلاں کے متبع اور فلاں کے

---

[۱] نواب فضیلت جنگ مولانا انوار اللہ خاں صاحب (استاد سرکار نظام حیدر آباد)

مقلد، ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے کلثوم بیا کی مسجد میں نماز پڑھی، دوسرا کہتا ہے کہ میں نے اللہ کے گھر میں نماز پڑھی، ایک ناواقف آدمی دوسرے ہی کو فضیلت دے گا کہ اس نے براہ راست اللہ ہی کے گھر نماز پڑھی ہے، حالانکہ پہلے نے بھی مسجد میں نماز پڑھی ہے دوسرے نے بھی مسجد میں، لیکن عرف میں فلاں کی مسجد، فلاں کا محلہ کہتے ہیں۔ حقیقت میں سب اللہ ہی کے گھر ہیں، آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں واتبعت ملۃ آبائی ابراھیم واسحاق ویعقوب" حالانکہ وہ اللہ اور اس کی شریعت ہی کے متبع تھے۔

انگریزی پڑھ کر دیندار بننا عربی پڑھ کر بےدین بننے سے بہتر ہے

فرمایا ــــ انگریزی ذریعۂ معاش کے طور پر پڑھنے میں حرج نہیں، اس کو اصل کام اور ترقی نہ سمجھے، الفاظ اور تعبیرات میں بڑی خاصیت ہے انھیں سے آدمی کے ذہن و تخیل کا اندازہ ہوتا ہے، میرے پاس ایک صاحب آئے، ان کا لڑکا انگریزی فوج میں تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں ختم ہوگیا۔ کہنے لگے کہ میرا لڑکا کام آگیا۔ میں نے کہا یہ لفظ ہرگز نہ کہئے، اس کو کام آنا نہیں کہتے، کہنے لگے کہ اس نے وصیت کی ہے کہ میرے لڑکے کو تعلیم دلائی جائے۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ پہلے اس کو حفظ کراؤں گا، پھر انگریزی تعلیم دلاؤنگا میں نے کہا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے نہایت اعلیٰ قسم کا کھانا تیار ہو، پھر گوبر یا لید کو پیس کر مصالحہ کی طرح اوپر سے ڈال دیا جائے۔ وہ قرآن کی حفظ کی کیا قدر و حفاظت کر سکے گا، سوائے اس کے اس کو ضائع کرے اور وقت کے ضائع ہونے پر افسوس کرے، کچھ اور نتیجہ نہ ہوگا، انگریزی پڑھ کر دیندار بننا عربی پڑھ کر بے دین بننے سے بہتر ہے۔

مدینہ طیبہ میں پڑھنے والے بعض طالب علموں کا افسوسناک حال

بعض ہندوستانی طالب علم جو مدینہ طیبہ میں تعلیم پاتے ہیں ملنے آئے، دیکھا کہ سر ننگا داڑھی منڈی ہوئی، ان کو اس کا خیال نہ آیا کہ ہم جس پاک سرزمین پر رہتے ہیں اس سے مناسبت پیدا کریں ان سے تو وہ انگریزی داں اعلیٰ تعلیم یافتہ کہیں بہتر ہیں جو وہاں بڑے بڑے عہدوں پر ہیں ایک ڈاکٹر وحید الزماں صاحب حیدرآبادی کو دیکھئے جو حجاز میں ڈاکٹر ہیں کس قدر دین دار اور متشرع اس پر حضرت نے قاضی نظام الدین صاحب کا قصہ سنایا جو ایک معزز قاضی خاندان کے فرد اور عباسی النسل ہیں۔ نوعمری میں گھر سے نکل کر خانقاہ میں آگئے تھے، ابتدائی انگریزی پڑھی تھی حضرت کی اجازت سے انگریزی امتحانات پاس کئے اور ریلوے میں ایک اچھے عہدہ پر ملازم ہوگئے، ان کی دینداری پابندی میں کوئی فرق نہیں آیا، انگریزی اگر حلال روزی حاصل کرنے کے لئے پڑھی جائے اور اس کو اپنے دین کی حفاظت کے لئے استعمال کیا جائے تو وہ باہر کے صدموں کو جھیل لیتی ہے اور دین محفوظ رہتا ہے، وہ مڈگارڈ کی طرح ہو جاتی ہے جس سے پہیئے کی حفاظت ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں دین و دنیا کا تعلق وہ ہوتا ہے جو بلاڈر اور کوَر کا ہوتا ہے۔

مغربی تہذیب میں دوا پر شکر چڑھی ہوتی ہے اور یہاں شکر پر دوا

فرمایا — بہت سی انگریزی دوائیں بہت کڑوی ہوتی ہیں، ان پر شکر کا غلاف چڑھا ہوتا ہے۔ شوگر کوٹیڈ دوائیں سب جانتے ہیں، دین کا معاملہ الٹا ہے، یہاں دوا پر شکر چڑھی ہوئی ہوتی ہے، وہاں شکر پر دوا چڑھی ہوتی ہے۔ یہاں ظاہر شیریں اور اندرون تلخ، وہاں ظاہر تلخ ہے اندرون شیریں، عرفی نے خوب کہا ہے ؎

اے متاع درد، در بازار جاں انداختہ
گوہر ہر سود در جیب زیاں انداختہ

تکلیفاتِ شرعیہ اوپر سے مشقت ہیں اندر سے راحت اور باغ جنت

حضرت ابراہیم کو جس آگ میں ڈالا گیا وہ اوپر سے آگ تھی اور اندر سے گلزار، حضرت ابراہیمؑ نے اس آگ کے اندر گلزار کو سمجھ لیا، فرعون کے سامنے جو سمندر تھا وہ اوپر سے پانی تھا اندر سے آگ، اس نے پانی کو دیکھا آگ کو نہیں دیکھا۔ تکلیفات شرعیہ کا یہی حال ہے کہ اوپر سے وہ مشقت اور ظاہر میں عمل و مجاہدہ، اندر سے راحت، قرب و ترقی اور جنت ہے۔

اس کے بعد والعصر کی تفسیر کرنی شروع کی فرمایا یہ چھوٹی سی سورہ ہے، لیکن معانی و حقائق کے لحاظ سے بڑی وسیع اور عظیم ہے، ستارے ہمیشہ چھوٹے نظر آتے ہیں، لیکن اس دنیا سے بھی عظیم و وسیع ہیں، سورج کی ٹکیہ بچپن سے نظر آتی ہے، لیکن وہ کتنا عظیم الشان ہے، پھر ایمان و عمل صالح کی تشریح فرمائی، ایمان کا تخم جب صحیح سالم ہوتا ہے اور اس کو صحیح طریقہ پر ودیعت اور امانت رکھ دیا جاتا ہے تو وہ وقت پر صحیح برگ و بار لاتا ہے اور پھل دیتا ہے، برگ و بار اور پھل اعمال و اخلاق ہیں۔ کسی نے کسی سادہ لوح سے کہا کہ بیج کو زمین میں بو دو وہ پھلے پھولے گا اور برگ و بار لائے گا۔ وہ بے وقوف اس کو بار بار نکال کر دیکھتا ہے کہ اس کی کونپل نکلی یا نہیں۔

صبر کی حقیقت

فرمایا ـــ بہت دنوں تک صبر کی حقیقت پر غور کرتا رہا، تفسیریں بھی دیکھیں، تشفی نہ ہوئی، پھر ذہن میں آیا کہ بڑے آرام کے لئے چھوٹی تکلیف برداشت کرنا یہی صبر کی حقیقت ہے، کسی شخص کا پاؤں اتر گیا۔ اس کو بٹھانے کے

لئے اس کو تکلیف اٹھانا پڑے گی، لیکن اس کے بعد آرام مل جائے گا، وہ اس آرام کے خیال سے یہ سب تکلیف برداشت کرتا ہے، یہی دنیا کے مصائب کی حقیقت ہے۔

دمِ واپسیں میں کلامِ الٰہی کی تاثیر

فرمایا — فوجی بینڈ بڑا موثر ہوتا ہے۔ جس وقت اس کی خاص دھن بجائی جاتی ہے، سپاہی لڑنے کے لئے بے قرار ہوجاتے ہیں اور جوش و شوق میں زمین پر پاؤں ٹپکنے لگتے ہیں، اسی طرح سے جب مومن کا دمِ واپسیں ہوتا ہے اور اس کے کان میں یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیہ مرضیۃ کا دلکش اور جاں نواز نغمہ پہنچتا ہے تو وہ بے قرار ہوجاتا ہے اور اس قفسِ عنصری سے جلد رہائی پاکر اپنے محبوب کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے بیتاب ہوجاتا ہے۔

بعض درختوں کی حلاوت پھل میں آجاتی ہے بعض مجسم پھل بن جاتے ہیں

فرمایا — بعض لوگوں کا نفع وافادہ ہدایت وارشاد کی طاقت ساری ان کے کلام میں آجاتی ہے۔ ان سے استفادہ کا ذریعہ اور راستہ صرف ان کی تقریر اور کلام ہے، لیکن بہت سے عارفین زیادہ کلام نہیں کرتے، ان کا نفع وافادہ اور ان کی تاثیر ان کے پورے جسم میں اور رگ وپے میں سرایت کرجاتی ہے۔ وہ مجسم نفع وافادہ اور ہدایت وارشاد بن جاتے ہیں، ان کی خاموشی کی حالت میں بھی ان سے خدا کی مخلوق نفع اٹھاتی ہے، جن درختوں میں پھل آتا ہے، ان کی ساری لذت وحلاوت سمٹ کر اس پھل میں آجاتی ہے، پھل کھائیے تو بہت میٹھا، رسیلا اور ذائقہ دار لیکن اس کے علاوہ درخت میں جو کچھ ہے وہ بے مزہ و تلخ اور چوب خشک ہے، آم کے درخت کا پھل بہت شیریں کوزۂ نبات لیکن نہ اس کی پتیوں میں مزہ نہ چھال میں نہ شاخوں میں،

لیکن گنے کو جہاں سے دانت لگائیے اور جہاں سے چوسئے، میٹھا ہی میٹھا اور رس ہی رس، گنے کا چونکہ پھل نہیں ہوتا، اس لئے اس کا سارا جسم پھل بن گیا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

گر نبودے نالۂ نے را ثمر
نے جہاں را پر نکر دے از شکر

پانچویں مجلس

۸ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۶۷ء بروز شنبہ ۸½ بجے تا ۱۲½ بجے — مخصوص حاضرین: مولوی عبیدالرحمن خاں صاحب شیروانی مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی، مولوی محمد مسلم صاحب ایڈیٹر دعوت وغیرہ

دل دولھا ہے اور جسم بارات

فرمایا — دل دولھا ہے اور جسم بارات، بارات دولھا ہی کی خاطر ہے، دولھا سے بے اعتنائی اور بارات کی خاطر داری کوئی عقل کی بات نہیں، اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ایک بڑی بارات جا رہی ہے، ایک باغ اور جنگل سے اس کا گزر ہوا، ایک اجنبی آدمی کھڑا دیکھ رہا تھا، اس کے سامنے سے بارات کا جلوس نکلا، مشعلچی، طبلچی اور تماشائی، باراتی سب ساتھ تھے۔ اس کو دولھا نظر نہیں آیا، اس نے ایک باراتی سے پوچھا کہ نوشہ کہاں ہے؟ میں سب کو دیکھتا ہوں وہ کہیں نظر نہیں آتے؟ اس نے جھنجلا کر جواب دیا کہ تم بھی عجیب آدمی ہو، بارات کا لطف نہیں لیتے اور فضول باتیں کر رہے ہو، وہ مشعلچی ہے، وہ طبلچی ہے۔ وہ مردِ خدا خاموش ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر اس سے رہا نہیں گیا، اس نے دوسرے سے پوچھا۔ اس نے بھی ٹال دیا، تیسرے سے پوچھا، اس نے اعتراف کیا اور کہا کہ ہاں واقعی دولھا میاں بارات میں نہیں ہیں، تحقیق

کی گئی تو معلوم ہوا کہ کہیں پیچھے گھوڑے سے گر کر گڈھے میں پڑے ہوئے ہیں۔ بارات آگے بڑھ گئی، کسی کو خیال نہ آیا، اسی طرح سے دل جسم کی بارات کا دولہا ہے۔ اس کا خیال سب سے مقدم ہے۔ بعض لوگوں کو دیکھیں گے صبح اٹھے منھ ہاتھ دھویا۔ بال بنائے، کپڑے بدلے، جوتے پر پالش کی اور دولہا (دل) بھوکا پڑا ہوا ہے، ناشتہ ندارد، دولہا پہلے ہے، بارات بعد میں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ[1] یہی دل سرِّ الٰہی ہے اور امانت خداوندی، اہلِ زمانہ دل کی اصلاح اور غذا سے غفلت برتتے ہیں اور ظاہری جسم اور آدمی کے خول کی آرائش و زیبائش میں مشغول ہیں۔

بعض لوگ جو غفلت کے دام سے نکل گئے ہیں، وہ دل کے معاملے میں دوسری قسم کی کوتاہیوں اور زیادتیوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان میں بعض خواص بھی بعض اوقات مبتلا ہو جاتے ہیں، مجھے مومن خاں کا یہ شعر اکثر یاد آتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ لکھ کر وظیفہ کی کتاب میں رکھ لوں ؎

تغافل سے جو باز آیا جفا کی   تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

تبلیغ میں اثر کا راز یہاں حضرت شیریں رقم کے ایک خلیفہ مولانا ضیاء الدین صاحب تھے، تبلیغ کا اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص جذبہ اور ذوق عطا فرمایا تھا ایک مرتبہ بچی بیمار تھی، ان کو تبلیغ کے لئے کسی گاؤں میں جانا تھا۔ گھر والوں سے کہہ گئے کہ اگر بچی کا انتقال ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین کر دینا، جہاں جاتے تھے وہاں کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب ساتھ گئے تھے، انھوں نے گڑ اور دودھ خریدا

---

[1] اور پھونکی میں نے اس میں اپنی روح

فرمایا بس تبلیغ ہو چکی۔ آپ جو گھر سے سوکھی باسی لائے تھے وہی کھاتے تو اثر ہوتا۔ اس زمانہ تک بھوپال میں یہ تبلیغی سلسلہ (نظام الدین والا) شروع نہیں ہوا تھا، وہ دیہاتوں اور گاؤں میں تشریف لے جاتے، لوگوں کو اسلام کی ابتدائی باتوں سے آشنا کرتے اور نماز کا عادی بناتے، اسی مقصد سے انھوں نے بہت سے گاؤں میں جمعہ قائم کیا، ایک مرتبہ میں اتفاق سے ایک ایسے ہی گاؤں میں پہنچ گیا۔ لوگوں نے مجھ سے جمعہ کا مسئلہ دریافت کیا۔ میں نے کہا میں تو گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھتا، وہ خاموش ہو گئے، اس کی اطلاع مولانا ضیاء الدین صاحب کو ملی، جو لوگ کسی شیخ سے بیعت ہوتے ہیں پھر وہ کسی دوسرے سے رابطہ نہیں رکھتے۔ تھوڑے ہی اللہ کے بندے اس سے مستثنیٰ پائے۔

مولانا ایک دن چند دوستوں کو لے کر خانقاہ میں آئے، اور کہنے لگے کہ میں نے بڑی مشکل سے فلاں گاؤں میں جمعہ قائم کیا تھا، مقصد یہ تھا کہ لوگ نماز کے عادی ہو جائیں اور اسلام سے ان کا تعلق قائم ہو جائے۔ آپ کے تشریف لے جانے سے وہاں جمعہ بند ہو گیا اور میری محنت پر پانی پھر گیا۔

یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، میں نے کہا مجھ سے بڑی غلطی ہوئی، میں اعتراف کرتا ہوں۔ فرمایا، یہاں اعتراف کرنے سے تو کام نہ چلے گا، وہاں چلنا پڑے گا، میں نے کہا کہ میں چلوں گا، میں ان کے ساتھ گاؤں گیا، وہاں لوگ جمع ہوئے، ایک پتھر پر پتھر رکھا گیا اور منبر بنایا گیا، میں کھڑا ہوا اور میں نے ان لوگوں سے کہا کہ میری ایک بہت بڑی بُری عادت ہے کہ میں کتاب دیکھتا ہوں، حاشیہ نہیں دیکھتا، میں نے جب تم سے یہ بات کہی تھی کہ گاؤں میں جمعہ درست نہیں ہے تو میں نے صرف کتاب دیکھی تھی۔ واپس جا کر جب حاشیہ دیکھا تو مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی، غرض اس طرح مولانا سے ربط بڑھا اور وہ مجھے کتابت سکھانے لگے۔

ذکر کی حقیقت اور اس پر قناعت کرنے والے کی مثال ایک دن ہم دونوں مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے کچھ اس نظر سے دیکھا کہ میں سمجھا تخلیہ چاہتے ہیں، اس وقت

صرف منشی حلیم الدین صاحب تھے۔ میں نے کہا کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائیے، یہ ہمارے محرم ہیں ان سے کوئی پردہ نہیں، انھوں نے فرمایا کہ کہنے کی تو بات نہیں، تم سے کہتا ہوں کہ جب میں ذکر کرتا ہوں تو بواسیر کا مرض ابھر آتا ہے اور زور پکڑ لیتا ہے، میں نے عرض کیا کہ ایسے ہی ہونا چاہیئے، اس میں کوئی تعجب نہیں، یہ آپ کی تکلیف اسی ذکر کی وجہ سے ہے، ان کو بڑا تعجب ہوا، میں نے کہا کہ ذکر کی حقیقت ہے قلب کو جمود سے نکالنا۔ جب وہ جمود سے نکلتا ہے جب ہی سکون ملتا ہے فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ اب ایک حال میں جمود اور ایک منزل پر وقوف کیسے درست ہو سکتا ہے، ایک مدت تک ذکر کرایا جاتا ہے، پھر چھڑا دیا جاتا ہے، مراقبات وغیرہ بتائے جاتے ہیں، جیسے بچوں کو پہلے کھلونے دیدیئے جاتے ہیں، پھر لے لئے جاتے ہیں، اب اگر ذاکر ہمیشہ ذکر ہی کرتا رہے اور اس پر اصرار کرے اور قناعت کرلے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حاجی حج کے لئے جہاز میں سیٹ ریزرو کرائے، پھر جب جدہ آئے تو سیٹ نہ چھوڑے کہ دام دیئے ہیں اور بہت روپے خرچ کئے ہیں، اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس سے زبردستی سیٹ خالی کرالی جائے گی۔

مدینہ میں مرنے کی آرزو مولانا ضیاء الدین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ میں نے شیریں رقم صاحب کی قبر کے پاس اپنی قبر تیار کرائی ہے، میں نے کہا آپ نے بہت غلط کام کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ"[1]، آپ کو یقین ہے کہ آپ کا انتقال یہیں ہوگا، آپ نے مدینہ میں مرنے کی آرزو کیوں نہ کی؟ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "واجعل موتی فی بلد رسولك"[2]

---

[1] اور کیا جانے کوئی جان کہ کس زمین پر اس کو موت آئے گی۔

[2] اے اللہ میری موت اپنے رسولؐ کے شہر میں مقدر فرما۔

ایسے ہی تھا تو آپ مدینہ میں مرنے کی تمنا کرتے، کہنے لگے کہ ننھے میاں آپ نے تو میرا منصوبہ ہی ختم کر دیا، میرے پیسے ضائع ہوئے، خدا کی شان تھوڑے عرصہ کے بعد ان کی طبیعت میں حرمین حاضری کا جوش پیدا ہوا، بے ساز و بے سامان چل کھڑے ہوئے، لڑکوں اور مخلصین نے کچھ سامان کر دیا۔ حج سے فارغ ہوئے تو مدینہ طیبہ کی طرف کوچ کر دیا، وہاں پہنچ کر دو ہی تین دن کے اندر انتقال کیا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

ذکر کی جگہ خلوت نہیں جلوت ہے ایک عجیب مثال

فرمایا۔ ذکر کی جگہ خلوت نہیں جلوت ہے جب جلوت میں ذکر کی مشق اور قوت پیدا ہو جاتی ہے تو خلوت میں خود بخود ذکر ہونے لگتا ہے، لیکن اگر ساری مشق اور عادت خلوت میں ذکر کرنے کی ہے تو جلوت کے انتشار میں ذکر نہیں ہو سکتا، اس کی ایک بلیغ مثال بیان فرمائی، رام پور سے ایک صاحب آئے تھے، وہ کسی زمانہ میں وہاں کے بڑے مشہور چور تھے، چوری کے لئے بڑی اونچی جست لگاتے تھے اور کوٹھوں پر پھاند جاتے تھے، ان سے پوچھا گیا کہ تم کو ایسی مشق کہاں سے ہوئی، کہنے لگے کہ ہم کو بچپن سے اس کی مشق کرائی جاتی ہے، اس کا ایک خاص فن اور نظام ہے، ہم لوگوں کو جو کپڑے پہنائے جاتے ہیں وہ دُہرے اور دو تہہ کئے ہوتے ہیں، پاجامہ بھی اسی طرح کا اور کرتا اور صدری اور ٹوپی بھی اسی طرح کی، ہر کپڑے کے خول میں ریت بھری جاتی ہے، تو لے ماشے شروع کر کے سیروں تک اس کو پہونچایا جاتا ہے اور اسی میں تھوڑی ریت ڈال کر ہم سے جست کرائی جاتی ہے، یہاں تک کہ سیروں ریت بھر کر ہم جست لگانے لگتے ہیں، بغیر ریت اور بوجھ کے ہمیں جست لگانے کی اجازت نہیں دی جاتی، جب اس طرح بوجھ لے کر جست لگانے کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر خالی کپڑوں اور خالی بدن کے ساتھ جست لگانے میں ایسا ہلکا پن معلوم ہوتا ہے کہ اونچی سے اونچی جست

لگا لیتے ہیں، بدن چڑیا کی طرح سبک معلوم ہونے لگتا ہے، اسی طرح جو لوگ جلوت میں اور بازاروں اور ہنگاموں کے انتشار میں متوجہ الی اللہ اور "دست بکار دل بیار" رہنے کے عادی ہوجاتے ہیں ان سے خلوت میں غفلت ہونی مشکل ہوتی ہے اور ان کو تنہائی میں ذاکر اور متوجہ ہونے کے لئے کوئی تکلف اور اہتمام نہیں کرنا پڑتا۔

شریعت میں اعضاء جوارح کو آمادہ کرنا پڑتا ہے طریقت میں اعضاء و جوارح آدمی کو آمادہ کرتے ہیں

فرمایا — کہ ایک شخص نے شریعت و طریقت کا فرق پوچھا میں نے کہا شریعت میں اعضاء و جوارح کو آمادہ کرنا پڑتا ہے، طریقت میں اعضاء و جوارح آدمی کو آمادہ کرتے ہیں، مثال کے طور پر حس کو کھجلی ہوتی ہے تو وہ بالارادہ اور بلا ارادہ طور پر کھجاتا رہتا ہے۔ شوق و محبت کے بغیر کام نہیں چلتا، شوق و محبت کی حالت میں محنت محنت اور بوجھ بوجھ معلوم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے جانوروں میں بھی شوق و محبت کی چنگاری رکھی ہے، دیکھئے اونٹ بھی حدی سے متاثر ہوتا ہے، اور جب وہ حدی سے مست ہوجاتا ہے تو اس کو شغدف اور سواریوں کا بوجھ معلوم نہیں ہوتا مدینہ کی حاضری کے لئے کچھ دیوانگی کی بھی ضرورت ہے، اگر سیانا گیا تو فائدہ نہ اٹھایا

سرمایہ اصلی عجز و کوتاہی اور درد و محبت ہے

فرمایا — میں نے تو سترہ برس حیدرآباد میں جوار کی روٹی کھا کر بسر کی، اگر مجھ میں یہ درد و سوز پیدا ہوا تو تعجب نہیں، لیکن محمد سعید[1] پر مجھے تعجب آتا ہے کہ وہ نہ کہیں گئے، نہ آئے اور نہ یہ محنت کی، ان میں یہ محبت و جذبہ کیسے پیدا ہوگیا، اس پر آپ نے ان کا ایک نعتیہ قصیدہ جو علیحدہ سے چھپ گیا ہے بڑے جوش و رقت کے ساتھ سنانا شروع

---

[1] مولوی محمد سعید صاحب سلمہ، فرزند اکبر حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب ۱۲

کیا، جب اس شعر پر پہنچے ؎

سراپا ظلمت و عصیاں ہوں یکسر عجز و کوتاہی
یہ ہے سرمایۂ اصلی اور اس پر شوق مدحت کا

فرمایا کہ مجھے یہ طرز پسند نہیں جو بعض شعراء نے اختیار کیا ہے کہ ہم نے درود بہت پڑھا ہے، یا ہم نے فلاں عمل کیا ہے، اس لئے ہمیں کچھ استحقاق پیدا ہو گیا ہے، یہ تو ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ میں نے آپ کو عید کارڈ بھیجا آپ مجھے سوئیاں بھیجئے، یہاں تو سرمایۂ اصلی یہی عجز و کوتاہی ہے۔

فرمایا، اس قصیدے کے لکھنے کے کچھ ہی عرصہ بعد بلا سان و گمان ایک صاحب کا خط آیا کہ میں نے محمد سعید کے لئے ہوائی جہاز پر سیٹ ریزرو کرالی ہے، اور اس طرح سے وہ بغیر کسی ساز و سامان کے حج و زیارت کو چلے گئے۔

اصلی چیز نقلی پر ہمیشہ غالب آتی ہے

فرمایا — موت کے وقت شوق کی ضرورت ہے، اگر زندگی میں اللہ سے اور عالم آخرت سے انس نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا، محض عقلی دلائل، معلومات و مطالعہ کام نہ آئے گا، اندرونی چیز درکار ہے، اصلی چیز نقلی چیز پر غالب آتی ہے، فطری علم کسبی پر غالب رہتا ہے، طوطے کو برسوں حق اللہ حق اللہ سکھایا، جب بلی نے گلہ دبایا تو ٹیں ٹیں نکلنے لگی، جب ملک الموت نے گلہ دبایا تو اوپر کا ذکر غائب ہو گیا اور اندر کی چیزیں ابھر آئیں، اعضاء و جوارح اگر حقیقت و روح سے خالی ہیں تو مضغہ، گوشت، دواؤں کے اندر کی تجلیاں مطلوب ہیں، نہ کہ ان کے جسم، مری اور سوکھی دواؤں سے مطلوب حاصل نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ

اُولٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ [1] یہ نسخہ بتا دیا کہ غفلت کو دور کرو، پھر پیر کی ضرورت نہیں، قرآن خود پیر بن جاتا ہے۔

جب اعلیٰ سامنے آجائے تو ادنیٰ سے دل ہٹ جاتا ہے

فرمایا، میں سورۂ توبہ کی اس آیت قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ الاٰیۃ [2] پر بہت دن غور کرتا رہا، علماء سے بھی استفسار کیا کہ ان محبوبات طبعیہ کی محبت کیسے جا سکتی ہے، کچھ تسلی نہ ہوئی، آخر سرا مل گیا۔ دیکھئے ایک آدمی اپنے بچوں اور گھر والوں کو چھوڑ کر باہر نکلا ہو، ایک ایک پیسہ اس کو اشرفی معلوم ہوتا ہے، اس کے ہاتھ میں کوئی دس روپیہ رکھ دے اس کی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی، اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا کوئی خزانہ اس کے ہاتھ لگ گیا، وہ مٹھی بند کر لے گا، اتنے میں ایک شخص ایک اشرفی اس کو دکھاتا ہے، وہ دس روپیہ پھینک دے گا اور اشرفی لے لے گا، اس لئے کہ اشرفی کے سامنے روپے بے حقیقت ہوگئے۔ روپئے اشرفیوں ہی کے بچے ہیں، ان ہی سے روپئے بنتے ہیں، جب سانچہ مل گیا تو مصنوعات کی کیا قیمت، کوئی کمہار کا بنایا ہوا ایک پیالہ توڑ دے، اس کو کیا پرواہ، اس کا چاک سلامت رہے ہزار پیالے بنا لے گا۔ دنیا میں جو کچھ ہے، یہ سب اعیان ثابتہ کی صور علمیہ ہیں، اعیان ثابتہ اگر سلامت ہیں تو صور علمیہ کا کچھ غم نہیں،

---

[1] ان (مشرکوں) کے دل ہیں مگر یہ ان سے سمجھ کا کام نہیں لیتے، ان کی آنکھیں ہیں مگر یہ ان سے نہیں دیکھتے، ان کے کان ہیں مگر یہ ان کے ذریعے نہیں سنتے، یہ چوپایوں کی مانند بلکہ ان سے بھی گمراہ تر ہیں۔ یہی ہیں جو اصل غافل ہیں۔

[2] اس آیت میں باپ بیٹوں، بھائیوں اور دیگر محبوبات و مرغوبات پر اللہ و رسول اور دین کو ترجیح دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

اسی طرح سے اگر محبوب حقیقی اور خالق ابدی کسی کو مل جائے تو اس کے فانی مخلوقات (آباد وابنار اور افراد خاندان، دنیوی منافع وغیرہ) کی کیا قیمت ہے۔[1]

شیخ اکبر کی ایک عبارت پر اشکال اور اس کا حل

فرمایا — شیخ اکبر نے کہیں لکھا ہے کہ سب راستے خدا تک پہنچتے ہیں، بعض لوگوں کو اس میں بڑا اشکال ہوا کہ یہ تو وحدت ادیان اور ہمہ اوست) کی قسم کی چیز ہے، اس لئے کہ قرآن مجید میں آتا ہے ان ربی علیٰ صراط مستقیم[2] لیکن میرے نزدیک اس میں کوئی اشکال نہیں، کسی آواز دینے والے نے آواز دی کہ یہاں آؤ، اب سب طرف سے لوگ دوڑے، لیکن راستے غلط اور صحیح ہر طرح کے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی کانٹوں میں پھنس گیا، کوئی گڈھے میں گر گیا، کوئی سیدھے راستے سے پہنچ گیا، اس میں آواز دینے والے اور آواز کا کوئی قصور نہیں، ایک ہندو نے کہا میں اگر پوجا نہ کروں تو دن بھر طبیعت خراب رہتی ہے، عبادت تو فطری تقاضا ہے۔ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ"[3] البتہ اس تقاضہ کا صحیح جگہ پر استعمال کرنا اپنا فرض ہے۔

کمیونسٹ اور ترقی پسند سب پابندی اختیار کرتے ہیں لیکن آزادی کا دم بھرتے ہیں

فرمایا — تقیدات اور پابندیاں ضروری ہیں، لامذہب ملحد، کمیونسٹ سب تقیدات اختیار کرتے ہیں لیکن آزادی کا دم بھرتے ہیں، ایک چیز بڑے شوق سے کھاتے ہیں، لیکن اس کے کسی خاص نام سے چڑتے ہیں، ایک مرتبہ کچھ بچے جمع تھے، کسی نے کہا میں

---

[1] ایک اردو شاعر (روش) اس مضمون کو اس شعر میں خوب بیان کیا ہے ؎

گلہ نہیں جو گریزاں ہیں چند پیمانے — نگاہ یار سلامت ہزار میخانے

[2] میرا رب تو صراط مستقیم پر ہے [3] اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر اسلئے کہ میری عبادت کریں۔

فلاں چیز سے چڑتا ہوں، ایک بچے نے کہا کہ میں تُرئیوں سے چڑتا ہوں اور وہ کبھی نہیں کھاتا، ایک مرتبہ تُرئیوں کا سالن رکھا گیا، کسی نے کہا کہ تریاں ہیں، وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا میں تریاں نہیں کھاتا، ماں نے پیچھے سے آکر کمر پر ہاتھ رکھا اور کہا بیٹا یہ تریاں نہیں لڑیاں ہیں، بس بیٹھ گیا اور کہا میں تریاں نہیں کھاتا، لڑیاں کھاتا ہوں، اسی طرح بہت سے لوگ لڑیوں کے نام سے تریاں کھا رہے ہیں، آزادی کے نام سے پابندی کی زندگی گزار رہے ہیں اور بہت خوش ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔

زمین کی طرف نہیں آسمان کی طرف دیکھنا چاہیئے فرمایا — کہ ایک صاحبزادے آئے اور بالکل اخیر میں بیٹھ گئے، سب لوگ اٹھ کر چلے گئے، وہ بیٹھے رہے، میں نے پوچھا کہ آپ کا کچھ کام ہے، کہنے لگے کہ میں آپ کی ایک زمین کے متعلق دریافت کرنے آیا تھا۔ میں نے کہا زمین کی بات زمین والوں (منتظمین) سے پوچھئے، میں زمین کی طرف نہیں دیکھتا آسمان کی طرف دیکھتا ہوں، زمین کی طرف نظر نہ کرنے اور آسمان کی طرف دیکھنے کی میری عادت بچپن سے ہے، ہمشیرہ نے مجھے اس پر مارا بھی ہے، بچپن میں فلاں صاحب کی کوٹھی میں جانا تھا، ہمشیرہ نے تاکید کی کہ اوپر نہ دیکھنا۔ میں نے دیکھا کہ چھجے کے اوپر مہوک لگی ہوئی ہے، گھر آکر یہی بیان کیا، تو ہمشیرہ بڑی ناراض ہوئیں اور امتحاناً پوچھا کہ چارپائی کاہے کی بنی ہوئی تھی، میں نے کہا بان کی۔ منجھلے بھائی ناراض ہوئے اور کہا کہ غلط کہتا ہے، نواڑ کی بنی ہوئی تھی، زمین کی باتیں زمین والوں سے پوچھو، میں تو آسمان کی طرف دیکھتا ہوں، اللہ مجھے فیض دے، اب تو میری عمر اسی سے متجاوز ہو گئی۔ میری جڑیں زمین سے کٹ رہی ہیں تو اور بھی آسمان کی طرف نظر ہونی چاہیئے وہیں کی کھیتی کی فکر ہونی چاہیئے۔

۱۹ر شوال المکرم ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۶۶ء مابین عصر و مغرب

خانقاہ شریف بھوپال

حاضرین مجلس: مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی، مولانا جمیل احمد صاحب حیدرآبادی، مولانا حافظ نعمان خاں صاحب ندوی، حافظ منظور صاحب، مولوی علی آدم صاحب افریقی اور مولوی محمد حمزہ حسنی وغیرہ،

مولانا دریابادی سے ملاقات کا تذکرہ

راقم السطور اسی روز حاضر ہوا تھا، طائف کی واپسی میں جو حادثہ پیش آیا تھا اس کے مابقی اثرات کو پوچھتے ہوئے جس کے لئے حضرت نے مالش کے لئے ایک روغن ارسال فرمایا تھا ارشاد فرمایا کہ قریب قریب اسی زمانہ میں مجھے بھی دوران سر، شدید ضعف اور قلب کی تکلیف پیش آئی، میں اکثر صبح سے کچھ کھائے پئے بغیر مجلس میں آکر بیٹھ جاتا ہوں اور کہنے سننے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، ایک دن ایک بجے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ جب اٹھ کر مکان میں جانے لگا تو مجھے چکر آگیا، میں سمجھا کہ ضعف کا اثر ہے کھانا کھالوں گا تو جاتا رہے گا۔

لیکن کھانے کے بعد بھی وہ نہ گیا، دن بھر بڑا زور رہا، شدید ضعف تھا، قلب پر بھی اثر محسوس ہوا، میں نے اکثر کبیر السن لوگوں کو دیکھا ہے کہ چٹ پٹ ختم ہوگئے، لوگوں نے کہا ابھی تو بات کر رہے تھے، ابھی تو فلاں جگہ دیکھا تھا، لیکن اس عمر میں یونہی ہوتا ہے اس لئے جو کوئی بوڑھا آدمی آج کا کام کل پر اٹھا رکھے اس کو میں خلل دماغ سمجھتا ہوں، میں نے مولوی عمران صاحب کو بلا کر وصیتیں کر دیں، اتفاق سے اسی دن مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی تشریف لائے تھے، اگلے روز صبح ان کو خانقاہ میں آنا تھا، مولوی عمران صاحب کو تامل تھا کہ اس حالت میں ان کو لائیں، میں نے کہا کہ یہی وقت مغز کی بات کا ہے، جب ظاہری قویٰ ضعیف ہو جائیں تو اصل خالص بات نکلتی ہے، جب بادام کا مغز توڑا جاتا ہے اور اس کی گرمی نکلتی ہے تو پھر روغن بادام حاصل کیا جاتا ہے، میں نے مولوی صاحب کو اندر ہی بلا لیا اور دیر تک کہتا رہا مولوی صاحب نے اپنی بلند نظری سے ان باتوں کو بہت اہمیت دی، مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں نے کیا کہا؟ اتنا یاد ہے کہ ان پر رقت طاری تھی، انھوں نے ان باتوں میں سے ایک بات "صدق" میں بھی لکھی ہے۔

کبھی عذاب کی شکل میں رحمت اور کبھی رحمت کی شکل میں عذاب ہوتا ہے

فرمایا — ہر چیز کے مقدمات اور آثار ہوتے ہیں، اہلِ بصیرت مقدمات اور آثار سے صحیح نتائج نکالتے ہیں، بعض مرتبہ عذاب کی شکل میں رحمت اور بعض مرتبہ رحمت کی شکل میں عذاب ہوتا ہے، عذابِ الٰہی آنے سے پہلے قدرت کی جو نشانیاں اور خوف و دہشت پیدا کرنے والے جو واقعات پیش آتے ہیں وہ اپنی ظاہری شکل کے اعتبار سے عذاب معلوم ہوتے ہیں، لیکن آنے والے عذاب سے بچانے کے لئے وہ تازیانۂ عبرت کا کام دیتے ہیں، پہلے صبح کاذب ہوتی ہے پھر صبح صادق پھر آفتاب نکلتا ہے۔

سمجھنے والے صبح کاذب کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ صبح صادق ہونے والی ہے اور دیکھنے والے صبح صادق کو دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ سورج نکلنے والا ہے، میں حیدرآباد میں تھا کہ سخت طاعون آیا، موت کا بازار گرم تھا، شاہ علی بنڈہ سے لیکر چارمینار تک کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا، اگر کوئی نظر آتا تو گردن میں جھولی ڈال کر کسی مردے کو لے جاتا ہوا دکھائی دیتا، شہر میں ہو کا عالم تھا، لوگ شہر چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد انفلوئنزا آیا، اس میں بھی موت کی گرم بازاری ہوئی، پھر کچھ عرصہ کے بعد موسیٰ ندی کا طوفان آیا اس نے قیامت برپا کردی، شہر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ کتنی بارات بہہ گئیں، کتنے خاندانوں کا پتہ نشان نہ رہا۔ کوئی کہتا تھا کہ میرے سات بیٹے تھے سب طوفان کی نذر ہو گئے، کوئی کہتا تھا کہ میں ڈوبتے ڈوبتے بچا، غرض لوگوں کی داستانوں سے دل ٹکڑے ہوتا تھا، اس کے بعد مجھے ایسی وحشت سوار ہوئی کہ میرے لئے ایک منٹ ٹھہرنا مشکل ہو گیا، یا تو حیدرآباد سے ایسا اُنس تھا کہ کہتا تھا کہ مجھے موت مدینہ میں آئے گی یا حیدرآباد میں، یا ایسی وحشت ہوئی کہ وہاں رہنا دوبھر ہو گیا۔ میں گلبرگہ میں تھا، لوگوں نے ہزار ٹھہرایا، نہ ٹھہرا، بالآخر پولیس ایکشن ہوا، گلبرگہ اور اس کے اطراف میں بڑی تباہی آئی، ان واقعات کو لوگ عذاب الٰہی کہتے تھے، میں ان کو رحمت سمجھتا تھا کہ بڑے عذاب سے ڈرانے کے لئے جگایا اور جھنجوڑا جا رہا ہے۔

ایک شخص سردی کے زمانے میں موٹا لحاف اوڑھے ہوئے میٹھی نیند سو رہا ہے ایک شخص سختی کے ساتھ پکڑ کر اس کو نیچے گھسیٹ لیتا ہے، اس سے اس کو چوٹ بھی لگتی ہے، غصہ بھی آتا ہے، لیکن جب وہ ہشیار ہوتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کے پہلو میں سانپ تھا، اگر اس کو پکڑ کر گھسیٹ نہ لیا جاتا تو وہ اس کو ڈس لیتا اور اس کا کام تمام کر دیتا، اس سانپ کو دیکھ لینے کے بعد اس کا یہ فعل سراسر ہمدردی اور شفقت نظر آئے گا۔ کبھی عذاب

کی شکل میں رحمت ہوتی ہے اور کبھی رحمت کی شکل میں عذاب ۔ نمرود کی آگ کی شکل عذاب کی تھی، لیکن اس میں رحمت تھی اور سمندر کی شکل رحمت کی تھی لیکن اس میں فرعون کے لئے عذاب تھا۔

ظاہری الفاظ سے بہت دھوکا ہوتا ہے

فرمایا کہ ۔ ظاہری الفاظ سے بہت دھوکا ہوتا ہے، ان الفاظ کو ان کے محل میں رکھ کر اور ان کے سیاق و سباق میں دیکھنا چاہیئے، الفاظ مشترک ہوتے ہیں، لیکن اشخاص اور اوقات کے لحاظ سے ان کے معانی بدلتے رہتے ہیں پہلے بھوپال کی جیل میں دریاں اور جانمازیں اچھی بنتی تھیں، میں دریاں اور جانمازیں خریدنے کے لئے کبھی کبھی جیل جاتا، ایک صاحب مجھے دیکھ کر کہتے اچھا پیر صاحب آپ بھی جیل پہنچ گئے؟ حالانکہ میں آزاد ہوں، عارضی طور پر ایک ضرورت سے جیل گیا تھا، اور ایک قیدی کسی کام کے لئے شہر میں لایا جاتا ہے، اگر اس سے کوئی پوچھے کہ تم آزاد ہو گئے؟ کہے گا نہیں صاحب میں جیل ہی میں ہوں! تو میں نہ جیل جا کر قیدی بنا اور نہ وہ شہر میں آکر آزاد ہوا، مگر الفاظ و اشکال کے مشترک ہونے سے لوگ دھوکا کھاتے ہیں، یہی دھوکا کفار کو ہوا کہ آنحضرتؐ کے ضرورت سے بازار میں جانے اور بشریت کے تقاضے سے کھانے پینے سے، ان کو دھوکا ہوا تو انھوں نے آپ کو عام انسانوں کی طرح سمجھ لیا اور کہا کہ: مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ[1]

حالات وکیفیات عارضی اور خارجی چیزیں ہیں

پانی کی اصلی فطرت اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ٹھنڈا ہو اور ٹھنڈک پہنچائے، لیکن جب وہ آگ پر گرم کیا جاتا ہے یا اس کو گرمی پہنچتی

---

[1] یہ کیسا رسول ہے کہ کھاتا پیتا ہے اور بازار بھی آتا جاتا ہے۔

ہے تو وہ گرم ہوجاتا ہے اور اس کو گرم پانی کہنے لگتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمیشہ گرم ہی رہتا ہے، جب گرمی کا اثر زائل ہوجائے گا تو وہ پھر ٹھنڈا ہوجائے گا اور اپنی فطرت پر واپس آجائے گا، اسی طرح عبادات، مجاہدات، کیفیات اور تجلیات سے سالک مغلوب ہوجاتا ہے اور کبھی اس کی زبان سے اس طرح کے فقرے نکلنے لگتے ہیں سبحانی ما اعظم شانی یا لیس فی جبتی الا اللہ" لیکن یہ سب عارضی اور اضافی چیزیں ہیں، گرم پانی ہزار کہے کہ میں گرم ہوں اور میں آگ ہوں، وہ پانی کا پانی ہی رہے گا اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائیگا۔ آخر ٹھنڈا پانی بن جائے گا۔ جو پہلے تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ میں عبادت کرتا ہوں، میں کہتا ہوں کہ وہ کیا عبادت کرتا ہے یوں کہنا چاہیئے کہ جب خدا مجھ سے عبادت کراتا ہے، جب مجھے عبادت کی توفیق دیتا ہے۔ عبادت اس کی دائمی صفت اور اس کا لازمہ نہیں، ایک خارجی اور عطائی صفت ہے ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنم
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

الفاظ کو سمجھنے کے لئے متکلم کے حالات اور کلام کا محل بھی دیکھنا چاہیئے

فرمایا کہ — لوگ الفاظ پر گرفت کرتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ وہ الفاظ کن حالات میں صادر ہوئے، ایک شخص کہتا ہے کہ بلی میرے قد سے اونچی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ کوئی بلی ایسی دیکھنے میں نہیں آئی جو انسان کے قد سے اونچی ہو، اس پر جھگڑا ہو رہا ہے، لیکن بلی کو اگر زمین پر اتار لیا جائے تو سارا جھگڑا ختم ہوجائے، ایسے ہی بزرگوں کے بہت سے اقوال جو خاص حالات میں کسی چیز کے مشاہدہ کرنے سے صادر ہوئے، اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتے جب تک ان کے محل کو نہ دیکھا

جائے۔

لوگ اپنے ذاتی دائرے ہی میں ترقی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ قرآن تغیر کا مطالبہ کرتا ہے

فرمایا کہ — لوگوں کو اپنے ذوقی دائرہ کے اندر محنت و ترقی کرنا بہت آسان معلوم ہوتا ہے، جس کو ذکر و شغل کا شوق ہے وہ ذکر و شغل میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے، جس کو عبادات کا شوق ہے وہ عبادات میں اور اضافہ کر لیتا ہے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا، تبلیغ میں ایک چلّہ دینے والوں کو تین چلّے بہت آسان معلوم ہوتے ہیں، لوگ وظائف پر وظائف پوچھتے رہتے ہیں، ختم پر ختم پڑھتے رہتے ہیں، لیکن اگر کسی مرغوب چیز کو چھوڑنے یا شریعت کے کسی حکم کو اختیار کرنے کے لئے کہا جائے یا کسی رسم کو ترک کرنے کے لئے تو نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے، حالانکہ قرآن مجید سب سے زیادہ "تغیر" کا مطالبہ کرتا ہے۔

کسی کا دین دیکھنا ہو تو اس کی دنیا دیکھو

مولانا عبد الشکورؒ اور حاجی مشتاق علیخاں مرحوم نے حضرت مولا عین القضاۃ کی ایک بات سنائی، میں نے اس کو اپنی عادت کے مطابق لکھ لیا اور میں نے کہا کہ عمر بھر کے لئے یہی ایک بات کافی ہے۔ انھوں نے نقل کیا کہ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ اگر کسی کا دین دیکھنا ہو تو اس کی دنیا دیکھو، یعنی اگر دنیا شریعت کے مطابق ہے تو دین بھی شریعت کے مطابق ہوگا۔

ایک مرزا صاحب کا واقعہ

ایک مرزا صاحب ہیں، سالہا سال سے خانقاہ اور ذکر و شغل سے تعلق رکھتے ہیں اور ختموں کو پوچھتے رہتے ہیں کہ فلاں ختم بھی شروع کر دوں؟ میں ان سے شروع میں بھی کہتا تھا کہ مرزا صاحب! آپ کے اس ذکر و شغل سے زیادہ ضروری اور مفید یہ ہے کہ آپ ایک حدیث روز پڑھ لیا کریں۔ اور اس پر عمل کریں، آپ کے لئے علم زیادہ ضروری ہے، لیکن ان کو ذکر و شغل سے زیادہ دلچسپ

رہی۔ بیٹے کی شادی کا وقت آیا، اس نے کہا کہ میں گھوڑے پر بیٹھوں گا اور باجہ اور گانا ضرور ہوگا، انھوں نے سمجھایا، اس نے کہا میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا اور شادی نہ کروں گا، عورتوں نے بھی اصرار کیا، آخر وہ مان گئے اور بارات اسی شان سے نکلی، یہاں آئے تو میں نے ان سے کہا کہ تم نے سخت گناہ کیا، وہ بہت نادم ہوئے اور کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں، میں توبہ کرتا ہوں، میں نے کہا کہ ہاں حجرے میں گھونگھٹ ڈال کر توبہ کرلو، تم نے گناہ تو علانیہ کیا ہے اور سارے قصبے میں ایک مثال قائم کر دی کہ دینداروں کے گھروں سے بھی ایسی باراتیں نکلتی ہیں اور توبہ یہاں چپ چاپ بیٹھ کر کرلو گے، علانیہ گناہ کے لئے علانیہ توبہ چاہیئے، قصبہ میں جا کر کہو کہ مجھ سے سخت غلطی ہوئی اور میں نے بہت برا کیا، اس کے بالمقابل یہ غریب قاضی جو بیٹھے ہوئے ہیں، ایک مجلس نکاح میں شریک تھے، کچھ خلاف شرع ایسی باتیں ہونے لگیں جن سے دین کا استخفاف اور اہانت معلوم ہوتی تھی، یہ اٹھنے لگے اور کہا کہ میں ایسی مجلس میں نہیں بیٹھ سکتا۔ لوگوں نے خوشامد کر کے بٹھایا اور اس طرح باتیں کرنا چھوڑ دیں، پھر نوشہ آیا، اس کے منہ پر سہرا تھا، یہ پھر اٹھنے لگے اور کہا خلاف شرع ہے۔ عورتوں نے بہت شور مچایا کہ بے سہرے کے نوشہ کیسا؟ یہ پھر اٹھنے لگے، لوگوں نے پھر بٹھایا، کہا کہ میں منع نہیں کرتا خود جاتا ہوں، آخر لوگوں نے انھیں بٹھایا اور سہرا نکال دیا۔ آخر انھیں کی چلی۔

دین جب جاپانی ہوتا ہے دنیا سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتا ہے

فرمایا — دین جب جاپانی ہوتا ہے دنیا سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتا ہے لیکن جب وہ پختہ مال اور اصلی ہوتا ہے تو کسی ٹکر سے نہیں ٹوٹتا۔ بازار میں سوا روپیہ کی گھڑی بھی بکتی ہے، ٹین کے پرزے اور دیکھنے بھر کی گھڑی۔ وہ ذرا بھی صدمہ برداشت نہیں کر سکتی۔

ہم لوگوں کا دین شطرنج کے کھیل سے بھی زیادہ بے وقعت ہے

دینداروں کو شطرنج کھیلنے والوں سے سبق لینا چاہیئے کہ وہ اپنے اصولوں کے کتنے پابند ہوتے ہیں۔ کتنا ہی کہیئے کہ اس موقع پر فیل کو آگے بڑھا دیجیئے، گھوڑا ڈھائی خانے چلتا ہے' اس کو آگے چلا دیجیئے، وہ نقصان پر نقصان برداشت کریں گے، مات پر مات کھائیں گے، مگر ایسا نہیں کریں گے۔ پوچھیئے گا کیوں نہیں کرتے؛ کہیں گے کہ یہ شطرنج کے اصول وضوابط کے خلاف ہے۔ اللہ اکبر! کھیل اور بازی کے اصول و ضوابط کی اتنی پابندی! ہم لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے، دین کیا ہے؟ شریعت کے اصولوں کی پابندی، اپنی خواہشات و مصالح کو شریعت کے احکام اور آسمانی تعلیمات کے ماتحت کر دینا ہے۔ فائدہ ہو چاہے نقصان، جیت ہو چاہے ہار، یہی مضمون ہے اس حدیث پاک کا جو کل مکتوبات شریف میں پڑھی جا رہی تھی کہ: لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعًا لما جئتُ بہ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات نفسانی اس ہدایت کے تابع نہ ہو جائیں جس کو میں لے کر آیا) میدانی کھیلوں میں بھی یہی دیکھا گیا ہے کہ جو جس جگہ کھڑا کر دیا گیا کیا مجال جو اس جگہ سے ہٹے، جو وردی مقرر ہے، ضرور پہنی جائے گی، کھیل کے جو ضوابط ہیں ضرور پورے ہوں گے، کیا دین کا معاملہ کھیل سے بھی کم اہم ہے؟

نماز میں جی نہیں لگتا دعا کیجیے

فرمایا کہ —— ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ نماز میں جی نہیں لگتا، دُعا کیجیۓ! میں نے کہا جیب میں روپیہ ڈیڑھ روپیہ ہے؟ انھوں نے کہا جی ہاں، میں نے کہا جامع مسجد چلے جائیے اور مؤذن کو یہ روپیہ دیدیجیۓ کہ آپ کو مسجد کے مینار پر چڑھنے کی اجازت دے دے

پھر منارے کی چوٹی پر پہنچ کر اس کا دروازہ کھول دیجئے اور بالکل کنارے پر کھڑے ہوکر نیچے جھانکیئے تو کیا اس وقت آپ پکار کر لوگوں سے کہیں گے کہ میرے لئے دعا کرو میں کود نہ پڑوں۔ اسی طریقے سے اگر آپ جہنم کی گہرائی دیکھتے کہ نماز نہ پڑھنے سے آدمی کہاں گرا دیا جائیگا تو پھر یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ دعا کرو میں نماز پڑھوں اور نماز میں دل لگنے لگے۔

امراء پہلے خاطر کرتے ہیں پھر سوالات کرتے ہیں

فرمایا کہ — میں اجین میں ایک بڑے وکیل صاحب کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ شہر میں کچھ غریب لوگ بھی تھے جن کا سلسلہ اور ہماری خانقاہ سے قدیم تعلق تھا۔ میں نے بہت چاہا کہ میں ان کے یہاں منتقل ہو جاؤں۔ غریبوں کے یہاں آرام زیادہ ملتا ہے، مگر وکیل صاحب نے اصرار کیا کہ ایک رات تو ٹھہر جائیے۔ پھر دسترخوان بچھا۔ کھانا بہت پُر تکلف اور انواع و اقسام کا تھا۔ یہ حضرات پہلے خاطر کرتے ہیں، آدمی کو ممنون بناتے ہیں پھر سوال کرتے ہیں تاکہ جواب مرضی کے مطابق ملے۔ کھانے کے دوران انھوں نے پوچھا کہ حضورؐ عالم الغیب تھے یا نہیں؟ میں نے کہا پہلے غیب کی حقیقت سمجھ لیجئے کہ غیب کسے کہتے ہیں۔ غیب ایک اضافی چیز ہے۔ آپ اپنے گھر کے غیب کے عالم ہیں، میں اپنے گھر کے غیب کا عالم ہوں، آپ کے گھر کے اندر کی چیزیں آپ کے لئے شہود ہیں میرے لئے غیب۔ میرے گھر کی اندر کی چیزیں میرے لئے شہود ہیں، آپ کے لئے غیب' اس طرح ایک معنی میں آپ کو کچھ مغیبات کا علم ہے، مجھے بھی کچھ مغیبات کا علم ہے' پھر یہ بتائیے کہ حضور اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں یا خود پیدا ہو گئے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ اللہ نے آپؐ کو پیدا فرمایا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں تو آپ کی تمام صفات بھی خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ذات حادث ہو اور صفات قدیم

اس لیے آپؐ کی صفات اللہ کی صفات کی طرح قدیم نہیں، اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

دین کا فائدہ اسی وقت ہو گا جب اس پر صحیح طریقہ سے عمل ہو!

فرمایا — ہر چیز کا ایک ذہنی تصوّر ہوتا ہے ضروری نہیں کہ وہ حقیقت کے مطابق ہی ہو۔ کلکتہ کا نام آتے ہی ایک تصوّر آتا ہے۔ اکثر کلکتہ اس سے بالکل مختلف ثابت ہوتا ہے، اسی طرح مکۂ معظمہ کا نام آتے ہی ایک تصور ذہن میں آتا ہے۔ جب زیارت نصیب ہوتی ہے تو وہ اس سے بہت مختلف نکلتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا تصور لوگوں نے اپنے اپنے طور پر قائم کر رکھا ہے، مگر جب تک اللہ کی صحیح معرفت، اسکے صفات کا صحیح علم نہ ہو اس کا اثر مکمل طور پر کیسے مرتب ہو، میرے پاس ایک صاحب آئے، کہا "میرا بیٹا بہت بیمار ہے، چل کر دیکھ لیجئے"۔ میں نے کہا آپ کا بیٹا کون ہے؟ کہا "آپ نہیں جانتے؟" عنایت! میں نے کہا کہ خانصاحب میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ کہا آپ نے مجھ کو نہیں پہچانا، میں عنایت کا باپ ہوں! اسی طرح تعریف المجہول بالمجہول ہوتی ہے۔ اگر تعلیم و تبلیغ خدا کی صحیح معرفت اور اس کی ذات وصفات کے صحیح علم اور تعریف کے ساتھ ہو تو وہ اپنا صحیح اثر دکھاتی ہے۔ شریعت کے احکام اور قرآن شریف عمل کے لئے ہیں جب تک ان پر عمل نہ کیا جائے گا، ان سے فائدہ نہ ہو گا۔ ایک شخص نے مجھ کو عطر دیا کہ یہ ایک بہت نفیس اور قیمتی عطر ہے، دوسرے روز میں نے اس کو چکھا تو کڑوا تھا، میں نے کہا کہ کیا عطر دیا کہ کڑوا ہے۔ عطر کا تعلق قوتِ شامّہ سے ہے اور اس کا استعمال یہی ہے کہ اس کو لگایا جائے، اس کی خوشبو سے فائدہ اٹھایا جائے جب تک قوتِ شامّہ بیدار نہ ہو نظر سے یا ذائقہ سے وہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

دماغ صحیح اور ذہن صاف ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے

فرمایا — میں نے ایک کتاب میں مُنڈی کی تعریف دیکھی۔ مصنّف نے اس کے فوائد بہت سے گنائے تھے۔ اس کے فوائد گناتے گناتے یہاں تک لکھ دیا تھا کہ اس سے حضورؐ کی زیارت ہو جاتی ہے۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ مُنڈی کو زیارت سے کیا واسطہ؟ کچھ عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ منڈی سے خون کا تصفیہ اور دماغ کا تنقیہ ہو جاتا ہے اور چونکہ معاملہ دماغ کی صفائی کا ہے اگر دماغ صحیح اور ذہن صاف ہو جائے تو پھر زیارت بھی بعید نہیں۔

جو لوگ قرآن و حدیث کے ذریعہ صرف زبان سیکھتے ہیں ان کے دل سے قرآن مجید کی عظمت نکلجاتی ہے

فرمایا — مولانا سیّد سلیمان ندوی یہاں ایک دن بیٹھے ہوئے تھے میرے بچے عربی زبان کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے فرمایا کہ بلّی کتّے کے قصّے آپ پڑھا رہے ہیں؟ قرآن و حدیث کے ذریعہ زبان سکھائیے۔ میں نے کہا قرآن و حدیث کا یہ موضوع نہیں۔ قرآن شریف میں آتا ہے: فذکر بالقرآن من یخاف وعید[1]۔ جو لوگ قرآن و حدیث کے ذریعہ زبان سیکھتے ہیں اُن کے ذہن سے قرآن مجید کی عظمت نکل جاتی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ایک زبان کا نمونہ ہے۔ ہزاروں لاکھوں عرب عربی زبان کے بڑے ادیب ہیں اور ان پر قرآن و حدیث کا کوئی اثر نہیں۔

---

[1] پس یاد دہانی کرو قرآن کے ذریعہ (اُس کو) جو ڈرتا ہو وعید سے۔

ساتویں مجلس

۲۰ر شوال ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۱ر جنوری ۱۹۶۸ء ۱/۲ ۱۰ بجے تا ۱۲ بجے دن

آج اتوار ہونے کی وجہ سے حاضرین کی بڑی تعداد تھی۔ خانقاہ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، کم و بیش سو آدمیوں کا اندازہ ہے۔ حاضرین میں متعدد عمائدین شہر، جدید تعلیم یافتہ نوجوان اور ملازمین اور ایچ۔ ای۔ ایل افسران وغیرہ تھے۔

جو اہلِ دل تقریر نہیں کرتے وہ سراپا فیض اور مجسّم افادہ بن جاتے ہیں

گنے اور دوسرے درختوں کا وہ فرق بیان کرتے ہوئے جو ایک پچھلے ملفوظ میں آچکا ہے فرمایا جس طرح گنے کا پھل نہ ہونے کی وجہ سے حلاوت و شیرینی اس کے سارے جسم میں سرایت کر جاتی ہے اور وہ سراپا ثمر اور مجسّم حلاوت بن جاتا ہے، اسی طرح جو اہلِ دل تقریر نہیں کرتے اور زبان سے زیادہ کام نہیں لیتے وہ سراپا فیض و مجسّم افادہ بن جاتے ہیں۔

رونگٹوں کی دُعا

فرمایا — ایک مرتبہ ہمارے یہاں مزدور لگے ہوئے تھے میری عادت ہے کہ میں بھی کام کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو جاتا ہوں، اکثر تجربہ

ہوا ہے کہ ان غریب اور بے پڑھے آدمیوں کی گفتگو سے بعض مرتبہ کوئی بڑا نکتہ اور بڑے کام کی بات ہاتھ آجاتی ہے، چنانچہ میں بھی ان کے کام میں شریک ہوگیا۔ جب ان میں گھل مل گیا اور کچھ بے تکلفی ہوئی تو انھوں نے کہا باباجی، ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہو، میں اسی لیئے تو گھلا ملا ہوں، انھوں نے کہا کہ ہم فلاں جگہ کام کرتے تو ہم کو زیادہ مزدوری ملتی۔ میں نے کہا کہ تم اطمینان رکھو، یہاں مزدوری خاک نہ ملے گی، یہاں تو صرف دعائیں ملیں گی، شام کو جب چھٹی ہوئی تو میں نے ان کو حساب سے زیادہ اور ان کی توقع سے بڑھ کر مزدوری دی۔ اس پر وہ خوش ہو کر کہنے لگے، باباجی، ہمارا رونگٹا رونگٹا آپ کے لئے دعا کریگا میں نے کہا، یہی تو چاہیئے، زبان سے دعا کرنے سے رونگٹوں کا دعا کرنا کہیں بڑھ کر ہے زبان کی دعاؤں میں تو تصنع و ریاکاری بھی ہو سکتی ہے اور غفلت کا شائبہ بھی، لیکن اس میں خلوص کے سوا کچھ نہیں۔ میں ایسے ہی جملوں کا شائق رہا کرتا ہوں، ان سے بڑے بڑے سبق لیتا ہوں۔

اہل دنیا کو قرب و ترقی کے جو مواقع ہیں وہ اہل دین کو نہیں!

مجمع زیادہ تھا، جدید تعلیم یافتہ اور خوش پوش نوجوان بھی تھے۔ آپ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ حضرات ہم جیسے کو بزرگ اور خدا رسیدہ سمجھتے ہیں، حالانکہ آپ کے پاس بہت بڑی دولت ہے۔ آپ کو قرب اور ترقی کے جو مواقع حاصل ہیں ان سے ہم لوگ محروم ہیں، دیکھیئے اگر کسی کے پاس قربانی کے بہت سے جانور ہوں اور وہ ان کو راہ خدا میں قربانی کرے تو اس کا درجہ زیادہ ہو گا یا اس کا جس کے پاس نہ کوئی جانور ہو نہ وہ کوئی قربانی کر سکے؟ ایک شخص کے پاس بڑے فربہ اور تر و تازہ دنبے اور بکرے ہیں اور وہ ان کو سال بھر کھلاتا

اور پلاتا ہے اور عید الاضحیٰ میں ان کی قربانی کرتا ہے، ایک شخص کے پاس مریل بکری ہے جس کا پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا ہے، کس کو تقرب الی اللہ کا زیادہ موقع ہے؛ قربانی کے جانور اور فربہ دنبے، یہ معاصی اور عادات و مالوفات اور مرغوبات ہیں جن کی راہ خدا میں قربانی کی ضرورت اور احکام شریعت کے ماتحت کرنے کا موقع ہے۔ ہم لوگوں کی زندگی کا ایک لگا بندھا نظام ہے۔ ہم تو ایک ہی ڈگڈگی بجاتے رہتے ہیں۔ ہم معصیتوں کو چھوڑ کر اور اپنے مالوفات و مرغوبات کو قربان کرنے کے ذریعے کہاں یہ قرب و ترقی حاصل کر سکتے ہیں جو آپ کو ہر وقت میسر ہے، یہ بھی میں آپ کے نظریہ کو تسلیم کرکے کہہ رہا ہوں کہ آپ ہم کو پارسا اور پاکباز سمجھتے ہیں، ورنہ ہم سب گنہگار ہیں، لیکن آپ کے خیال کو صحیح مان کر میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کو جو دولت حاصل ہے وہ ہم کو حاصل نہیں اسی لئے تو انسان کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے کہ ذکر و طاعت کے سوا نہ کچھ جانتے ہیں نہ کچھ ان کے امکان میں ہے، لیکن انسان میں خواہشات ودلیعت کی گئی ہیں اور ان کی تکمیل کے ذرائع و مواقع بھی اس کو عطا کئے گئے ہیں، اس لئے اگر وہ اپنی خواہشات کی قربانی کرتا ہے اور اطاعت و عبادت کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کے درجہ کو فرشتے نہیں پہنچ سکتے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ	اور جو ڈرا اپنے رب کے حضور بیٹھنے
وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى	سے اور روکا اس نے اپنی خواہش
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔	کو تو بیشک اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

بے عمل تندرست اور بیمار عابد کی مثال

فرمایا — میں جب کسی تندرست جوان اور صحیح القویٰ آدمی کو دیکھتا ہوں جو بڑا

رشک آتا ہے، آپ کو عبادت کے کتنے مواقع حاصل ہیں، آپ چاہیں تو رمضان میں ایک قرآن مجید روزختم کرسکتے ہیں، پچھلے برسوں میں، میں کبھی تین، کبھی چار رمضان کو قرآن شریف ختم کرلیتا تھا، اس سال تو بیس کو ختم کرسکا، لیکن ان قویٰ کے ساتھ اگر کوئی طاعت نہ کرے اور اپنی مرغوبات اور معاصی کی قربانی نہ دے اور کوئی اپنے نحیف و نزار جسم کے ساتھ عبادت و مجاہدہ کرے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص کے یہاں خوب تیار دنبے مینڈھے ہوئے ہوں، اور وہ روز دال کھائے۔ اور ایک شخص کے یہاں کوئی جانور بھی نہ ہو اور وہ روز قورمہ قلیا اُڑائے، کون خوش قسمت ہے؟

قرآن مجید کے انعامی مقابلے اور معاوضے قرآن کی شان کے منافی ہیں!

مجمع میں متعدد حفاظ اور قرا موجود تھے، فرمانے لگے، ابھی کچھ روز ہوئے شہر کے ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ وہ حفاظ اور قاریوں کا ایک انعامی مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، اس میں وہ اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے اور اس میں ان کو انعامات دیئے جائیں گے، میں نے کہا کہ آپ کیا انعام دیں گے، کسی کو دس روپے، کسی کو پندرہ روپے، کیا یہ قرآن مجید کے ایک حرف پڑھنے کا بھی معاوضہ ہے؟ حدیثوں میں آتا ہے کہ قرآن مجید کے ایک ایک حرف پڑھنے کا ثواب تیس تیس نیکیاں ہیں اور یہ تیس بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں کے تیس ہیں۔ یہاں کے تیس نہیں، وہاں کے اوزان و مقادیر کو یہاں کے اوزان و مقادیر پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ کسی زمانے میں بھوپال کا سیر ایک سو بیس تولہ کا تھا اور ریاست کے باہر اسّی تولے کا سیر چلتا تھا۔ اب یہاں سیر بول کر دوسری جگہ کا سیر مراد نہیں ہوسکتا تھا۔

دونوں میں بڑا فرق تھا، پھر اللہ تعالیٰ اپنے شایان شان عطا فرماتا ہے، حاتم کا قصہ ہے کسی نے اس سے پانچ بتاشے مانگے۔ اس نے دو تھیلے بھرنے شروع کئے، کسی نے کہا کہ اس نے تو پانچ مانگے تھے۔ کہا وہ تو مانگنے والے کا حوصلہ تھا، یہ دینے والے کا حوصلہ ہے۔ یہ جب حوصلہ مند انسانوں کا حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی شانِ عطا کا کیا ٹھکانا،

خدا کے نام کا معاوضہ دینے والے کی مثال

فرمایا — ایک مرتبہ لکھنؤ میں ایک برادری کے چودھری مجھ سے بیعت ہوئے، بیعت ہونے کے بعد وہ گھر میں چلے گئے اور وہاں سے چند نوٹ لے آئے اور کہا، یہ آپ کے خرچ کے لئے ہے، میں نے کہا گھر میں اتنے ہی نوٹ ہیں یا اور بھی؟ انھوں نے کہا اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ میں نے کہا سب نقدی میرے حوالے کر دو، گھر کا قبالہ بھی مجھے دیدو اور تم سب بیوی بچے خط غلامی لکھدو، تم نے اللہ کا نام سیکھا ہے اور سب گناہوں سے توبہ کی ہے اور اس کے حکم ماننے کا عہد کیا ہے، اس کی قیمت یہی چند روپے ہیں؟ تمھیں اس موقع پر اس کا تصور ہی کیوں آیا کہ تم چند ٹکلیاں اس کے بدلے میں پیش کرو، کیا اللہ کے نام کی اور اس کے تعلق کی یہی قیمت ہے؟ اسی طرح بمبئی کے ایک سیٹھ تشریف لائے اور مہمان ہوئے۔ بیعت کے بعد کہنے لگے، اجازت ہو تو کچھ عرض کروں؟ میں نے کہا فرمائیے، کہنے لگے میں کچھ پیش کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا میں نے آپ کو جو کچھ دیا ہے اگر اس سے زیادہ قیمتی چیز آپ پیش کر سکیں تو بسم اللہ! فرمایا اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی سے پورا مکان خرید لے اور وہ سب پر تو قابض رہے، ایک کھونٹی اکھیڑ کر اسکے حوالے کر دے۔ خریدار اس کو کیا سمجھے گا؟ یا کوئی کسی کو اشرفیاں اور جواہرات دے اور وہ اس سے کہے شاید آپ کا چولھا نہ جلا ہو۔

میں آپ کی خدمت میں کنڈے (اُپلے) پیش کروں گا۔ یہ ان جواہرات کی قدر ہوئی یا ناقدری کلمہ کا مطلب کیا ہے، جس نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا، وہ اپنی ہر چیز سے دست بردار ہوگیا اور خدا کی نذر کردیا۔

خدا کا نام لینا ہنسی کھیل نہیں

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (بے شک اللہ نے خرید لیا ہے اہل ایمان سے ان کو اور ان کے اموال کو اس وعدہ پر کہ ان کا بدلہ جنت ہے)

فرمایا، خدا کا نام لینا آسان نہیں، ایک قصہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ ہر وقت اسم ذات ہی کا ورد کرتا ہے، ایک منٹ کے لئے اس کی زبان نہیں تھمتی اور ایک لمحہ بھی اپنے وقت کا ضائع نہیں کرتا، حضرت موسیٰؑ کو اس سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہوا جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ حضرت موسیٰؑ ہیں تو وہ بہت خوش ہوا اور کہا کہ مجھے عرصہ سے اللہ کے نبی کی زیارت کا اشتیاق تھا خوب ہوا کہ آج دیدار ہوگئے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے مناجات اور شرف ہم کلامی کا موقع ہو تو یہ دعا کر لیجیے گا کہ اللہ مجھے ایک بار اپنا نام لینے کی توفیق دیدے اور مرنے سے پہلے ایک مرتبہ وہ پاک نام لینا نصیب ہوجائے۔ حضرت موسیٰؑ کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ تو ہر وقت اللہ کا نام ہی لیتا رہتا ہے، اب اور کیا چاہتا ہے؟ غرض جب حضرت موسیٰؑ کو باریابی ہوئی اور ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، عرض کیا، خدایا تیرے فلاں بندہ نے مجھ سے یہ خواہش کی کہ میں تجھ سے عرض کروں کہ تیرا نام لینا نصیب ہوجائے، فرمایا، اچھا اس کی دعا قبول ہوئی، اس کو میرا نام لینا نصیب ہوجائے گا، جب حضرت موسیٰؑ اسکے پاس پلٹ کر آئے اور کہا تمھاری دعا قبول ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم کو نام لینا نصیب ہوجائیگا، بس اس پر اس نے ایک نعرہ لگایا، اور اللہ کا نام لیا اللہ کا نام لیتے ہی جان بحق تسلیم ہوگیا۔

حضرت موسیٰؑ کو بڑا تعجب ہوا اور بارگاہ الٰہی میں رجوع فرمایا، ارشاد ہوا کہ اسم سے مانوس تھا، مسمّیٰ تک نہیں پہنچا تھا، اب مسمّیٰ تک پہنچ گیا، حقیقت یہی ہے کہ پہلے کثافت کو دور کرتے ہیں، پھر حقیقت تک پہنچتے ہیں، پہلے تخلیہ ہوتا ہے، پھر تحلیہ، کسی کو نماز کے لئے کہا جائے اور اس کو بشری ضرورت کا تقاضہ ہو تو پہلے وہ اپنی ضرورت رفع کرتا ہے۔ یہ نماز ہی کی تیاری ہے۔

شیخ سعدی کا تصوّف

فرمایا کہ ـــــ تمام عارفین کا کلام سر آنکھوں پر، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت کا کیا کہنا! سب نے اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق علوم و معارف لکھے ہیں، لیکن مجھے شیخ سعدی کے کلام سے بہت نفع ہوتا ہے۔ پہلے تو خیال تھا کہ یہ میرا ہی تاثر ہے لیکن جب سے حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول دیکھا کہ شیخ سعدیؒ نے دو شعروں میں سارے تصوّف کا خلاصہ بیان کر دیا ہے، تو میرے خیال کی تقویت اور تائید ہو گئی اور مجھے سند مل گئی، وہ شعر یہ ہیں:ـــــ

مرا پیر دانائے مرشد شہاب ‏ ‏ ‏ دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش ‏ ‏ ‏ دوم آنکہ در کس تو بد بیں مباش

(سعدیؒ)

کپڑے صاف ہوں تو رنگ چڑھ سکتا ہے

شیخ سعدیؒ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ پہلے کپڑے دھونے کی تلقین کرتے ہیں، کپڑے دھلے ہوں تو جو چاہو رنگ چڑھا دو، چاہے سرخ، چاہے سیاہ، چاہے نیلا، چاہے کچھ اور، میلے اور سیاہ کپڑوں پر کوئی رنگ نہیں چڑھتا، ان دو شعروں میں بھی انھوں نے یہی تلقین کی ہے کہ دل کو کبر و غرور اور عُجب و خود پسندی سے اور دوسروں سے بدگمانی، بدبینی اور بغض و حسد سے پاک کر لو، جب دل اس طرح سے پاک و صاف ہو جائے گا تو اس پر

پر اصلاح و تزکیہ کا رنگ چڑھ جائے گا۔ فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ میں "الفرقان" میں آپ کے ملفوظات پڑھ کر بہت متاثر ہوا۔ مجھے پہلے بھی طریقہ نقشبندیہ سے عقیدت تھی، اور میں اسی سے منسلک ہونا چاہتا ہوں، میں نے جواب دیا کاش کہ آپ لکھتے کہ میں مسلمان بننا چاہتا ہوں، مسلمان بن جانا کپڑے کو دھو لینے کے مرادف ہے۔ جب آدمی مسلمان ہو گیا تو چاہے اس پر چشتیت کا رنگ چڑھا دیا جائے، چاہے نقشبندیت کا، مجھے یہ تعصب اور گروہ بندی بھی پسند نہیں، ان طریقوں میں بھی بڑی مغائرت پیدا ہو گئی ہے، چشتی کا دل نقشبندی سے نہیں کھلتا، نقشبندی کا چشتی سے، اسی طرح جب میں بعض کتابوں میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے مذہب میں اس طرح ہے، یعنی مذہب حنفی میں، تو مجھے یہ بات چبھتی ہے، چاروں مذاہب حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی ہمارے ہی ہیں، میں نے یہ بھی لکھا کہ یہ بھی ضعیف الاعتقادی کی بات ہے کہ کسی کے اقوال اور کلام کو دیکھ کر اتنی جلدی معتقد ہو جائے، اصل چیز زندگی اور عمل ہے، حکمت کی باتیں دوسرے مذاہب کی کتابوں میں بھی بہت ہیں۔

قطب صاحب دہلی کی حاضری

فرمایا کہ — میں ایک مرتبہ دہلی میں قطب صاحب گیا، میں ہمیشہ بزرگوں کے مزارات پر تنہا حاضر ہونا چاہتا ہوں، تاکہ فقیرانہ شان ظاہر ہو جس سے فائدہ ہوتا ہے، یہ مخدومیت و مشیخت کا موقعہ نہیں، لیکن لوگ نہیں مانتے، ایک ایک دو دو کر کے بہت سے آدمی ساتھ ہو گئے۔ وہاں خدام نے جب یہ جمگھٹا دیکھا تو سمجھے کہ یہ کوئی بہت بڑے صاحب سجّادہ اور شیخ طریقت ہیں، ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت کا کیا طریقہ ہے؟ میں نے کہا میرا طریقہ آپ پوچھتے ہیں، میرا طریقہ ہے ضرورت سے زیادہ بولنا، ضرورت سے زیادہ کھانا، ضرورت سے زیادہ سونا، میں اسی طریقہ میں مرید ہوں، پھر میں نے کہا کہ آپ اس

سے زیادہ اور آسانی سے سمجھ جائیں گے کہ میں ایک ایسا کتا ہوں جو کیچڑ میں لت پت ہے اسکو جس گود میں بٹھا دیجئے گا اسکو گندہ کر دیگا، اسی طرح جس طریقہ میں داخل ہونگا اسکو گندہ کر دونگا۔

مٹھائی کے ساتھ چٹنی بھی ضروری ہے

فرمایا کہ۔ یہاں ایک صاحب تھے مولوی لطف اللہ بڑے زاہد، تارک الدنیا، روپیہ پیسہ اپنے پاس نہیں رکھتے تھے اور پیسہ پر رات گزرنے نہیں پاتی تھی حضرت ابوذر غفاری کی دلیل دیا کرتے تھے، لیکن ان کے پاس تو روپیہ رہ بھی جاتا تھا، اور انتقال کے وقت بھی انھوں نے کچھ چھوڑا، لیکن یہ حضرت کچھ رکھنے کے بھی روادار نہ تھے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق تھا، جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا تو میں انہی کی پچ کرتا تھا کہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو اپنے ہی ہیں یہ غیر ہیں۔ ایک مرتبہ جماعت میں شریک تھے، انھوں نے اقامت کہنی شروع کی۔ اشہد ان محمداً رسول اللہ ایسی عجلت میں اور غیر واضح طریقہ کے ساتھ کہا کہ اچھی طرح الفاظ ادا نہیں ہوئے تھے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مڑ کر فرمایا، مولوی صاحب آپ عالم ہیں، ان الفاظ کو تو ذرا صفائی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے ان کو ناگوار ہوا اور کہنے لگے، میں اس سے اچھے طریقے پر نہیں کہہ سکتا، اس سے طرفین میں کچھ انقباض ہوا، والد صاحب کا تخاطب کم ہوا، انھوں نے اپنا بستر خانقاہ سے اٹھایا اور باہر چلے گئے، بس اتنی سی بات پر اتنے برہم ہوئے کہ اتنے پرانے تعلق کی بھی پرواہ نہ کی، اسی طرح جالنہ کی ایک مسجد میں ایک مولوی صاحب تھے، نور محمد نامی، ملتان کی طرف کے رہنے والے، پستہ قد تھے اور نہایت زاہد متقشف، قبرستان جایا کرتے تھے، جہاں کوئی خلاف شرع چیز سامنے آئی، خادم نے ذرا سا ہاتھ دبایا فوراً آنکھیں بند کر لیں کہ خلاف شرع چیز پر نظر نہ پڑنے پائے، ایک دن پڑھاتے پڑھاتے غصہ آیا، ایک طالبعلم

کو اتنا مارا کہ توبہ توبہ، یہ سب دماغ کی خشکی اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے اور دور بھاگنے کا نتیجہ ہے، ان حضرات کے واقعات کو دیکھ کر وہ حدیث سمجھ میں آئی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن حضرت عائشہؓ کو حبشیوں کا کھیل اور کرتب دکھائے اور آپ کبھی کبھی حضرت عائشہ کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ بھی فرماتے تھے اصل یہ ہے کہ مٹھائیوں کے ساتھ چٹنیوں کی بھی ضرورت ہے، حیات طیبہ اور صحابہ کرام کی زندگی میں مٹھائی کے ساتھ چٹنی بھی تھی جس سے طبیعت کا اعتدال اور مزاج کی شگفتگی باقی رہتی ہے، ان حضرات نے مٹھائیاں تو لے لیں، چٹنی چھوڑ دی، میں نے اکثر گوشہ نشین زاہدوں اور صحبت و اختلاط سے بچنے والوں کو غیر متوازی اور سنکا ہوا پایا، مٹھائی کے ساتھ چٹنی ضروری ہے، ورنہ معدہ خراب ہوجائے گا اور طبیعت اعتدال سے ہٹ جائیگی۔

روح کی تفسیر اور اس کی بلیغ مثال

فرمایا کہ — انسان کے جسم کی ساری قدر و قیمت روح سے ہے، روح نہیں تو انسان کا جسم بے قیمت اور بے حقیقت ہے " قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ " کی تفسیر میں لوگوں نے صفحے کے صفحے لکھے ہیں، لیکن مجھے تو ایک مثال سے اس کے معانی خوب سمجھ میں آئے سب سمجھتے ہیں کہ مجھے نوٹ سے دلچسپی ہے مگر مجھے نوٹ سے دلچسپی نہیں حکم سے دلچسپی ہے، اگر حکم ہوجائے کہ فلاں نمبر کے نوٹ بیکار ہیں تو نوٹ ردی کاغذ سے زیادہ نہیں۔ پھر نہ کوئی اسکو رکھے گا نہ کوئی اس کی حفاظت کرے گا۔ میں نے ایک صاحب سے کہا کہ میں ایسی ترکیب بتاؤں کہ تیرہ ہزار روپے تجوری میں رکھے ہیں اور قفل بھی نہ ٹوٹے اور چوری چلے جائیں۔ سب کو اس پر تعجب ہوگا، لیکن یہ بات بہت آسان ہے۔ حکم آجائے کہ فلاں نشان کے نوٹ بیکار ہیں، وہ نہیں چلیں گے، بس تجوری میں رکھے رکھے وہ نوٹ

بے جان اور بے قیمت ہو جائیں گے، گویا چوری چلے گئے، اسی طرح حکم صادر ہوا کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے اگر وہ آہنی برجوں اور بڑے بڑے قلعوں میں بھی ہوں تو لاشہ بے جان اور مٹی کا ڈھیر۔ اسی کو قرآن مجید میں کہا گیا ہے:۔

أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ	جہاں کہیں بھی تم ہو پالے گی تم کو موت اگرچہ
وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ	تم مضبوط برجیوں میں کیوں نہ ہو۔

تجوری میں نوٹ ہیں مگر بے قیمت کاغذ کا ڈھیر، آہنی برجوں اور سنگین قلعوں میں انسان ہیں مگر جسد بے جان اور خاک کا ڈھیر، دونوں میں کیا فرق ہوا؟

سلوک کبھی تمام نہیں ہوتا ہر منزل کے بعد ایک منزل ہے

فرمایا — مجھے یہ جملہ بہت چبھتا ہے کہ قرآن مجید ختم ہو گیا، فلاں کا سلوک ختم ہو گیا، فلاں کو خلافت مل گئی کہیں قرآن بھی کسی کا ختم ہوا ہے؟ اور سلوک بھی کبھی تمام ہوا ہے۔ کہنے والے نے صحیح کہا ہے کہ ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
واز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
منزل تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ما ہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

یہاں ترقی کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ ہر منزل کے بعد ایک منزل ہے۔ تمدنی ترقیات کا بھی یہی حال ہے۔ پہلے میٹھے تیل کا دیا جلتا تھا۔ ہمارے یہاں خانقاہ میں جب کوئی بہت معزز آدمی آنے والا ہوتا تھا تو دو بتیوں کا دیا جلاتے اور ہم بہت خوش ہوتے تھے کہ خانقاہ چمک اٹھی، پھر مٹی کا تیل نکلا اور گیس آئی اور پھر بجلی آئی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معرفت و سلوک کے ارتقاء کا ذکر کیا ہے، وہ وحدۃ الوجود کا انکار اور اس کے ماننے والوں پر طنز و تعریض نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں کہ یہ ایک مقام ہے جو سالک کو پیش آتا ہے اور میں بھی اس

پر مدت تک رہا ہوں۔ پھر اللہ نے اس سے آگے بڑھایا۔ اپنے پیر حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا بھی حوالہ دیتے ہیں اور حضرت شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی کو گواہ بناتے ہیں کہ شیخ بھی اس مقام پر تھے لیکن پھر اس سے آگے بڑھ گئے اور حضرت مجددؒ کے کلام کی تصدیق فرمائی، سلوک ایک بے نہایت اور بے پایاں چیز ہے، ہر شخص بقدر ظرف اور بقدر حوصلہ اس سے حصّہ پاتا ہے اور اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، کسی ہندی شاعر نے خوب کہا ہے:

مصری کا پربت بھیو چیونٹی لے لے جائے
ان منکھ اپنا بھرلو پربت لٹے نہ جائے

قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ

اور اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور سمندر سیاہی ہو اور اس کے بعد سات سمندر اور سیاہی بن جائیں تو اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔

آٹھویں مجلس

۲۱؍ شوال ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۲؍ جنوری ۱۹۶۸ء ۱۱ تا ۱۲½ بجے دن

خانقاہ شریف، حاضرین بدستور

سب سے اہم وظیفہ یہ ہے کہ اعمال ریا سے خالی ہوں

راقم السطور ذرا تاخیر سے حاضر ہوا، عرض کیا ہم لوگ قصداً تاخیر سے حاضر ہوتے ہیں تاکہ حضرت وظائف و معمولات سے باطمینان فارغ ہو جائیں اور کچھ آرام فرمالیں۔ ارشاد ہوا کہ میرے وظائف کیا، اُم الوظائف تو یہ ہے کہ اعمال ریا سے خالی ہوں، خالق سے نظر ہٹ کر مخلوق پر جم جانا بلکہ مخلوق کا وجود ہی تسلیم کرنا شرک ہے اور یہی وہ شرک ہے جس کو رات کی تاریکیوں میں چیونٹیوں کے رینگنے سے زیادہ دقیق اور نازک بتایا گیا ہے بزرگوں کی خدمت میں بیٹھ کر یہی معلوم ہوا کہ سب سے بڑی بات یہی ہے کہ اپنے سے بھی بے نشان ہو جائے اور دوسروں سے بھی۔ جہاں یہ یہ خیال آیا کہ میری تقریر کا حاضرین پر کیا اثر پڑا، بس ریا آیا، تخیل کے بال برابر سرک جانے سے سیکڑوں میل راستے کا فرق پڑ جاتا ہے۔ تخیل بہت لطیف اور نازک ہوتا ہے لیکن ساری زندگی کے جہاز کو وہی چلاتا ہے، ایک بچہ ریل گاڑی کے بھاری بھاری پہیوں کو دیکھتا ہے، اپنے باپ سے پوچھتا ہے کہ ان بڑے بڑے پہیوں کو کون سی طاقت چلاتی ہے، وہ کہتا ہے، بیٹا، کبھی

سردی میں لحاف میں منہ ڈھانپ کر دیکھا ہے؟ دیکھا ہے کہ منہ سے کوئی گرم گرم شئے نکلتی ہے؟ بیٹا کہتا ہے کہ ہاں، باپ کہتا ہے کہ یہی بھاپ یا اسٹیم پورے جہاز یا پوری ریل گاڑی کے پہیوں کو حرکت دیتی ہے، کپتان یا ڈرائیور اس لطیف اور نازک بھاپ کی بڑی نگہداشت رکھتا ہے یہ ہلکی ہو جائے تو نقصان پہنچے، تیز ہو جائے تو خرابی پیدا کرے، بس ہر وقت اس کو اعتدال اور نظم میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

جو چیز مفت مل جاتی ہے اسکی قدر نہیں ہوتی

فرمایا۔ جو چیز مفت مل جاتی ہے اس کی قدر نہیں ہوتی، بڑے بڑے معارف اور حقائق بے محنت و مشقت مل جائیں تو ان کی وقعت ہی نہیں رہتی اور محنت کر کے یہی پانی جو بہا پھرتا ہے حاصل ہو تو اس کی بھی قدر اور حفاظت ہوتی ہے۔ منے میاں (صاحبزادہ) بڑی محنت اور اہتمام سے کنواں کھدوا رہے تھے، کئی بار اس میں مٹی آچکی تھی، صاف اور میٹھا پانی نکلا۔ اس کو شیشی میں رکھ کر بڑے تحفے کے طور پر لائے اور مجھے دیا، قرآن مجید میں کیسے کیسے علوم و معارف بیان کئے گئے ہیں کوئی ان کے لئے مشقت نہیں اٹھاتا اور قدر نہیں کرتا، ابھی کوئی کہہ دے کہ فلاں مکان میں جو کھنڈر ہو گیا ہے خزانہ گڑا ہوا ہے، تو لوگ اس زمین کو خرید لیں گے اور دفینہ برآمد کریں گے۔ اس پر آپ نے حضرت ابن سیرین کی تعبیر کے واقعات سنائے قرآن مجید میں بالکل ابتدا ہی میں کتنی بڑی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ ذٰلِکَ الکتاب لاریب فیہ" آپ کے پاس کسی خوشی یا غمی کا تار آتا ہے، اگر خوشی کا تار ہے تو سارے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے، اگر غم کی کوئی اطلاع ہوتی ہے تو سارے گھر پر اداسی چھا جاتی ہے، حالانکہ "تار" اطلاع ہے واقعہ نہیں، لیکن آثار و قرائن سے اس خبر پر یقین پیدا ہو جاتا ہے، پھر اللہ کی دی ہوئی اطلاعات اور قرآن کے علوم و معارف میں کیا شک ہے؟

نماز کبھی پُرانی نہیں ہوتی

فرمایا۔ ہماری عبادتیں بھی عادتیں بن گئی ہیں، نماز کا وقت آیا نماز پڑھ لی، روزہ کا زمانہ آیا روزہ رکھ لیا۔ عبادت یہ ہے کہ نفع کا یقین اور اجر کا اشتیاق ہو، دیکھئے منی آرڈر لانے والے کا کس طرح استقبال کیا جاتا ہے اور کس طرح اس کے لئے راحت و آرام کو قربان کیا جاتا ہے، میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ تہجد کے لئے بیدار ہوئے تو کہا چائے لاؤ، میں نے کہا یہ بھی ایک طرح کا انجکشن ہے نماز کے لئے نشاط اور تازگی پیدا کرنے کے لئے کسی مدد کی ضرورت نہیں، فرمایا نماز کبھی پرانی نہیں ہوتی، ہر دن کی نماز نئی نماز ہے۔ جو نماز کل تھی وہ آج نہیں، اسی طرح ہر نماز نئی ہے اور ہر ذکر نیا، اگر محبت اور نفع کی امید ہو تو ہر روز نئی بات، ہر روز نیا چہرہ، فضل الرب (صاحبزادہ) بیمار تھا، میں نے اسکو دیکھا بالکل نیا چہرہ معلوم ہوا، برسوں سے میرے پاس منی آرڈر آتے ہیں لیکن منی آرڈر لانے والا ڈاکیہ ہر روز نیا معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید کا بتایا ہوا تھرمامیٹر

انس و محبت وہ چیز ہے کہ مانوس اور محبوب کا نام آتے ہی نبض تیز ہو جاتی ہے، مولانا رومؒ نے مثنوی میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ ایک عورت پر عاشق ہوا، اس نے اس سے شادی کر لی اور محل میں لے آیا، کچھ دنوں کے بعد وہ عورت بیمار ہوئی اور کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔ شاہی حکماء نے ہزار تدبیریں کیں، کوئی راس نہ آئی، مرض بڑھتا ہی گیا، آخر بادشاہ نے درباری طبیبوں کو دھمکایا اور کہا کہ اگر علاج سے فائدہ نہ ہوا تو میں سب کے منصب اور تنخواہیں بند کر دوں گا، جب مجھی کو تمھاری حذاقت کام نہ آئی تو وہ کس دن اور کس کے لئے ہے؛ حکماء بہت گھبرائے ایک تجربہ کار حکیم نے بادشاہ سے کہا کہ میں تخلیہ میں مریضہ کی نبض دیکھنا اور اس سے باتیں کرنا چاہتا ہوں، بادشاہ نے اجازت دے دی، حکیم نے باتوں باتوں میں

اس کا وطن، شہر، خاندان وغیرہ پوچھا، پھر محلوں اور وہاں کے رہنے والوں کے نام لینا شروع کئے اور نبض پر ہاتھ رکھے رہا، آخر جب ایک زرگر کا نام آیا تو عورت کی نبض تیز ہو گئی اور زور زور سے چلنے لگی، حکیم نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ یہ عورت فلاں زرگر پر عاشق ہے، قصہ تو اس کے بعد بھی چلتا ہے، لیکن میرا مدعا اسی سے حاصل ہے، قرآن مجید نے یہی تھرمامیٹر ہم کو دیا ہے، فرمایا،

انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم اٰیاتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون

وجلت قلوبھم کا بلیغ ترجمہ

وجلت قلوبھم یعنی ان کی نبض تیز ہو جاتی ہے اور دل کی دھڑکن بڑھ جاتی ہے کہ ان کو اس نام کی لذت حاصل ہے اور اس ذات سے عشق ہے "اذا تلیت علیھم اٰیاتہ زادتھم ایمانا" یعنی ان کو نیا لطف اور نیا ذوق حاصل ہوتا ہے، اسی لئے کہتا ہوں کہ ہر نماز نئی ہوتی ہے اور ہر بار کا ذکر نیا ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی دلربائی و دلفگاری

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور صفات ایسے دلفریب اور دلربا ہیں کہ ان کا ذکر کرنے سے نبض کی حرکت تیز ہی نہیں ہوتی، بلکہ عجب نہیں کہ نبض پھٹ جائے اور جگر شق ہو جائے، اگر قبرستان میں پڑھی جائے تو مردے کفن پھاڑ کر باہر آجائیں۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

---

[1] اس آیت میں اہل ایمان کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جب اللہ کا ذکر ہو اور کلام الٰہی پڑھا جائے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ (الفرقان)

هو الله الذی لا الٰہ الا ھو	وہ اللہ جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی جانتا
عالم الغیب والشھادۃ ھو	ہے چھپا اور کھلا، وہ ہے بڑا مہربان رحم
الرحمن الرحیم ہو الله الذی	والا۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں
لا الہ الا ھو الملك القدوس السلام	صاحب اقتدار، پاک ذات، مجسم سلامتی، امان
المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر	دیتا، پناہ میں لیتا، زبردست دباؤ والا، صاحب
سبحٰن الله عما یشرکون ہو الله	عظمت۔ پاک ہے اللہ اس سے جو شریک بناتے
الخالق البارئ المصور له الاسماء	ہیں، وہ اللہ ہے، بنانے والا، نکال کھڑا کرتا، صورت
الحسنیٰ یسبح لهٗ ما فی السموٰت	کھینچتا، اس کے ہیں سب نام خاصے اس کی پاکی
والارض وھو العزیز الحکیم	بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمینوں میں، وہی ہے
	زبردست حکمت والا۔

کوئی ٹھکانا ہے ان کے حسن و جمال اور لطف و اثر کا۔

اہل قبور کی حسرت میں قبرستان میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے گھبراتا ہوں (علاوہ ان آیات کے جن کی تعلیم دی گئی ہے) کہ معلوم نہیں مردوں پر کیا گزرے ان کو کیسی کیسی حسرتیں ہوں گی کہ ہماری سلطنت پر اغیار کا قبضہ ہے، جو چیزیں ہماری ملکیت میں تھیں وہ دوسروں کی ملکیت میں ہیں، ہم خدا کا نام لے سکتے تھے، ذکر کر سکتے تھے، ہم قرآن پڑھ سکتے تھے آج بالکل مجبور و معذور ہیں، ان کو کیسی تڑپ اور بے چینی ہوتی ہوگی۔ آج وہ ایک بار کلمہ پڑھنے سے بھی عاجز ہیں، اور ترستے ہیں کہ ایک بار کلمہ کا یا ایک آیت کی تلاوت کا ثواب کوئی ان کو پہنچا دیتا۔

قصہ ہے کہ ایک بادشاہ خاصۂ شاہی تناول فرما رہے تھے، ایک پہرہ دار کھڑا تھا،

اس میں ایک دم سے اضطراری کیفیت پیدا ہوئی اور وہ اس طرح تڑپ گیا جیسے بجلی کوندے
بادشاہ نے اسکی تڑپ دیکھی اور کہا کیا بات ہے؟ اس نے بہت سی باتیں بنائیں اور
کہا کہ مجھ پر کبھی کبھی ایک بیماری کا دورہ پڑتا ہے، بادشاہ نے کہا نہیں، سچ سچ کہو ہم لوگ
قیافہ شناس اور تجربہ کار ہوتے ہیں، یہ بیماری نہیں کچھ اور بات ہے، زیادہ اصرار کرنے
پر اس نے بتایا کہ میں بھی کسی وقت میں بادشاہ تھا اور میں بھی کبھی اسی طریقہ سے خاصہ تناول
کرتا تھا اور چوبدار و غلام اسی طرح کھڑے رہتے تھے۔ وہ منظر یاد کر کے میرے اندر بجلی سی کوند
گئی، بادشاہ نے اس کا امتحان لیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ شاہی کھانوں کا ذائقہ شناس ہے
اور ان باریکیوں کو جانتا ہے، جب بادشاہ کو اس کی تصدیق ہوگئی تو اس نے اس کو اپنے ساتھ
شاہی دسترخوان پر بٹھایا اور شریک طعام کیا۔ ایک دوسرا پہریدار یہ منظر دیکھ رہا تھا، اس نے
کچھ عرصہ کے بعد یہی سوانگ بھرا اور ایسی ہی اضطراری کیفیت اس نے اپنے اندر تکلفا
پیدا کی، بادشاہ نے اس کا بھی امتحان لیا، جب معلوم ہوا کہ مدعی جعلساز ہے تو اس کو
ذلیل کر کے نکال دیا، بس جس طرح سے اس پہرہ دار کے اندر جو کبھی بادشاہت کرتا تھا، یہ
شاہانہ منظر دیکھ کر حسرت و بیقراری پیدا ہوئی اور اس کو اپنا پرانا زمانہ یاد آ گیا، اسی طرح ان
اہل قبور کو اپنا وہ پرانا زمانہ یاد آجاتا ہے جب وہ بھی اللہ کا نام لینے، قرآن شریف کی
تلاوت کرنے اور ذکر و عبادت کے قابل تھے، وہ بے چین ہو جاتے ہیں۔

جب ایوان شاہی کے ذکر کا یہ اثر ہوتا ہے تو بارگاہ خداوندی کے ذکر کا کیا اثر ہونا چاہیئے

فرمایا — میں نے بھوپال میں تین دور دیکھے ہیں، ایک دور تھا جب یہاں شاہجہان بیگم
صاحبہ کی حکومت تھی، اس وقت جب کوئی کہتا تھا کہ ہم

شاہجہاںؔ[1] آباد جارہے ہیں تو چہرہ خوشی سے چمک جاتا تھا، پھر سلطان جہاں بیگم صاحبہ کا دور آیا، اس وقت جب کوئی کہتا تھا کہ ہم احمد آباد[2] جارہے ہیں تو آنکھوں میں چمک محسوس ہوتی تھی، پھر یہ دور دیکھا کہ محمود علی خاں، محفوظ علی خاں خانقاہ میں عید ملنے آتے اور کہتے کہ ہم شملہ کوٹھی[3] جارہے ہیں تو چہرہ پر بشاشت ظاہر ہوتی تھی کہ حکمراں کے نام اور اس سے نسبت رکھنے والی چیزوں کا یہ اثر ہوتا ہے تو پھر خدا کے نام اور اس سے نسبت رکھنے والی چیزوں کا مومن پر کیا اثر ہونا چاہیئے۔

قرآن مشیخت اور بزرگی کی نفی کرتا ہے

فرمایا — قرآن مجید مشیخت اور بزرگی کی نفی کرتا ہے وہ سب کو بندہ اور خدا کا محتاج ثابت کرتا ہے، وہ صاف اعلان کرتا ہے

یا ایہا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمیدؐ	اے لوگو! تم محتاج ہو اللہ کی طرف اور اللہ وہی بے نیاز ستودہ صفات ہے

اسی لئے خانقاہوں میں قرآن مجید کے بجائے تصوف کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں وہاں کسی کو قدوۃ السالکین کسی کو زبدۃ العارفین کا لقب دیا جاتا ہے اور کوئی مرشد کے قدم لیتا ہے، وہاں جب یہ شعر پڑھے جاتے ہیں تو ساری مجلس جھوم جاتی ہے۔

---

[1] بھوپال کا وہ محلہ جہاں شاہجہاں بیگم صاحبہ کے زمانے میں حکومت کے دفاتر تھے اور جہاں دربار ہوتا تھا۔

[2] سلطان جہاں بیگم صاحبہ کے زمانہ کا دارالحکومت، یہ محلہ بیگم صاحبہ کے شوہر نواب احمد علیخاں معروف بہ سلطان دولھا کے نام پر موسوم تھا۔

[3] شملہ کوٹھی سلطان جہاں بیگم صاحبہ کے صاحبزادہ جنرل عبید اللہ خاں صاحب کی رہائش گاہ جہاں ان کے دونوں بیٹے سعید میاں اور رشید میاں رہتے تھے، یہ جگہ بھوپال میں شملہ پہاڑی پر واقع ہے۔

اے کہ کردی ذات مرشد را قبول | ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول
در بشر روپوش آمد آفتاب | فہم کن واللہ اعلم بالصواب

ریت کے ذرّے یا پتھر کی چٹان

فرمایا — ایک دن حاجی فضل الرحمٰن صاحب جامع مسجد میں جمعۃ الوداع کی نماز پڑھ کر آئے اور کہنے لگے کہ آج جامع مسجد میں بہت آدمی تھا، میں نے کہا کہ ریت کے ذرّوں کی طرح تھے یا پتھر کی طرح؟ ریت کے ذرّے تو ہوا کے جھونکوں سے ایک سمت سے دوسری سمت کی طرف اڑتے رہتے ہیں۔ میں نے ۱۳۲۲ھ میں پہلا حج کیا۔ میں جدہ اور مکہ کے راستہ میں دیکھتا تھا کہ کبھی ریت کا پہاڑ راستہ کے دائیں طرف کھڑا ہے، کبھی بائیں طرف، جدھر کی ہوا ہوتی ریت اسی طرف چل دیتی، لیکن جب یہ ذرے ایک دوسرے سے پیوست ہو جاتے ہیں تو پتھر کا ایک ٹکڑا ہو جاتا ہے جو اگر کسی کے منہ پر مار دیا جائے تو کام تمام کر دے۔ اسی کو کہا گیا ہے:

کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين ؁

کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو غالب آئیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

موت گھبرانے کی چیز نہیں

فرمایا — مجھ پر کئی مرتبہ موت کی سی کیفیت طاری ہوئی کئی مرتبہ مر مر کر بچا، بعض مرتبہ گھر والے بالکل مایوس ہو گئے۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ ذہول کی حالت میں زور زور سے کلمہ پڑھا جائے تاکہ اس غفلت اور بیہوشی میں بھی سنا جائے۔ ایک مرتبہ ایسی ہی حالت تھی تیمار دار مایوس ہو رہے تھے۔ حکیم ضیاء الحسن صاحب[1] آئے، انھوں نے نبض دیکھی تو کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، میں نے

---

[1] بھوپال کے مشہور طبیب افسر الاطباء حکیم ضیاء الحسن صاحب مرحوم

کہا کہ موت بھی کوئی گھبرانے کی چیز ہے، جو موت سے گھبرایا اس نے لکھا پڑھا سب غارت کیا اور ساری عمر کی محنت پر پانی پھیر دیا۔ گھبرانے کی معصیتیں اور گناہ ہیں، گھبرانے کی چیز تو یہ شادیاں ہیں جن میں خدا اور رسول کو گھر سے رخصت کر دیا جاتا ہے اور قرآن و حدیث کو طاق پر بٹھا دیا جاتا ہے، من مانی کی جاتی ہے۔

دو چیزیں پہلے عبادت تھیں اب صرف رواج اور عادت ہیں

فرمایا — دو چیزیں بڑی عبادت تھیں، ایک نکاح، ایک کھانا، اب دونوں میں سے دین و شریعت کے احکام اور ایمان و احتساب کی روح نکل گئی، کھانے کی یہ اہمیت و عظمت اور اس کا عمل عبادت ہونے کا تصور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے یہاں دیکھا۔ میں ایک دن دوپہر کے کھانے میں شریک تھا، ایک صاحب آئے ہوئے تھے جن سے ان کے سلسلہ اور مشائخ کے تعلقات تھے۔ انھوں نے کھانے میں کسی مقدمے یا عدالتی قصّہ کا ذکر چھیڑا، فرمایا ابھی کھانا کھائیے پھر سنیں گے۔

خدا کی ناقدری

فرمایا — ایک بڑی بی والد صاحب کے پاس اکثر آتی تھیں اور اپنا دکھڑا روتی تھیں۔ ہمیشہ رام کہانی سناتی تھیں۔ ایک ایسی ہی رام کہانی سنانے لگیں اور بہت ہی تکلیفیں اور پریشانیاں بیان کر کے کہنے لگیں یہ نہیں ہے وہ نہیں ہے کہنے لگیں میرا تو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے، میں نے کہا کہ آپ نے خوب کہا۔ مجھے بادشاہ اپنی گود میں بٹھالے اور میں ہزاروں شکایتیں کر کے کہوں کہ میرا تو بادشاہ کے سوا کوئی نہیں، یہ بادشاہ کی تعریف ہوئی یا ہجو؟

نویں مجلس

۲۲ر شوال ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۲ر جنوری ۱۹۶۸ء
خانقاہ شریف بھوپال

استعداد ہر شخص کے اندر موجود ہے صرف اسکو ترقی دینے کی ضرورت ہے

فرمایا ـــــ اس فضا میں فیوض ہر طرح کے موجود ہیں، فیوض ہی نہیں میں تو کہتا ہوں وجود بھی ہر طرح کے موجود ہیں لیکن ان فیوض کے ادراک اور ان سے استفادہ کرنے کے لئے استعداد اور اس حاسہ کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے جس سے ان کا تعلق ہے۔ قوت سامعہ سب کو ملی ہے لیکن اس سامعہ کے اندر ایک اور سامعہ ہے جو اگر بیدار نہیں ہو تو بہت سے اصوات اور مسموعات کا ادراک نہیں کرسکتا، اس قوت اور اس کے مدرکات کے درمیان ایک رابطہ کی ضرورت ہے۔ اگر وہ رابطہ موجود ہے تو وہ قوت ان کو اخذ کرلے گی ورنہ اس کو ان کا ادراک بھی نہیں ہوگا۔

جس طرح آوازیں فضا میں محفوظ ہیں اسی طرح استعدادیں نفس انسانی میں

دیکھئے آوازیں ہمیشہ سے فضا میں موجود تھیں لیکن جب تک وہ رابطہ پیدا نہیں

ہوا ان کا کسی کو بھی احساس نہ تھا اور نہ کوئی ان کو سنتا تھا۔ اب آپ یہاں بیٹھے بیٹھے کراچی کی، مکہ کی، اور لندن کی آوازیں سنتے رہتے ہیں۔ یہ حاسہ سب کو ملا ہے، صرف بیدار کرنے نہ کرنے، ترقی دینے نہ دینے کا فرق ہے، اسی کو لوگ بزرگی اور ولایت سمجھنے لگتے ہیں۔ ایک شخص آپ کے سامنے انگریزی کا خط فر فر پڑھتا چلا جاتا ہے، آپ انگریزی پڑھے ہوئے نہیں ہیں، آپ اس کو کرامت یا بزرگی سمجھنے لگیں گے کہ آپ دو لفظ نہیں پڑھ سکتے، آپ کو معلوم نہیں اس میں کیا لکھا ہوا ہے اور وہ سبق کی طرح اس کو سناتا چلا جاتا ہے، لیکن اگر آپ بھی اس علم کو سیکھ لیں اور اس حاسہ کو بیدار کرلیں تو آپ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ولایت اور بزرگی کے جن کمالات کا ذکر ہم سنتے ہیں ان سب کی استعداد عام مسلمانوں میں موجود ہے، صرف نبوت شرفِ صحابیت اور اسی طرح تابعی ہونے کی سعادت اس زمانہ میں ممکن نہیں کہ ان کا ایک زمانہ پر اختتام ہو چکا ہے، باقی سب ممکن ہے، البتہ استعدادیں مختلف ہیں، یہ ضروری نہیں کہ جو مرتبہ حضرت مجدد صاحب کو حاصل ہوا وہ آپ کو حاصل ہو جائے، استعدادوں کا تفاوت برحق ہے۔

ولایت ذاتی ہے اور گناہ عارضی

لوگوں کی عادت ہے کہ ایک کو بزرگ مان لیتے ہیں اور اسی سے دعا کراتے ہیں، باقی نہ اپنے کو دعا کے قابل سمجھتے ہیں نہ عام مسلمانوں میں کوئی بزرگی مانتے ہیں، میں تو سمجھتا ہوں کہ گناہگار مسلمانوں میں بھی اثر و قبولیت ہے، ولایت ہر مسلمان کے لئے ذاتی ہے اور گناہ عارضی، اللہ نے تو بزرگ ہی پیدا کیا، ہم شیطان ہو گئے۔ دیکھئے جب ہم بچے تھے تو گناہوں سے معصوم ولی قطب سب تھے۔ بڑھ کر شیطان ہو گئے، مگر یہ عارضی چیز ہے۔ مسلمانوں نے ہر چیز میں تقسیم کر رکھی ہے، امامت کے لئے بھی وہ کسی کو مخصوص کر دیتے ہیں۔ حالانکہ امامت بھی کسی کے ساتھ مخصوص نہیں، ہر مسلمان امامت کر سکتا ہے، مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ایک شخص کو

امامت کیلئے نوکر رکھ لیا جائے اور وہی نماز پڑھاتا رہے، یہ کیسا امام و مؤذن ؟ ہر ایک امام و مؤذن ہے۔ اسی طرح دعا ہر مسلمان کرسکتا ہے اور اسکی دعا سے بڑے بڑے کام ہو جاتے ہیں۔ پیر صاحب ہی دعا کرنے کیلئے نہیں ہیں تم بھی ہو۔

دعا کی قبولیت کے لئے بزرگی شرط نہیں دل شکستگی شرط ہے

یہاں ایک معزز آدمی تھے ریاست کے انضمام کے بعد بہت سے معزز مسلمانوں پر دارو گیر ہوئی، ان پر بھی چیف کمشنر صاحب نے ایک مقدمہ قائم کر دیا، بیچارے نماز روزہ اور ذکر و تلاوت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے تھے، ایک حافظ صاحب کو لیکر میرے پاس آئے اور کہا کہ مجھ پر مقدمہ قائم ہو گیا ہے آپ جو کچھ بتائیں ان حافظ صاحب کو بتا دیجئے یہ پڑھ لیں گے، میں نے کچھ پڑھنے کو بتا دیا۔ کئی روز پڑھتے ہوئے ہو گئے کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ ایک دن انھوں نے ان حافظ صاحب کو موٹر پر بٹھایا اور جنگل میں لے گئے اور کہنے لگے کہ تم اتنے دن سے اللہ کا کلام پڑھ رہے ہو، ابھی تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا، میں یہ نہیں مان سکتا کہ اللہ کے کلام میں اثر نہ ہو، اللہ کا کلام اور اس سے ابھی تک نتیجہ نہ نکلے یہ ممکن نہیں! اب میں تم سے صاف صاف کہتا ہوں کہ اگر میں چھوٹا تو میں تمھارے قیلتے قیلتے کر دوں گا، میں نے معلوم نہیں کتنے خون کئے ہیں، میں تمھاری بوٹی بوٹی کر کے کسی کنوئیں میں ڈال دوں گا، کسی کو پتہ نہ چلے گا، اب تم جانو تمھارا کام! وہ گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور قصہ سنایا، میں نے کہا کہ اب تم اپنی فکر کرو، میں کچھ نہیں جانتا، بہرحال انھوں نے اس بے قراری میں جو کچھ دعا کی ہو، وہ رئیس صاحب صاف بری ہو گئے۔ مجھے تو ان کے یقین اور ایمانی قوت کا لطف آیا کہ خدا کا کلام اور اس کے پڑھنے سے کچھ نہ ہو، نہیں ہو سکتا۔

جب فتوحات کے دروازے بند ہو جائیں اسوقت تنگداری بڑی قابل قدر ہے

فرمایا: کہ تنگی

کا وقت بڑی برکت کا ہوتا ہے۔ انقباض کا وقت انشراح کے وقت سے بہتر ہے، انشراح کی حالت میں عبادت بلا تکلف اور فطرۃً ہوتی ہے، انقباض کے وقت جب فتوحات کے دروازے بند ہو جائیں بندگی اور وفاداری بڑی مردانگی ہے اور اس کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔ اگر کوئی کسی کا خیال کرے اور وہ اس کا دم بھرے، یہ تو ایک قدرتی بات ہے، اس وقت کی عبادت و خدمت خلوص سے نہیں ہوتی، جو شخص اس موقع پر اپنے محسن کی خدمت کرے تو اس کو ذات سے محبت نہیں انعامات و عطا سے محبت ہے اور جب نظاہر نگاہ پھر جائے تو اس وقت جو محبت کا دم بھرے تو یہ محبت ذاتی ہے، محبت ذاتی میں دوام ہے، پختگی ہے، ثبات و استقامت ہے، خلوص تو یہ ہے سب بند کر دو، پھر بھی دروازہ نہ چھوڑیں گے، حافظ فرماتے ہیں ؎

ہنگام تنگ دستی در عیش کوش و مستی
کیں کیمیائے ہستی قاروں کند گدا را

یہ دور پریشانی کا نہیں فرحت کا دور ہے لوگ کہتے ہیں کہ اسلام پر بڑا نازک وقت آیا ہے، مسلمانوں پر بڑی پریشانی کا دور ہے، میں کہتا ہوں بڑی فرحت کا دور ہے، اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہر وقت فرحت ہی کا زمانہ ہے، دیکھئے اسلام کی تاریخ میں جنگ احد سے زیادہ کوئی سخت وقت نہیں آیا، ستّر جلیل القدر صحابی شہید ہوئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مُثلہ کیا گیا، دندانِ مبارک شہید ہوئے، چہرۂ مبارک پر ایسے گہرے زخم آئے کہ حضرت فاطمہ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ بھری، ان سب کے بعد ابو سفیان اور حضرت خالد نے جو اس وقت کفار کے قائد تھے للکارا کہ ابھی کیا ہوا ہے ایک اور فوج آ رہی ہے وہ تمھارا رہا سہا کام

تمام کرے گی، لیکن اس حالت میں صحابۂ کرام کے ایمان و یقین اور فرحت و انبساط میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ اضافہ ہوا، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ[1]۔ یہ جرمنی ایمان ہے جاپانی نہیں، جب ٹکر لگی تو معلوم ہوا کہ کتنا پختہ ہے۔ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ اس کو کسی نے پچھاڑ دیا اس کے سینے پر سوار ہوگیا اور چھرا نکال کر اس کو دکھایا کہ اب تیری مدد کون کرے گا اور تجھے اس وقت کون بچا سکتا ہے، اس نے کہا اللہ، چنانچہ ایک تیر پیچھے سے آیا اور وہ شخص گرا مسلمان نے اس کا چھرا لے کر اس کو ذبح کر دیا، اس طرح کے واقعات تاریخ اسلام میں بہت آئے ہیں، یہاں تو یہ حال ہے کہ جدھر کی ہوا چلی ادھر کو مڑ گئے۔

شریعت کی کسوٹی سب سے زیادہ ضروری

فرمایا کہ۔۔ وظائف و اذکار سے بعض مرتبہ فتوحات کا دروازہ کھلتا ہے، اس وقت یہ دیکھنے کی بات ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام، شریعت کا حکم ہے یا نہیں، اگر اس امتحان میں پورا اترا تو پھر اللہ کی مدد ہوتی ہے اور دروازہ کھل جاتا ہے۔ دہلی میں ایک زرکوب تھا نیک اور صالح آدمی، ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ جب سے میرا ہاتھ بیکار ہوگیا ہے اور ورق کوٹنے سے میں معذور ہوگیا ہوں، تنگدستی و ناداری نے پریشان کر دیا ہے، میں نے کچھ پڑھنے کو بتا دیا۔ چند دن کے بعد وہ ملے اور بہت خوشی سے کہنے لگے کہ آپ نے پڑھنے کو جو کچھ بتایا

---

[1] وہ بندے جن سے لوگوں نے کہا کہ دشمنوں نے تمھارے مقابلہ کے لئے بڑی جمعیت اکٹھی کی ہے تمھیں ان سے ڈرنا چاہیئے تو اس سے ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انھوں نے کہا کہ ہمارا اللہ ہمارے واسطے کافی ہے اور وہ بہترین کارپرداز ہے۔

تھا اس سے بڑا فائدہ ہوا، میں سڑک پہ جا رہا تھا کہ ایک پڑیا پڑی ہوئی دکھائی دی میں نے اٹھایا تو اس میں سَو سَو کے نوٹ تھے۔ میں نے کہا یہ اس پڑھنے کی برکت ہے اور رکھ لیا، میں نے جواب دیا کہ تم کو اس وقت سمجھنا چاہیئے تھا کہ یہ ناجائز ہے، اگر تم اس امتحان میں پورے اترتے تو پھر اللہ کی مدد ہوتی۔

زمان و مکان کے آداب سمجھ میں آجائیں تو ہر چیز خود بخود سمجھ میں آجائے گی

فرمایا کہ — ایک چیز کے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ جہاں آپ بیٹھے ہیں اس کو سمجھ لیں کہ اس کا کیا حق اور کیا آداب ہیں، پھر کسی نصیحت اور وعظ کی ضرورت نہیں، صرف زمان و مکان کو دیکھنے کی ضرورت ہے پھر کسی وعظ و تلقین کی ضرورت نہیں، اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھا ہو تو اس سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میاں یہاں بیڑی سگریٹ نہ پینا، یہاں پیشاب و پاخانہ نہ کرنا اس کو صرف یہ بتانے اور معلوم کرانے کی ضرورت ہے کہ وہ خانۂ خدا میں ہے، اگر اس کو کوئی یہ نصیحت کرنے لگے کہ وہ گھر اور بازار والے کام یہاں نہ کرے تو یہ ایک مجنونانہ بات ہوگی اور وہ اس کے منہ کی طرف دیکھنے لگے گا کہ کیا کہہ رہا ہے، اب ہم کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہم اسلام کے مکان میں بیٹھے ہیں، ہم اس کے حقوق و آداب کی پابندی خود کریں گے، بہت سے حضرات ہیں جو نماز، روزہ، ذکر و اذکار، ورد و وظیفہ بہت کرتے رہتے ہیں، لیکن ان کو حلال و حرام مشتبہ و غیر مشتبہ کا کوئی خیال نہیں، ہمارے دوستوں میں ایک صاحب بڑے ذاکر و شاغل تھے، صاحبزادہ بینک میں ملازم تھے، ان کی تخفیف ہوگئی، وہ ایک دن صاحبزادے کو میرے پاس لے کر آئے اور کہا کہ دعا کیجئے کہ یہ بچہ بحال ہو جائے میں نے کہا اللہ کرے وہ راستہ ہی بھول جائے جو بینک کو جاتا ہے، میں نے اکثر دیکھا ہے

کہ گناہگار اور عام مسلمانوں پر بات کا بڑا اثر ہوتا ہے لیکن متقیوں پر کلام کا اثر نہیں ہوا کرتا، وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ سب کچھ جانتے ہی ہیں اور سب کچھ کرتے ہی ہیں۔
کہنے والے نے غلط نہیں کہا: ؎

آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابد الدہر بماند

پیری نے اسلام کے اندر جو تلاطم پیدا کیا وہ کسی نے نہیں پیدا کیا، راہ پر تو کم آئے ہوں گے، بے راہ بہت ہو گئے، جہاں بھی ہم پہنچے وہاں یہی دیکھا کہ پیر و مرشد جو گوٹ چلیں گے بس وہی شطرنج ہے، حالانکہ شطرنج کے اصول و ضوابط مستقل ہیں، کوئی ان میں ترمیم نہیں کرتا۔

شریعت طریقت پر ہر جگہ مقدم ہے

یہ تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا کمال ہے کہ انھوں نے شریعت کو طریقت و حقیقت پر ہر جگہ مقدم رکھا۔ قاعدہ ہے کہ آدمی جس فن کی وکالت کرتا ہے اور جس موضوع پر کتاب لکھتا ہے، اسی کو سراہتا ہے اور اس کے مقابلے میں ہر چیز کی نفی کرتا ہے اور یہی دکھانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہی سب کچھ ہے، باقی سب ہیچ، مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ طریقت و حقیقت پر مکاتیب تحریر فرماتے ہیں لیکن یہی کہتے ہیں کہ "پس شریعت متکفل جمیع سعادات دنیویہ و آخرویہ آمد و مطلبے نماند کہ بماورائے شریعت دراں مطلب احتیاج افتد طریقت و حقیقت کہ صوفیہ بآں ممتاز گشتہ اند ہر دو خادم شریعت اند"[1]

[1] شریعت تمام دنیوی اور آخروی سعادتوں کی کفیل ہے، سعادت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ اس میں شریعت کے سوا کسی اور چیز کی ضرورت پڑتی ہو، صوفیا کی طریقت و حقیقت دونوں خادم شریعت ہیں۔

البتہ جہاں حضرت طریقہ نقشبندیہ کو تمام طرق پر کھلی ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو اور طریقوں کی نہایت

نقشبندیہ مکان بناتے ہیں سنواستے ہیں
چشتی اسکو کھود کر میدان کر دیتے ہیں

ہے وہ اس طریقہ کی بدایت ہے اور اس میں اندراج النہایۃ فی البدایۃ ہے۔

اور یہ کہ اقرب و اعلیٰ طریق ہے، تو یہ ادب سے عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ آپ بھی دوسرے طریق میں بعیت ہوئے ؟ سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کیسے کیسے باکمال اور صاحب فیض گزرے ہیں، بیسیوں واقعات ہیں کہ جس پر نظر پڑگئی وہ ولی بن گیا۔ خلق اللہ کو ان کی نظر کیمیا اثر سے کیسے کیسے مراتب عالیہ حاصل ہوئے، حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک جگہ جنگل میں خیمہ ڈالے ہوئے تھے۔ جنگل میں ایک بھنگ پینے والے فقیر نے اپنے چیلے سے کہا بھنگ لا، اس نے کہا کہ بھنگ تو اس وقت کٹیا میں موجود نہیں کہا کہ یہی تو میرے پینے کا وقت ہے، میں کیا پیوں، جا کہیں سے ڈھونڈ کر لا، وہ ڈھونڈھنے نکلا، اس نے دیکھا کہ ایک چراغ جل رہا ہے، حضرت چراغ دہلوی رونق افروز تھے، اس نے پکار کر کہا کہ یہاں بھنگ ملے گی ؟ جواب میں ارشاد ہوا کہ یہاں بھنگ نہیں ولایت ہے، اس نے کہا وہی دیدو، فرمایا جا وضو کر کے دو رکعت پڑھ، وہ نماز پڑھ کر آیا تو توجہ دی، وہ مست ہو گیا، جب اپنے گرو کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھتے ہی کہا، ارے میں نے کہا تھا لیکر آنا تو پی کر آیا، اچھا چل مجھ کو بھی پلوا، وہ گیا اور اس پر وہی رنگ چڑھ گیا شاہ گل صاحب ایک مسجد میں بیٹھے تھے، ایک بی بی نے بناؤ سنگار کر کے کھڑکی سے چہرہ نکالا خدام نے عرض کیا حضرت یہ بڑی بے ادب اور گستاخ ہے، ایک مرتبہ کہا دو مرتبہ کہا توجہ نہ کی، تیسری مرتبہ کہنے پر نظر اٹھا کر دیکھا قدموں میں آ کر گر گئی اور تائب ہوئی، ان حضرات

کے ایسے بیسیوں واقعات ہیں، کسی نے خوب کہا ہے کہ نقشبندیہ ایک مکان بناتے ہیں سجاتے ہیں، سنوارتے ہیں چشتی اس کو کھود کر میدان کر دیتے ہیں۔ حضرت شاہ احمد سعیدؒ صاحب نے اربعہ انہار میں چاروں نسبتوں کا فرق خوب بیان کیا ہے[1]،

دراصل طریقہ نقشبندیہ کوئی الگ طریقہ نہیں، سب طریقوں کا مرکب ہے، سب طریقوں کی تعظیم اور سب خوبیوں کا اعتراف کرنا چاہیے۔ رکابی کا حسن جبھی ہے جب وہ سب طرف سے ثابوت اور مکمل ہو، اگر کوئی کونا ٹوٹ گیا، اگرچہ اسکو استعمال کیا جا سکتا ہے، مگر وہ حسن موزونیت اور اس کی وہ قیمت نہیں رہتی، پھر ہر ایک کے کہنے کی نقل بھی نہیں کی جا سکتی ہر ایک اپنے لحاظ سے کہتا ہے، ایک خاتون بیٹھی ہوئی ہیں، شوہر ان کو بیوی کی طرح خطاب کرتا ہے، بیٹا والدہ کہتا ہے، بھانجا خالہ کہتا ہے، اور سب صحیح کہتے ہیں۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ یہ اربعہ انہار میں ہر کمال اور ہر مقام ہر ایک کی تقلید کا نہیں ہوتا۔ حکیم ابو حبیب[2] صاحب ایک دن فرمانے لگے کہ حضرت نے مراقبۂ ذات مع قطع صفات کی تلقین کی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حکیم صاحب اس جھپٹے میں نہ آجانا، جن مشائخ نے یہ کیا ہے جہاں ٹھہرے ہیں وہاں بلا آگئی ہے، صفات ہی حفاظت و بقا کا سبب ہے، حکیم صاحب کو بڑا تعجب ہوا، میں نے کہا کہ یہ حضرت مجدد صاحب کی مخالفت نہیں ہے، دراصل مکتوبات کے مطالعے کے لئے قرآن مجید سمجھنے کی ضرورت ہے، سب سے بڑا مکتوب قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

---

[1] یہ ملفوظ کسی پچھلی مجلس میں گزر چکا ہے۔ [2] مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی مولانا سید ابوظفر ندوی مرحوم کے والد، حضرت شاہ ابو احمد صاحب مجددی کے مخصوص مجازین و خلفاء میں سے تھے، عرصے تک خانقاہ میں مقیم رہے۔ مکتوبات شریف سے عشق اور اس پر بڑا عبور تھا۔

ہے۔ ایسے مضامین اور مکتوبات کے بارے میں صحیح اصول یہی ہے کہ جو سمجھ میں آئے اس پر عمل کرو، ورنہ ادب سے کترا کر نکل جاؤ۔

صحابۂ کرام کا فیصلہ کرنے والے ہم کون ہوتے ہیں؟

یہاں ایک صاحب تشیع سے متاثر تھے، ایک دن کہنے لگے کہ کیا امام حسینؓ کی شہادت کی ذمہ داری حضرت معاویہؓ اور ان کے طرز عمل پر بھی عائد نہیں ہوتی؟ میں نے کہا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک مرتبہ ایک بڑے عالم اور ان کی بیوی میں رات کو کچھ تکرار ہوگئی اور درشت کلامی کی نوبت آگئی، ایک صاحب جھانک کر یہ منظر دیکھ رہے تھے، صبح کہنے لگے کہ صاحب شریف گھر کی بیٹی، آپ عالم آپ اس کو اتنا سخت کہہ رہے تھے اور زدوکوب کی نوبت آگئی۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ آپ کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی، کہا کہ میں جھانک کر دیکھ رہا تھا، کہا کہ میں اپنے عمل کی توجیہ بعد میں کروں گا، پہلے آپ اپنے عمل کا جواز ثابت کیجیے کہ آپ کو کسی کے خلوت خانہ میں جھانکنے کی اجازت کس نے دی؟ اس کی تو ممانعت ہے۔ میں نے کہا اسی طرح ہم کو صحابۂ کرام پر اعتراض کرنے اور ان کو برا بھلا کہنے کی ممانعت ہے۔ اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضاً" اب آپ بتائیے کہ آپ کو قانون وعدالت کی کرسی پر کس نے بٹھایا کہ آپ صحابۂ کرامؓ پر فیصلہ صادر کریں۔ بہت سے لوگ قرآن وحدیث کے بجائے تاریخ پڑھ کر گمراہ ہوئے۔

اپنے اعمال واخلاق کی فکر چاہیئے۔ دوسرں کی ٹوہ میں رہنے سے کوئی فائدہ نہیں

کسی نے سلف میں کسی بزرگ سے سوال کیا کہ حضرت علیؓ وحضرت معاویہؓ میں

کون حق پر تھا کہا تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ہم کو اپنے اعمال و اخلاق کی فکر چاہیئے۔ ان کی فکر میں رہنے سے کوئی فائدہ نہیں، نواب صاحب کے یہاں شادی ہے۔ میں احمد آباد[1] دوڑا جا رہا ہوں کہ کچھ فکر کروں، کوئی کہے حضرت آپ کے یہاں نون تیل بھی ہے یا نہیں، آپ اپنے گھر کی فکر کیجیے، بیگم صاحبہ نے اپنی بیٹی کے لئے بہت کچھ سامان کر رکھا ہے، وہاں سب انتظامات ہو رہے ہیں۔ کسی کی ایک حرکت دیکھ کر پوری زندگی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، مدتوں کے بعد ہی کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک حدیث دیکھ کر کیسے اندازہ کر لیا جائے، کبھی آپ غصہ میں ہوتے تھے، کبھی ترحم اور شفقت کی حالت میں صحابہ کی غلطیاں بھی ہمارے لئے رحمت ہیں۔

ہر چیز کی قیمت اس کی غائت ہے

فرمایا — ہر چیز کی علت غائی دیکھنی چاہیئے جس کے لئے بنائی گئی ہے، ایک شخص مسہری بچھاتا ہے، اس پر نہایت مکلف بستر لگاتا ہے بڑا نرم گدا بڑی اجلی چادر بڑا نفیس منقش تکیہ، لیکن آدمی جب رات کو اس پر سوتا ہے تو اتنے کھٹمل اور پسپڑیاں کر بھن جاتا ہے اور پلک سے پلک نہیں لگتی، اب اس مسہری اور گدے کو لیکر کوئی کیا کرے، اس سے تو یہ کہیں اچھا ہے کہ زمین پر معمولی بستر ڈال کر سو جائے کہ جہاں نہ کھٹمل ہوں نہ پسو، مقصود تو آرام ہے، زمین پر ہو چاہے مسہری پر، آجکل کی زندگی، تعلیم ایسے ہی ہیں کہ ٹیپ ٹاپ تو بہت ہے، مگر قبر میں اس سے آرام نہ ملے گا، اس سے تو وہ تکلیف و بے سر و سامانی مبارک ہے کہ جس کے نتیجہ میں قبر میں آرام سے سونا نصیب ہو، وہاں گدا تکیہ مل جائے گا اور آدمی ایسا مسرور اور با آرام ہوگا کہ کہے گا یا رب اقم الساعۃ حتی ارجع الی اھلی ومالی۔

---

[1] احمد آباد بھوپال کا محلہ جہاں شاہی محلات ہیں۔

دین موقع محل سے کام کرنے کا نام ہے

فرمایا۔ دنیا کا سب آرام اور ہر طرح کی راحتیں ہمارا حق ہیں، لیکن ان سے فائدہ اٹھانے کا ایک وقت ہے، ایک وقت دیکھنے کو بھی منع کرتے ہیں دوسرے وقت نہ دیکھنے کو بُرا سمجھتے ہیں، جس کی ابھی صرف نسبت ہوئی اس کا جھانکنا بھی معیوب ہے اور گھر کے اندر چلا جانا بھی ممنوع ہے، لیکن شادی کے بعد الگ رہنا قابل اعتراض ہے، یہی تمام لذات کا حال ہے کہ ان سے تمتع کا ایک وقت اور محل ہے، لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ وہ بے موقع اور قبل از وقت فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بلوغ کے بعد جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں وہ بلوغ سے پہلے ممکن نہیں جسکو ہم فسق و فجور کہتے ہیں وہ درحقیقت وقت سے پہلے کسی کام کو کرنا اور اعلیٰ چیز کو چھوڑ کر ادنیٰ پر قناعت کرنا، یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی تاڑی یا ٹھراپی رہا ہو اور کوئی کہے یہ شراب نہ پیو ہم ولایت سے منگائے دیتے ہیں، وہ کہے پھر منگادو تو اس سے کہا جائے گا کہ ٹھہرو۔ آنے میں وقت لگے گا، اللہ تعالیٰ نے ان جذبات کو اپنے محل میں صرف کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن شریف میں آتا ہے۔ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ؏ دیکھیے یہ نہیں فرمایا وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي ارواحکم معلوم ہوا کہ ان لذات کی اشتہا نفوس کا کام ہے نہ کہ ارواح کا، مومن جنت میں ترقی کرتے کرتے ایسے مقام میں پہنچ جائیگا کہ وہ اس محل میں رکھا جائے گا جہاں صرف دیدار الٰہی ہے نہ حور نہ قصور۔

ذکر و مراقبہ کی مثال

فرمایا۔ قرآن مجید میں حکم ہے وَاذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ذکر کی کثرت کرنے سے ذکر ذہن میں جم جاتا ہے اور جب چیز ذہن میں جم جاتی ہے سامنے آتی ہے، ایک ٹائپسٹ نوجوان کہنے لگے کہ سونے میں بھی اور نماز

؏ تمہارے واسطے جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارے نفس چاہیں اور جو تم مانگو گے ۱۲

میں بھی وہی حروف سامنے آجاتے ہیں، اور بغیر ذہن میں جمے ہوئے کوئی ٹائپ نہیں کرسکتا، اسی کا نام مراقبہ ہے۔

دولت کی بیماری

فرمایا کہ — جب میں کسی کھاتے پیتے آدمی کی نبض دیکھتا ہوں اور وہ کمزور معلوم ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ یا تو ان کے پاس مال زیادہ ہے یا مال کی محبت، اکثر لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں جس کا قرآن میں ذکر کیا گیا یالَیۡتَ لَنَا مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ قَارُوۡنُ اِنَّهٗ لَذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ: یعنی اہل دولت پہ رشک اور مال کی کثرت کی تمنا، میں نے ایسے بہت سے لوگوں کا ہارٹ فیل ہوتے ہوئے دیکھا جو اس مرض سے آزاد ہے وہ تندرست اور قوی و توانا ہے، میرے بعض ساتھی کہنے لگے کہ آپ کی تندرستی بہت اچھی ہے، میں نے کہا کہ آپ بھی یا قوتی کھایا کرو[۱] تندرست رہو گے، ایک ڈاکٹر صاحب نے مجھے دیکھ کر کہا کہ آپ جھکے نہیں[۲]؟ میں نے کہا میں جھکتا رہتا ہوں[۳] اس لئے نہیں جھکا، جو شخص بھی ننانوے کے پھیر میں پڑا، الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ وہاں اس کو تفکرات پریشانیوں نے آگھیرا۔

نیت سب کچھ ہے

شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ اور ایک درویش کا انتقال ہوا۔ کسی نے خواب میں دیکھا کہ بادشاہ تو جنت میں ٹہل رہا ہے اور درویش دوزخ میں پڑا ہوا ہے، کسی بزرگ سے تعبیر پوچھی تو کہا کہ وہ بادشاہ صاحب تخت و تاج تھا مگر درویشی کی تمنا کرتا تھا اور درویشوں کو بڑی حسرت کی نگاہ سے دیکھا کرتا اور یہ درویش تھے تو فقیر بے نوا مگر بادشاہ کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس طرح اگر کوئی شخص مسجد میں ہے اور اس کا دل لگا ہوا ہے کہ جلدی نماز ہو اور میں اپنے کام کو

---

[۱] یعنی بے فکری اور استغناء [۲] حضرت کی عمر مبارک اس تحریر کے وقت ۸۵ سال کی ہے اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے لیکن قد مبارک میں ذرا بھی خمی نہیں۔ [۳] یعنی خدا کے سامنے۔

جاؤں توگویا وہ مسجد سے باہر نکل چکا اور اگر کوئی بازار میں ہے اور اس کا دل مسجد و نماز میں لگا ہوا ہے توگویا وہ نماز ہی میں ہے، یہی معنی ہیں انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ کے۔
زہد خانقاہ میں بیٹھنے کا نام نہیں، معلوم نہیں ہم کہاں ہیں، اس کا حال قیامت میں معلوم ہوگا۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، وہاں اُدھر کا پلہ بھاری ہوا تو اُدھر، اگر اِدھر کا پلّہ بھاری ہوا تو اِدھر۔

دسویں مجلس

۲۳ر شوال ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۴ر جنوری ۱۹۶۸ء خانقاہ شریف

حاضرین مجلس بدستور وقت ۱۰½ بجے سے ۲ بجے تک

قرآن مجید کی عظمت، اہلِ نظر تخم میں پورے درخت کو دیکھ لیتے ہیں | فرمایا ۔ میں آپ کے آنے سے پہلے ابھی تلاوت میں سورۂ زمر پڑھ رہا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔[1] بس انھیں الفاظ پر ٹھٹھک کر کھڑے ہو جانے کو جی چاہتا ہے، ان مختصر الفاظ میں کیا کچھ فرما دیا گیا ہے، ایک ناواقف آدمی اس کو دیکھتا ہے، اس میں اس کو کچھ نظر نہیں آتا، لیکن واقف آدمی اس کو دیکھ کر اس کے اندر پورا تناور درخت دیکھ لیتا ہے، اس کی بیسیوں شاخیں، اس کے ہزاروں لاکھوں پتے، اس کے سیکڑوں پھل، سب اس کو نظر

---

[1] اس کتاب کا اتارا جانا اللہ عزیز و حکیم کی طرف سے ہوا ہے (اے پیغمبر) ہم نے یہ کتاب تمھاری طرف سچائی کے ساتھ نازل کی ہے پس خدا کی عبادت کرو، اسی کے لئے عبادت خالص کر کے، خبردار خالص عبادت خدا ہی کا حق ہے۔

آجاتے ہیں، یہ سب اسی چھوٹے سے خول میں ہیں، مگر اس دین اور اس قرآن کی قدر تو انھیں لوگوں کو تھی جنھوں نے اس کو بیابانوں کی خاک چھان کر اور حق کی تلاش میں سرگرداں رہ کر پایا تھا۔ ان میں سے بعض بعض ایسے تھے جو یہودیوں کی عبادت گاہوں، عیسائیوں کے کلیساؤں میں دین حق تلاش کرنے کے لئے گئے اور وہاں کے عابدوں اور راہبوں نے کہا کہ ہم تو ایک چلتے ہوئے راستہ اور رواجی دین پر ہیں، دین حق تو آنے والا ہے، پھر جب ان کو اپنا گوہر مقصود نہ ملا اور ان کا اخیر وقت آگیا تو انھوں نے بڑی حسرت سے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا "خدایا تو گواہ رہ کہ ہم اس دین حق کو مانتے ہیں جو آنے والا ہے اور ہم دین ابراہیمی پر جان دے رہے ہیں"

جس چیز کو مشقت اور طلب سے حاصل کیا جاتا ہے اسکی قدر زیادہ ہوتی ہے

اس کی چھوٹی سی مثال یوں سمجھئے کہ مئی جون کا روزہ ہو، آپ کی زبان خشک ہو اور ہونٹوں پر پیڑیاں جمی ہوں، آفتاب غروب ہونیوالا ہو، آپ کسی ضرورت سے کام کے لئے موٹر پر بیٹھ کر جائیں اور وہ کسی میدان میں پہنچ کر جہاں دور دور پانی نہ ہو فیل ہو جائے۔ اب افطار کا وقت آجائے اور پانی کا کہیں نام ونشان نہ ہو، اس وقت اگر آپ کو کوئی ایک گلاس پانی پیش کرے تو آپ کی نگاہ میں اس کی کیا قیمت ہوگی اور آپ اس کو کیسی بڑی نعمت اور آب حیات سمجھیں گے، دوسری مثال یوں سمجھئے کہ کسی شخص نے کسی عام آدمی سے کہا کہ جو کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، وہ بجنسہ استنبول کے کتب خانہ میں موجود ہے، وہ شخص اس کی زیارت کے لئے رخت سفر باندھ لیتا ہے۔ ہزار دقتوں سے اسکو پاسپورٹ اور ویزا ملتا ہے، پھر سمندر کے سفر کی کلفتیں اور مصارف، غرض وہ سراپا اشتیاق بنا ہوا قسطنطنیہ کے ساحل پر اترتا ہے

جس وقت اسکو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اس سرزمین پر ہے جہاں وہ کلام موجود ہے جو خدا کے آخری رسول پر نازل ہوا تھا، وہ پھولے نہیں سماتا، وہ اپنی قسمت پر ناز کرتا ہے اور اس پر ایک عالم بے خودی طاری ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ہمہ تن شوق و انتظار بنا ہوا اس کتب خانہ کے دروازے پر پہنچتا ہے جہاں یہ گوہر نایاب موجود ہے، اب آپ ہی اندازہ کر لیجئے کہ وہ کن نگاہوں سے اسکو دیکھے گا کن ہاتھوں سے اس کو مس کرے گا اور اس کی یہ تمنا پوری ہوگی تو اس کا کیا حال ہوگا، اس لئے کہ اس نے اس کے لئے اتنا طویل سفر اختیار کیا اور بڑی سے بڑی مشقتیں برداشت کیں، اب اسکی مراد پوری ہونے کا وقت آیا، یہی کلام الٰہی ہے جسکو ہم پانچ روپے دس روپے خرچ کر کے بازار سے لے آتے ہیں۔ آج قرآن مجید کے ان نسخوں سے مسجدوں کے طاق بھرے ہوئے ہیں اور کسی کو اں کی قدر و قیمت معلوم نہیں، ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جب چھاپہ خانہ نکلا اور قرآن مجید کی طباعت کا سلسلہ شروع ہوا تو ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے قرآن کو اٹھتے ہوئے دیکھا ہے۔ سارا معاملہ اہمیت اور قدر و قیمت کا ہے، میں ایک رئیس کو جانتا ہوں۔ ایک صاحب نے عرضی دی کہ میں حج کو جا رہا ہوں۔ کوئی خاص توجہ نہیں ہوئی، پانچ دس روپے دیدیئے، کسی نے ذکر کیا کہ ایک صاحب ولایت جانے والے ہیں، ان کو بلایا، استقبال کیا اور بغیر ان کی طلب و ضرورت کے دو ہزار روپے پیش کر دیئے۔ اصل یہ ہے کہ جس چیز کو آدمی دماغ میں پرورش کرتا ہے وہی تناور درخت بن کر اپنے وقت پر پھل دینے لگتا ہے' درخت کی آدمی پرورش کرے اور جب وہ پھل پھول دینے لگے تو اس پر اعتراض کرے یا تعجب' یہ کوئی عقل کی بات نہیں' یہی قرآن شریف ہے جسکی ایک آیت سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اونٹ سے گر گئے' ایسے بیمار پڑے کہ کئی روز تک لوگ ان کی عیادت کو آتے رہے' یہی قرآن شریف ہے جو ہم

پڑھتے ہیں اور کچھ اثر نہیں ہوتا۔

قرآن وہ آئینہ ہے جسکو ہم ہمیشہ اُلٹا کر کے دیکھتے ہیں

ہماری اور قرآن کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص کے پاس کوئی آئینہ ہو، مدت سے اس کے پاس رکھا ہوا ہے لیکن وہ ہمیشہ اس کو الٹا کر کے دیکھتا ہے، اور اسکو کچھ نظر نہیں آتا، مشائخ مجاہدات کراتے ہیں، مراقبات بتاتے ہیں، مرغوبات چھڑاتے ہیں، انبیاء نے مراقبہ نہیں بلکہ مشاہدہ کرایا ہے، وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ آئینے کو سیدھا کر کے دیکھو سب کچھ نظر آجائے گا، یَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ[1]" بس یہی آئینہ کو سیدھا کر کے دیکھنے کی تعلیم ہے۔

قرآن مجید ہر چیز سے مستغنی کردیتا ہے

میرے ایک استاد تھے جن سے میں عربی زبان کی ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا، ایک دن مجھے ایک کتاب کی فرہنگ اور شرح مل گئی جس میں پوری کتاب کو حل کر دیا تھا۔ میں خوش خوش اسکو اپنے استاد کے پاس لے گیا، انھوں نے اس کو اٹھا کر پھینک دیا، میں نے کہا کیا اس کتاب میں کچھ غلطی ہے؟ کہنے لگے غلطی؟ یہ اوّل سے آخر تک غلط ہے، کہنے لگے سب سے بڑی غلط بات یہ ہے کہ اس میں وہ لکھا ہے جو ہم بھی نہیں جانتے۔ ایسی کتاب کے ہوتے ہوئے ہم کو کون پوچھے گا اور ہمارے پاس کون پڑھنے آئے گا، بس یہی قرآن مجید کا معاملہ ہے کہ وہ سب سے مستغنی کردیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کے لئے اتنے علوم درکار ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جہالت درکار ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس راہ میں

---

[1] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر نفس دیکھے اور سوچے کہ اس نے آنے والے دن کے لئے (روز قیامت کے لئے) کیا کیا ہے۔

جہالت ونکارت کام دیتی ہے، اس علم کا قاعدہ ہے کہ پڑھا تو قاعدہ سے جاتا ہے، پھر اس قاعدہ کو بھول کر اپنی اس طبعی روشنی سے جو اس علم سے حاصل ہوئی کام لیا جاتا ہے، طب میں بھی یہی ہوتا ہے، اگر وہ روشنی یا ملکہ پیدا نہ ہو تو آدمی کچھ کام نہیں کرسکتا۔ اسلام جذبات کو مارنے اور آزادی کو سلب کرنے کی دعوت نہیں دیتا، صرف ان کا وقت اور محل بتاتا ہے، ہر چیز اپنے وقت پر سجتی اور زیب دیتی ہے۔

ایک غیر مسلم ڈاکٹر کا سوال اور اس کا تشفی بخش جواب

ریاست کروائی میں ایک مرتبہ نواب صاحب نے ایک صاحب کا تعارف کروایا کہ یہ ڈاکٹر حیدریا صاحب ہیں، یہ کچھ سوال کرنا چاہتے ہیں، میں نے کہا کہ میں طالب علم ہوں کوئی عالم نہیں ہوں، اگر جواب نہ دے سکوں تو یہ نہ کہیئے گا کہ میں نے ایک مسلمان عالم سے کچھ باتیں پوچھیں وہ جواب نہ دے سکے، انھوں نے کہا کہ عرض کرنا یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کے وقت دنیا کے تعلقات کو الگ کر کے اللہ سے قرب حاصل کرتے ہیں، عیسائی گرجوں میں، ہندو مندروں میں، اور مسلمان مسجدوں میں یہ سب تعلقات سے الگ ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کا قرب تلاش کرتے ہیں، میں نے سنا ہے کہ آپ کے یہاں اعتکاف کا بھی طریقہ ہے جس میں تمام تعلقات دنیاوی سے کچھ دیر کے لئے علیحدگی ہو جاتی ہے۔ یہ کیسا طریقہ ہے کہ جنت میں شراب بھی ہے، حوریں بھی ہیں اور اللہ کا قرب بھی، یہ تو دنیا میں بھی نہ ہوتا تھا اور شراب تو ایسی بری چیز ہے کہ اس کا تو اس موقع پر قرآن شریف میں ذکر ہی نہ ہوتا تو اچھا تھا۔

میں نے کہا ڈاکٹر صاحب! میں آپ کے سوال سے بہت خوش ہوا۔ میں غور اور تحقیق کرنے والوں سے بہت خوش ہوتا ہوں، جمود مجھے پسند نہیں، مگر میں آپ سے

ایک بات پوچھتا ہوں۔ آپ چونکہ ڈاکٹر بھی ہیں، اسلئے اور بھی سہولت ہے۔ میں نے کہا کہ ہمارے حکماء بڑے بڑے قدحے پلاتے ہیں، لیکن ان میں وہ اثر نہیں ہوتا جو آپ کی چھوٹی سی گولی میں اثر ہوتا ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ آپ یہی بیان کریں گے کہ اس گولی میں دوا کا جوہر آگیا ہے، اور جتنا کسی چیز کا جوہر نکالا جاتا ہے اور فاضل اجزاء کم کر دئیے جاتے ہیں طاقت بڑھتی جاتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ انسان سب میں اشرف المخلوقات مانا جاتا ہے اور سب اشیاء اسی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ انسان کامل کسے کہیں گے؟ اسی کو نا جس میں کمالات انسانی مکمل طور پر موجود ہوں، لولا، لنگڑا، اندھا، اپاہج نہ ہو، اب یہ عرض ہے کہ موت کے ذریعے انسان کے ارضی اجزاء تو الگ ہو جاتے ہیں اور اس کا جوہر رہ جاتا ہے۔ اس سے اس کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے اور اسکے سب کمالات اور طاقتیں ترقی کر جاتی ہیں، اب یہ تمام طاقتیں اور کمالات جنت میں موجود ہوں اور محل صرف نہ ہو تو یہ رحمت ہے یا عذاب؟ کسی کو تخت حکومت وخزانہ اور گھر کے لوگ دئیے گئے ہوں اور کہہ دیا جائے کہ خبردار نظر اٹھا کر نہ دیکھنا، تو یہ اس کے حق میں رحمت ہے یا اچھی خاصی سزا؟ یہی جنت کی ان نعمتوں کی حقیقت وحکمت ہے، آپ جو بار بار شراب کو دہرا رہے ہیں، تو آپ کی کون سی دوا شراب سے خالی ہے، محل بدل گیا تو وہ اب اچھی چیز بن گئی اور اس سے صحت ہونے لگی تو اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

مناظرہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بغیر دل آزاری و نفسانیت کے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی جائے

فرمایا۔ مجھے بحث ومناظرہ کا یہی طریقہ پسند ہے کہ بغیر دل آزاری اور ضد و نفسانیت کو ابھارنے والی باتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اپنی بات سمجھانے اور دل نشین کرنے کی کوشش کی جائے۔

مناظرہ کا وہ طرز پسند نہیں جسکو "دندان شکن" کہا جاتا ہے۔

پاخانہ جانا ضروری کام ہے لیکن اس کو مقصد نہیں بنایا جاسکتا

فرمایا ـ مقصدِ تخلیق کو بھلا کر ایک ایسی تعلیم میں منہمک ہونا جو موت کے بعد کی زندگی میں کام آنے والی نہیں، لوگ بڑی عقلمندی اور ترقی سمجھتے ہیں، اس تعلیم میں کوئی ہرج نہیں، ضرورت کے لحاظ سے اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے مگر اس کو کمال اور ترقی سمجھنا بے جا ہے، پاخانہ جانا ضروری کام ہے، مگر وہاں بیٹھ کر کوئی یہ نہیں کہتا کہ نعمت خانہ میں بیٹھا ہوں۔

اعتراف قصور سب سے بڑی صداقت ہے

کل ایک بچے نے دل خوش کردیا۔ اس سے پوچھا، میاں کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا کہ "عمر ضائع کر رہا ہوں"! یہ احساس اور اعتراف بڑی چیز ہے۔

پروپیگنڈہ کی ایک دلچسپ تمثیل اور حکایت

قاعدہ یہ ہے کہ جب چند آدمی کسی بات کو کہنے لگتے ہیں تو لوگ اسکو یقین کرلیتے ہیں۔ ایک کہے دو کہیں، جب متعدد آدمی ایک بات کو کہتے ہیں تو اچھے اچھے آدمیوں کو یقین آجاتا ہے۔ حالانکہ کسی کے کہنے سننے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ ایک بزرگ نے بکری کا بچہ خریدا۔ دو تین ٹھگوں نے دیکھ لیا اور کہا کہ یہ بچہ ٹھگنا چاہیئے۔ ان میں سے ایک نے اس راستہ پر جس سے یہ بزرگ گزرنے والے تھے ایک درخت کے نیچے مصلّی بچھا کر تسبیح پڑھنی شروع کردی۔ ثقہ صورت، لانبا کرتہ، نیچی داڑھی، جب وہ بزرگ پاس سے گزرے تو یہ حضرت لپک کر پہنچے، بڑے ادب سے سلام کیا، دست بوسی کی اور کہنے لگے کہ حضور اس کے لب پلید ہیں، اس کے روئیں ناپاک ہیں، آپ نے ضرور چوکیداری کے لئے اس کو خریدا ہوگا، اسکے لئے تو بے شک جائز ہے، انھوں نے

جھڑک دیا کہ آپ دیکھتے نہیں کہ یہ بکری کا بچہ ہے، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ فوراً ہاتھ جوڑ کر معذرت کی اور کہا کہ میری نگاہوں کا قصور ہے، بھلا آپ جیسے بزرگ کتا کہیں خریدینگے آگے بڑھے تو ایک اور صاحب اسی طرح مقدس صورت بنائے ہوئے ملے، آگے بڑھے اور قدموں میں گر گئے۔ کہنے لگے کہ اچھے لوگوں کی زیارت بھی کفارۂ ذنوب ہے، حضور نے کھیت کی حفاظت کے لئے اس کو لیا ہوگا، انھوں نے پھر ڈانٹا اور کہا کہ آپ کو سجھائی نہیں دیتا کہ یہ بکری کا بچہ ہے یا کتا ہے" کہنے لگے۔ حضرت نے صحیح فرمایا۔ میں جھوٹا میری نگاہیں جھوٹی" آگے بڑھے تو تیسرے صاحب ملے اور کہا "حضرت یہ بڑی اچھی نسل کا معلوم ہوتا ہے، تازی کتا ہے۔ اس پر وہ بھی شبہ میں پڑ گئے اور کہنے لگے ایک غلطی کر سکتا ہے، دو غلطی کر سکتے ہیں، اتنے آدمی تو غلطی نہیں کر سکتے، مجھ ہی کو دھوکا ہوا ہوگا۔ انھوں نے بکری کے بچہ کو چھوڑ دیا اور حبب چلے گئے۔ ٹھگوں نے اس کو ٹھگ لیا۔

محمدی تعلیم وہدایت کا امتیاز اور حیات جاوید کی بشارت

فرمایا — اگلے مذاہب میں دواؤں کے اجزا بتا دیتے تھے اور نسخہ لکھ کر دیدیتے تھے۔ جاؤ تلاش کرو، اجزاء فراہم کرو اور دوا بنالو۔ آخر میں جو حکیم تشریف لائے (صلی اللہ علیہ وسلم) انھوں نے بنی بنائی دوا اور تیار معجون دیدیا جس میں اجزاء کو جمع کرنے، چھاننے، پیسنے جوش دینے کی دردسری نہیں اور فرما دیا کہ صبح آفتاب نکلنے سے پہلے کھالینا، پھر سورج ڈھلے کھانا، پھر عصر کو استعمال کرنا، پھر غروب آفتاب پر، پھر شفق ڈوبنے کے وقت[1]، اگر قوت ہو تو پچھلے کو اٹھ کر بھی کھالینا[2]۔ اس سے زیادہ آسان نسخہ کیا ہو سکتا ہے اور فرمادیا۔

"لایذوقون فیہا الموت" اس دوا کی تاثیر یہ ہے کہ (دائمی اور حقیقی) موت اور فنائے کلی کا خطرہ نہیں، حیات جاوید ضرور حاصل ہوگی۔

---

[1] فرض نمازوں کے اوقات خمسہ۔ [2] تہجد کی نماز

گیارہویں مجلس

۲۴ر شوال ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۵ر جنوری ۱۹۶۶ء خانقاہ شریف بھوپال

حاضرین مجلس بدستور

گم کردہ راہ صوفیہ مولانا جمیل احمد صاحب حیدرآبادی نے ایک ایسے بزرگ کے متعلق دریافت کیا جو توحید وجودی کے بڑے داعی اور مبلغ تھے

فرمایا، کہ اس زمانہ میں (حیدرآباد میں) وحدۃ الوجود کا بڑا زور تھا، یہ حضرات صاف فرماتے تھے کہ وجود بس ایک ہی ہے، باقی سب ظہورات و تعینات ہیں، آپ کچہری میں منشی ہیں، گھر میں والد، اسی طرح محل کے اعتبار سے نام بدلتے رہتے ہیں، باقی وجود ایک ہی ہے، دوسرا وجود ماننا شرک ہے، اس طرح کے عقیدت سے اللہ تعالیٰ کا خوف و ہیبت اور محرّمات اور معاصی سے نفرت و دہشت نکل جاتی ہے کہ جب وجود ایک ہی اور سب کچھ وہی ہے تو کیسا گناہ، اور کس کا گناہ، البتہ دل آزاری ان حضرات کے مذہب میں کفر ہے، کسی کا دل نہ توڑو، اور جو چاہے کرو، بالارادہ شراب نہ پیو، مگر شراب کی محفل میں ہو اور کوئی پلائے تو پی لو، وہیں حیدرآباد میں ایک بزرگ تھے، اگر کوئی ان سے مرید ہوتا

چار ابرو کا صفایا کرتے تھے، اس کو مروہ بناتے، نہلاتے، دھلاتے تین لوٹے حضرت بھی ڈال دیتے، جب تک یہ عمل رہتا "موتوا قبل ان تموتوا" کا ورد رہتا، پھر اس مرید کو سب کچھ اجازت تھی۔ وہ کہتا حضور میں گانجا اور بھنگ پیتا ہوں، فرماتے کتنا؟ وہ اپنا معمول بتلاتا فرماتے، اتنے کی اجازت ہے، پھر اگر اس کو کوئی ٹوکتا تو کہتا کہ پیر و مرشد نے اس کی اجازت دی ہے، اسی طرح بغیر جبر اور دل آزاری کے رشوت ملتی ہو اور کوئی خوشی سے دے تو لے لو انکار نہ کرو۔

ایک دن بھوپال میں ایک جنازہ کے انتظار میں بیٹھا تھا، ایک احرام پوش وارثی صاحب بھی تشریف لائے، گفتگو شروع ہوئی تو فرمانے لگے کہ جس کو دیکھو منبر پر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن میں یہ ہے، حدیث میں یہ ہے، کوئی درویشی کی بات نہیں کرتا۔ میاں درویشی کی باتیں کرو۔ ایک صاحب حیدر آباد میں حقہ پیتے رہتے اور دوسروں کو نماز کے لئے اٹھاتے۔ ایک صاحب نے کہا کہ آپ خود تشریف نہیں لے جاتے، فرمایا کہ پیالہ پی لو، پھر اس کے بعد کہنا ایک دوسرے صاحب نے اپنے مرید کو مرشد کی قبر پر سجدہ کا حکم دیا، انھوں نے انکار کیا کہ کفر و شرک ہے۔ کہنے لگے جب تک کفر و شرک کے دریا میں نہ ڈوبو گے، اسلام تک نہیں پہنچو گے، یہ طریقت و حقیقت ہے، میں نے تلاش کر کر کے حیدر آباد میں ان حضرات کی کتابیں خرید کرلیں، جواہر السلوک، عقائد صوفیہ، معلوم ہوا کہ قرآن شریف عقائد صوفیہ میں نہیں، معاذ اللہ قرآن شریف میں تو ہے وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ [1] - یہ اسلام سے الگ عقائد کیا ہیں؟

حضرت مجدد الف ثانی کا کارنامہ

فرمایا — ان صوفیہ سے جس قدر ضرر پہنچا ہے، دوسروں سے نہیں پہونچتا۔

---

[1] جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دین اپنائے وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ جہاں علم کا ذکر آیا کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو ملّا ہیں۔ تصوف سے ان کو حصّہ نہیں ملا، یہ تو حضرت مجددؒ کا کارنامہ ہے کہ طریقت کو بالکل شریعت کے تابع بنا دیا، فرماتے ہیں کہ دوپہر کا قیلولہ سنّت کی نیت سے رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝[1]

ایک آیت کی تفسیر

فرمایا کہ — میں نے آگرہ کی جامع مسجد میں ایک مولوی صاحب کو اس آیت پر وعظ کہتے سنا:

قل ان کان اٰباءکم وابناءکم	اے پیغبر لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ
واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم	اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبے قبیلے
واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون	والے اور تمہارا مال و دولت جو تم نے کمایا ہے
کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم	اور تمہارے کاروبار جن کی کساد بازاری کا تم
من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ	کو خطرہ ہے۔ اگر یہ چیزیں تم کو زیادہ عزیز و محبوب
فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ	ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ
لایھدی القوم الفٰسقین ۝	میں جہاد کرنے سے تو ٹھہرو یہاں تک کہ اللہ اپنا
	فیصلہ دے (یعنی عذاب بھیجے) اور اللہ نافرمانوں
	کو ہدایت کی نعمت نہیں دیتا۔

میں نے اس آیت پر بہت غور کیا، بھوپال پہنچکر متعدد علماء سے پوچھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ان محبوبات طبعی کو آدمی ترک کر دے اور ان سے دستبردار ہو جائے، کہنے لگے کہ شریعت

---

[1] اور جو اللہ کی یاد اور اس کی نصیحت سے غافل ہو کر زندگی گزارے اس پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے، پھر وہی اس کا رفیق و ہمدم ہو جاتا ہے۔

بہت سی ایسی چیزوں کا حکم دیتی ہے جن میں طبیعت کے خلاف عقل کے فیصلہ پر عمل کرنا ہوتا ہے، لیکن مجھے اطمینان نہیں ہوا، میرے ذہن میں اس کی توجیہ اور تشریح آئی۔ اس کو آپ ایک قصّہ سے سمجھیں گے۔

ایک بڑی بی کی حکایت

ایک بڑی بی ایک مکان میں رہتی تھیں، ایک صاحب ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اماں! میں یہ مکان خریدنا چاہتا ہوں، کتنے میں فروخت کردو گی؟ انھوں نے کہا بیٹا! نام نہ لو، میں اس کو کسی دام بھی فروخت نہ کروں گی۔ یہ میرے بزرگوں کا مکان ہے۔ اس میں نہ معلوم کتنی پشتیں مریں گریں میں بھی اسی میں مروں گی، انھوں نے بہت آمادہ کرنا چاہا مگر وہ سننے پر بھی تیار نہ ہوئیں، کچھ وقت دے کر وہ پھر آئے اور پھر وہی خریداری کی بات کی، انھوں نے پھر کانوں پر ہاتھ رکھا اور سخت ناراض ہوئیں کہ میں ..... کہہ چکی ہوں کہ میں کسی قیمت پر بھی اس کو دینے پر تیار نہیں، انھوں نے کہا میں منھ مانگے دام دوں گا، کچھ کہئے تو، مگر انھوں نے ایک نہ سنی۔ تیسری مرتبہ وہ خریدار پھر آئے اس مرتبہ وہ بہت برافروختہ ہوئیں، بہت سخت سست کہا، لوگوں نے کہا بڑی بی خیریت ہے؟ یہ کون آدمی تھا؟ کہنے لگیں، پاگل ہے، دماغ ٹل گیا ہے، میرا مکان خریدنے کو کہتا ہے، میں نے کہا مجھے بیچنا نہیں، میرے پرکھوں کا مکان ہے، مگر کسی طرح نہیں مانتا، تین مرتبہ آچکا ہے، لوگوں نے کہا بڑی بی! پھر تھانہ میں رپٹ لکھوادو کہ تنگ کرتا ہے۔ کہنے لگیں نہیں! میں تھانہ وانہ نہیں جاتی۔ میں تو یہیں بیٹھی ہوں، ایک مرتبہ وہ صاحب پھر آئے، دیکھ کر ناراض ہونے لگیں، بات سننے کے لئے تیار نہ ہوئیں، ان صاحب نے موقع پاکر کہا کہ اماں! آپ نے فلاں باغ، بنگلہ اور مکان دیکھا ہے؟ ذرا رنگ بدلا، کہنے لگیں کیوں؟ انھوں نے کہا کہ سرکار کو اس مکان کی ضرورت ہے، یہاں سڑک نکلے گی یا کوئی سرکاری عمارت بنے گی، اس کے بدلے وہ باغ، بنگلہ اور کنواں

ملے گا، یہ کہہ کر وہ جانے لگے، کہنے لگیں "بیٹا بیٹھو، کبھی غریبوں کے یہاں کی چائے تو پیتے جاؤ"! انھوں نے کہا میں بازو والے سے بات کرتا ہوں، انھیں کا مکان لے لیا جائے، کہنے لگیں نہیں بیٹا! کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں، تم اسی مکان کا سودا کرا دو۔

مرغوبات طبعی سے بہتر چیز سامنے آئے گی تو ان کا ترک آسان ہو جائے گا

بس یہی قصہ ہماری مرغوبات طبعی اور تعلقات دنیاوی کا ہے، جب ان سے قیمتی اور بہتر چیز ہمارے سامنے لائی جائے گی تو ہم سب سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہو جائیں گے، اس سڑنے گلنے والے جسم اس فانی اور مختصر زندگی کے مقابلہ میں حیات ابدی اور نعمائے اخروی کا یہی معاملہ ہے، یہ جان اس جسم سے نکالی نہیں جاتی، اس سے بہتر جان ڈالی جاتی ہے، موت و فنا کا تخیل ہی غلط ہے، وہ تو حیات ہے، بعض لوگوں کو جب کسی کا آنا اور بیٹھنا ناگوار ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ "ملک الموت" کی طرح آکر بیٹھ جاتے ہیں" نعوذ باللہ، ملک الموت تو فرشتۂ رحمت ہے، ملک الموت تو بڑے اشتیاق کی چیز ہے، اس کو عذاب کا فرشتہ اور فنا کا پیغامبر بنا دیا۔

یورپ کی قوموں نے ہمارا تخیل بدل دیا

یورپ کی قوموں نے ہمارا تخیل بدل دیا، ہمارے تخیلات پر قبضہ کر لیا، اس قبضہ کی وجہ سے ہر چیز ان کی ہو گئی، ان کا فلسفہ ہے کہ "کنجیاں ان کے انار بند میں بندھی رہنے دو، مال پر قبضہ کر لو، اس کی مثال ایسی ہے کہ باپ تنخواہ لے کر گھر آتا ہے، بیٹا ضد کرتا ہے کہ سب مجھے دے دو، وہ ساری تنخواہ اس کے سامنے ڈال دیتا ہے، پھر کہتا ہے بیٹا فلاں چیز گھر کیلئے لے آؤ۔ فلاں چیز خرید لو، سب اس کے ہاتھ سے روپیہ خرچ کرواتا ہے اور سارے کام نکال لیتا ہے اور بچہ خوش ہے کہ میں روپے کا مالک ہوں۔

انسان کی فطرت پانی کی طرح ہے گرم پانی کی کوئی تعریف نہیں، وہ تو آگ اور گرمی کا کرشمہ ہے۔ جب گرمی کا اثر جاتا رہیگا، پانی اپنی فطرت پر آجائے گا، قرآن نے فیصلہ کردیا ہے مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ گویا گرمی ہماری طرف سے ہے اور ٹھنڈک جو تمھاری فطرت ہے تمھاری طرف سے۔

اسلامی خودکشی یہاں ایک حکیم صاحب تھے، ان کا بچہ طبیہ کالج علی گڈھ میں پڑھتا تھا کہیں ساتھیوں کے ساتھ دریا پر گیا۔ سب بچے کود رہے تھے، اس نے بھی چھلانگ لگائی اور غائب ہوگیا۔ حکیم صاحب کو جب اطلاع کا تار ملا تو دماغی توازن بگڑ گیا علی گڑھ گئے اور وہاں سے آئے تو جنون کی کیفیت تھی، صرف میرے ہاتھ سے دوا پیتے تھے، بار بار مجھے بلایا جاتا تھا (ان سے خودکشی کا بھی خطرہ تھا) ایک دن گیا تو ان کے سمدھی بیٹھے تھے، ...... جن کی بچی کے ساتھ اس لڑکے کی نسبت تھی، انھوں نے کہا "معاف فرمائیے گا، میں نے آپ کو زحمت دی۔ خودکشی کیسی چیز ہے؟" میں نے کہا "بہت عمدہ چیز ہے۔ انبیاء نے بھی خودکشی کی ہی تعلیم دی ہے!" وہ میرا منھ دیکھنے لگے۔ میں نے کہا پانچ وقت اپنے گلے پر چھری پھیرنے اور اپنی خودی کو فنا کرنے کا حکم ہے، مولانا فرماتے ہیں۔

چونکہ با تکبیر ہا مقروں شوید
ہمچو بسمل از جہاں بیروں شوید

کہنے والے نے یہ بھی کہا ہے ؎

ؔ تمھیں جو بھلائی اور نعمت پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہے اور جو برائی آتی ہے وہ تمھاری اپنی کمائی ہے۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اکثر ہرن تو وہ ہوتے ہیں کہ ایک گولی چلائی اور سب بھاگے، لیکن ایسے ہرن بھی ہیں جو شکاری کے انتظار میں رہتے ہیں ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سر خود نہادہ بر کف
بہ اُمید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

یہ صحیح خودکشی ہے جس کی عارفین تعلیم دیتے ہیں، البتہ جہلا نے جس کو خودکشی کہا ہے وہ "خداکشی" ہے، خودکشی نہیں، اس لئے کہ یہ حاکم کے حکم کی خلاف ورزی ہے، اس پر حکیم صاحب نے خودکشی کا ارادہ تو ترک کر دیا اور نماز ایسی شروع کر دی کہ بیماری میں بھی نہ چھوڑی۔

وعظ کی مثال

فرمایا۔۔۔ بعض احباب مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ قرآن میں جاتے تھے، یہاں بھی آتے تھے، میں نے ایک صاحب سے ایک دن پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہیں؟ کہا کہ "وعظ سے" میں نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ وعظ کی مثال کیا ہے؟ وعظ کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی نے ایک بچے کو پانچ روپے دے دیئے اس نے خرچ کر ڈالے پھر دیدیئے پھر خرچ کر ڈالے پھر دیدیئے، پھر خرچ کر دیئے، اس کی عادت بگڑ گئی، لیکن ملکہ پیدا کر دینا، وہ علم سکھا دینا جس سے قرآن و حدیث آدمی خود پڑھنے لگے، ہر وقت ان سے فائدہ اٹھا سکے، ایسا ہے کہ جیسے کسی کو بوریہ بنانا، چٹائی بنانا سکھا دیا۔ ایسا ہنر آگیا کہ اس سے اپنا پیٹ پال سکتا ہے۔

آیات و اسماء کا ادب

فرمایا کہ۔۔۔ میں اس کا بہت لحاظ رکھتا ہوں کہ کسی برتن یا صراحی وغیرہ پر نام نہ کھدایا جائے کہ یہ نام یا تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے ہوتے ہیں یا صحابہ کرام کے، پھر ان برتنوں کو ادھر ادھر ڈال دیا جاتا ہے اور بعض لوگ لوٹے پر لکھو لیتے ہیں، پھر وہ بیت الخلا میں جاتا ہے۔ ایک نے اگالدان پر اپنا نام نقش کروا رکھا تھا، دوسرے یہ کہ میں تعویذ یا قرآن مجید کی آیت یا اسماء حسنیٰ کو موم جامہ میں رکھ کر بازو پر باندھنے یا وقت پر اپنے پاس رکھنے کو بہت ناپسند کرتا ہوں، اسکی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی اپنے پیر کی گردن میں رسّی باندھ کر لئے پھرے، پھر کوئی پوچھے کہ ان کو کیوں باندھ رکھا ہے تو کہے کہ جس وقت ضرورت ہو ان سے دعا کرا لوں۔ اللہ کا نام اور آیات اس سے زیادہ ادب کے مستحق ہیں۔ لکھوا کر گھر میں رکھ لے ان کی برکت پہنچتی رہے گی۔ ایسے متعدد واقعات ہیں کہ ان چیزوں کو مناسب جگہ رکھنے سے گھر میں بڑی برکت اور روزی میں فراخی ہوئی۔

قانون کی پابندی ہر شخص کیلئے لازمی ہے

فرمایا کہ — قانون کی پابندی سب کو کرنی چاہیئے، اس میں استثناء اور رعایت فساد کا موجب ہے۔ ایک مرتبہ میں کسی صاحب کو لینے یا کسی کو رخصت کرنے کے لئے اسٹیشن جانے لگا۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب خانقاہ سے تعلق رکھتے تھے، کہنے لگے کہ پیر صاحب! آپ پلیٹ فارم ٹکٹ نہ لیجئے گا، میں نے کہا کیوں، آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ مجھ سے دگنی تگنی قیمت دلاتے، اس لئے کہ آپ ریلوے کے ملازم ہیں اور خیرخواہی اور فرض شناسی کا تقاضا ہے کہ آدمی جس کا ملازم ہو، اسکو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے۔ اسی طرح ایک مرتبہ میں نے دارالعلوم تاج المساجد کے کتب خانے سے ایک کتاب مطالعہ کیلئے لینی چاہی۔ مولوی عمران خاں صاحب نے اس کے قانون و شرائط بتائے، میں نے بڑی خوشی سے ان کو قبول کیا، کہ اگر ہمیں ان قوانین کی پابندی نہ کریں گے تو کون کرے گا۔

بارہویں (۱۲) مجلس

۲۶ر شوال ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۷ر جنوری ۱۹۶۸ء خانقاہ شریف
½ ۱۰ بجے سے ۱۲ بجے تک

جدید حاضرین مجلس میں سے مولوی نظام الدین صاحب اصلاحی (قیم جماعت اسلامی مدھیہ پردیش) محمود الحسینی صاحب ایڈیٹر الحمراء محمد صغیر صاحب علیگ قاضی عبدالحمید صاحب اندوری وغیرہ۔

مقرر کے قلب پر حاضرین کا عکس پڑتا ہے

راقم سطور نے عرض کیا کہ ادھر کئی سال سے طبیعت تقریروں سے اچاٹ ہے، تقریر کے نام سے بخار سا چڑھتا ہے، پہلے یہ کیفیت نہ تھی، فرمایا لوگوں میں طلب و استقبال ہوتا ہے تو طبیعت میں انشراح پیدا ہوتا ہے اور مضامین کی آمد ہوتی ہے، ورنہ انقباض پیدا ہوتا ہے، دراصل حاضرین مخاطبین ہی کا عکس متکلم پر پڑتا ہے۔

کبھی مُرید کو پیر کے آئینہ میں اپنی شکل نظر آنے لگتی ہے

فرمایا — حیدر آباد میں ایک بزرگ تھے، بہت سے لوگ ان کے مرید تھے، میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، بہت شفقت و خصوصیت فرماتے تھے۔

ان کے ایک مرید اور خویش پولیس کے ایک بڑے افسر تھے۔ ان کی بیوی کا انتقال ہوا، اس حادثہ سے وہ بہت متاثر تھے۔ تعزیت میں حضرت نے ان کو کوئی خط لکھا، ان کو بہت ناگوار ہوا، انھوں نے جواب میں ایک نامناسب خط لکھا جس میں ان بزرگ کے لئے بہت نالائم اور بے ادبی کے کلمات تھے۔ حضرت نے اس خط کی بہت سی نقلیں کروائیں اور اپنے سب مریدین کے نام بھیجدیں اور تحریر فرمایا کہ میں دراصل ایسا ہوں جیسا اُن صاحب نے لکھا ہے، آپ لوگ مغالطہ میں تھے، اب میری حقیقت پہچان لیجئے، میرے پاس بھی اس کی ایک نقل آئی، میں نے اس کے جواب میں عریضہ لکھا کہ ان صاحب کو تو آپ میں چند ہی عیوب نظر آئے ہیں، مجھے تو آپ سرتاپا عیب نظر آتے ہیں۔ جن لوگوں نے میرا یہ خط پڑھا، انھوں نے کہا یہ کیا بے تمیزی اور گستاخی ہے، حضرت پڑھیں گے تو سخت ناراض ہوں گے، میں نے ان سے کہا کہ حضرت مجھ سے ناراض ہو جائیں تو پرواہ نہیں، میں حضرت سے ناراض نہ ہوں، یہ سارا مضمون لکھ کر میں نے حضرت کی خدمت میں بھیج دیا، اس کے کچھ عرصہ بعد میں حیدر آباد گیا، مکہ مسجد میں نماز پڑھی، اس کے آس پاس حضرت کے کئی خدام اور مریدین رہتے تھے، ایک صاحب نے جن کا خاص تعلق تھا مجھے دیکھا تو نماز پڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گئے اور ایک طرف لے جا کر کہنے لگے کہ آپ نے حضرت کی خدمت میں کیا لکھا ہے، میں نے کہا کہ میں کم عقل آدمی ہوں، کم عقلی کی بات لکھ دی ہوگی، کہنے لگے نہیں، ہم لوگوں کے پاس اس خط کی نقل آئی ہے کہ اس خط کا ترجمہ کرو کہ میاں یعقوب نے کیا لکھا ہے، کئی

ماہ کے بعد حضرت کا تشریف لانا ہوا، میں بھی حاضر ہوا۔ فرمایا کہ میاں یعقوب میں نے تمہارا خط وظیفہ کی کتاب میں رکھ لیا ہے، میں نے کہا کہ یہ مضمون میرا نہیں ہے، یہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے۔

مرزا مظہر جانجاناں کا واقعہ

فرمایا — کیا واقعہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک برہمن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، وہ بڑی ریاضتیں اور نفس کشی کر چکا تھا، اس میں کشفی قوت پیدا ہو گئی تھی، ایک دن اس نے حضرت کو تنہا پا کر عرض کیا کہ ایک بات کہنا چاہتا ہوں، مگر کہنے کی ہمت نہیں ہوتی حضرت نے کہا بے تکلف کہو، اس نے کہا کہ آپ کا جسم تو نورانی نظر آتا ہے، لیکن قلب بالکل سیاہ ہے، حضرت نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم کو یہ مراتب کیسے حاصل ہوئے اس نے کہا ہمیشہ نفس کے خلاف کرنے سے۔ نفس نے جس چیز کا تقاضا کیا، میں نے اسکے خلاف ہی کیا، فرمایا مسلمان ہونے کو طبیعت چاہتی ہے؟ کہا نہیں، فرمایا، پھر یہ تو طبیعت کیلئے بہت ہی ناگوار چیز ہے اور اپنے قاعدہ کے موافق نفس کی مخالفت کرو اور اسلام لے آؤ، اس نے کہا کہ جب میں اپنے گرو کی خدمت میں تھا تو وہ کبھی کبھی کہتا تھا کہ مجھے تیرے جسم سے اسلام کی بو آتی ہے۔ اس نے کلمہ پڑھا، حضرت نے فرمایا، اب تو ذرا دیکھو، اس نے کہا حضور اب تو آپ سراپا نورانی نظر آتے ہیں، فرمایا یہ تم اپنے کو دیکھتے تھے، اصل میں شیخ کامل آئینہ ہے اور ہر شخص اس میں اپنی صورت دیکھتا ہے، آئینہ جتنا صاف ہوگا، عکس اس میں صاف آئے گا، اور میں نے جو یہ عرض کیا ہے کہ حضرت مجھ سے خفا ہو جائیں تو مجھے پرواہ نہیں، میں حضرت سے خفا نہیں ہوں، یہ بھی شیخ سعدی کے کلام سے ماخوذ ہے۔

بندہ کا کام غلامی و تابعداری ہے خواہ کچھ ملے یا نہ ملے

شیخ سعدیؒ نے ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ تمام رات مناجات و دعا میں مشغول رہے صبح کو ایک غیبی آواز آئی کہ تم مردود بارگاہ ہو تمھارا کوئی عمل قابل قبول نہیں، ان بزرگ کے چہرے میں کوئی تغیر نہیں ہوا، مریدوں نے کہا کہ کیا حضرت کے گوش مبارک میں یہ ندائے غیبی نہیں پہنچی؟ فرمایا کہ پہنچی، انھوں نے عرض کیا کہ پھر اس سے حضرت کی طبیعت مبارک پر کوئی اثر نہیں ہوا؟ انھوں نے کہا کہ ہمارا جو کام ہے وہ ہم کر رہے ہیں، وہ چاہے مقبول کریں یا مردود، اگر اس کا دروازہ ہمارے لئے بند ہے تو ہم جائیں کہاں؟ اس کے دروازہ کے سوا کوئی دروازہ بھی تو نہیں، اس پر ارشاد ہوا یہ ابتلا تھا، تم مقبول ہو، شیخ فرماتے ہیں ؎

شبے تا سحر صالح زندہ داشت — سحر دستہائے دعا بر فراشت
یکے ہاتف انداخت در گوش پیر — کہ بے حاصلی، رو سر خویش گیر
برین در، دعائے تو مقبول نیست — بخواری برو یا بزاری بایست
شبے دیگر از ذکر و طاعت نخفت — مریدے ز حالش خبر داشت گفت
چو دیدی کزاں روئے بستست در — بہ بے حاصلی سعی چندیں مبر
بدیباچہ بر اشک یاقوت فام — بحسرت ببارید و گفت اے غلام
مپندار اگر روے عناں بر شکست — کہ من باز دارم ز فتراک دست
بنومیدی آنگہ بگردیدمے — ازیں راہ کہ راہ دگر دیدمے
چو خواہند محروم گشت از درے — چہ غم گر شناسد در دیگرے
شنیدم کہ راہم دریں کوئے نیست — ولے ہیچ راہے دگر روئے نیست

دریں بود سر بر زمین فدے | کہ گفتند در گوش جانش ندے
قبولست گرچہ ہنر نیستش ! | کہ جز ما پناہے دگر نیستش !

تو حضرت ناراض ہوا کریں، یہ حضرت کا فعل ہے، ہم حضرت سے ناراض نہ ہوں ہمارا کام یہی ہے۔

قلوب کا قلوب پر اثر پڑتا ہے

فرمایا کہ — قلوب کا قلوب پر بڑا اثر پڑتا ہے اور صاحب امر اور صاحب اثر کا، اور بھی اثر پڑتا ہے، اخلاق محسنی میں نوشیرواں کی حکایت لکھی ہے کہ وہ ایک دن شکار کو گئے، جنگل میں ساتھیوں سے علیحدہ ہو گئے، ایک جھونپڑے میں چلے گئے، پیاسے تھے، پانی مانگا، ایک لڑکی گنّے کا رس لیکر آئی، اس میں کچھ کچرا پڑا ہوا تھا، بادشاہ نے پیا اور طلب فرمایا اور کہا کچرا نہ ہو، اس نے کہا کہ میں نے یہ کچرا خود ڈال دیا تھا کہ آپ سخت پیاسے معلوم ہوتے تھے، اگر ایک دم سے سارا پی جاتے تو نقصان ہوتا، اس مرتبہ لڑکی کو رس لانے میں بہت دیر لگی، اس عرصہ میں بادشاہ نے سوچا کہ اس کثرت سے یہاں گنّا پیدا ہوتا ہے اور اتنا اس میں سے رس نکلتا ہے، اس پر محصول بہت کم ہے، اس میں اضافہ ہونا چاہیئے۔ لڑکی رس لے کر آئی تو رس بہت تھوڑا تھا۔ بادشاہ نے سبب پوچھا کہ اتنی دیر کیوں لگی اور اتنا رس کم کیوں لائی ؟ اس نے کہا کہ میں پہلے ایک ہی گنّے کا رس لائی تھی، یہ کئی گنوں کا رس ہے اور بڑی مشکل سے نکلا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کی نیت میں فرق آگیا ہے، نوشیرواں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور تیسری بار فرمائش کی اور اپنی نیت درست کرلی اور یہ ارادہ کرلیا کہ محصول میں کوئی اضافہ نہ ہوگا، لڑکی پیالہ بھر کر لائی اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کی نیت ٹھیک ہو گئی، اس مرتبہ خوب رس نکلا۔

حاضرین کے قلوب کا اثر حضورؐ کے قلب مبارک پر بھی پڑتا تھا

فرمایا کہ — حاضرین کے قلوب کا اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی پڑتا تھا، ارشاد فرمایا کہ میرے قلب پر کثافت سی آجاتی ہے انہ لیغان علی قلبی اس لئے میں ایک ایک مجلس میں ستر ستر بار استغفار کرتا ہوں۔

مغز میٹھا نہ ہو تو بادام کی کیا تعریف

فرمایا کہ — بزرگانہ شکل وصورت سے کچھ نہیں ہوتا، کوئی لفافہ ہی دیکھ کر تعریف کر دے کہ خط بہت اچھا ہے، اس سے کچھ نہیں ہوتا، جب تک خط کا مضمون نہ معلوم ہو اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی، اس حقیقت کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے:۔ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ[1] کوئی بادام کا چکنا چکنا چھلکا اور بڑا سا دانہ دیکھ کر تعریف کرے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، اصل تو گری ہے اور اس میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس سے روغن بادام کتنا نکلتا ہے، اس مغز اور روغن کے ظہور کی جگہ تو قبر ہے۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ بادام کڑوا ہے یا میٹھا، تر ہے یا بالکل خشک، مولانا نے صحیح فرمایا ہے ؎

آدمیت مشکل است اے آدمی — چوں بری روز آوری ہائے غمی
آدمیت لحم وشحم و پوست نیست — آدمیت جز رضائے دوست نیست
آدمیت گر بقوت حی شدے — گاؤ خر از آدمی بہتر بدے

---

[1] کیا انسان کو معلوم نہیں وہ وقت جب اٹھایا جائے گا قبروں سے اور نکال لیا جائے گا جو کچھ سینوں کے اندر ہے۔

اسی لئے حدیث میں انما الاعمال بالخواتیم آتا ہے۔

عالی چیز کے حصول کے لئے تیاری بھی ویسی ہی کرنی پڑتی ہے

فرمایا کہ — عالی چیز کو حاصل کرنے کے لئے اسی کی شان کے مطابق موانع کو دور کرنا ہوتا ہے۔ نماز کے لئے ضرورت بشری کو پورا کرنا، اور طہارت و وضو ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو نماز کی دعوت دے اور وہ یہ سنتے ہی بیت الخلا کی طرف روانہ ہو جائے تو یہ نماز کی تیاری ہے، نسخہ لکھتے وقت مریض پرہیز کو ضرور پوچھتا ہے۔ ابتدائی کتابیں پڑھ کر ہی بڑی بڑی کتابوں کو پڑھا جا سکتا ہے لوگ وظائف تو بہت پوچھتے ہیں، لیکن ان کے اثر و قبولیت کے لئے خدا کے نام کی جو عظمت اور جس ایمان و یقین اور اعتماد کی ضرورت ہے اس کی فکر نہیں کرتے۔

قرآن حفظ کرانے کے بعد دوسری لائن پر لگا دینا بہت برا ہے

بہت سے لوگ اپنے بچوں کو حفظ کرا دیتے ہیں اور اس کو فخریہ بیان کرتے ہیں، مگر اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ یہ بچہ اس دولت کی قدر و حفاظت بھی کر سکے گا یا نہیں، حفظ کرانے کے بعد ایسی تعلیم دلاتے ہیں کہ وہ اس محنت پر پانی پھیر دیتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی قورمہ اچھا تیار کرے اور اس کو چینی کے پیالے میں بڑے تکلّف سے نکالے پھر گوبر یا کسی نجس چیز کو پیس کر اس پر چھڑک دے تو کیا یہ سب غارت نہیں چلا جائے گا؟ حفظ قرآن کے بعد جو زندگی اختیار کی جاتی ہے، اس کو اس سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔

دل میں خدا کی عظمت ہو تو ایک آیت بھی کافی ہے

اگر دل میں خدا کے نام کی عظمت ہو تو ایک آیت

زندگی میں انقلاب برپا کرنے کے لئے کافی ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو پہلے ایک رہزن اور ڈاکو تھے، ان کی زندگی میں انقلاب اس سے آگیا کہ وہ کہیں واردات کرنے گئے تھے۔ کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا تھا، ان کے کان میں یہ آیت پڑی، الم یأن للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبہم لذکر اللّٰہ وما نزل من الحق (کیا ابھی ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر اور آیات حقانی سے لرز جائیں) کہنے لگے وقت آگیا، وقت آگیا اور توبہ کی، ولایت کو پہنچ گئے۔

ارادوں کو قابو میں رکھ کر محل پر استعمال کرنا انسانیت ہے

فرمایا ۔ ارادوں کو قابو میں رکھ کر محل پر استعمال کرنا انسانیت ہے، ارادوں کے تابع تو جانور ہوتا ہے، جو اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے، میں کہتا ہوں کہ آپ شطرنج کھیلنے میں کیا کرتے ہیں، کیا آپ اپنے ارادوں اور خواہشات کو شطرنج کے اصول اور قاعدوں کے ماتحت نہیں رکھتے، پھر شریعت کے احکام کے بارے میں آپ کیوں مجبور ہو جاتے ہیں۔

لوگوں نے اسلام کے تخت کو کاٹ چھانٹ کر تختہ بنا دیا

بہت سے لوگوں نے شریعت ہی کے احکام میں ترمیم و انتخاب کر لیا ہے، اور اس کو اپنے مطابق بنالیا ہے۔ ایک بادشاہ نے کچھ لوگوں سے کہا کہ میرا یہ تخت اس کوٹھری کے اندر پہنچا دو، کوٹھری تنگ اور اس کا دروازہ چھوٹا تھا۔ ایک درباری نے کہا کہ حضور تخت بڑا ہے اور کوٹھری چھوٹی، یہ تخت اس کوٹھری میں نہیں سما سکتا، بادشاہ بہت ناراض ہوا، اور کہا کہ یہ بے وقوف ہیں۔ یورپ سے کچھ سمجھدار لوگ آگئے، انھوں نے کہا کہ ہم ابھی اس تخت کو اس کوٹھری میں بچھا دیتے

دیتے ہیں، یہ ناسمجھ لوگ ہیں، یہ ایسا نہیں کر سکتے، انھوں نے اوزار سے اس تخت کے کونے کاٹے، تھوڑا سا اِدھر سے لیا تھوڑا سا اُدھر سے لیا اور تخت کو چھوٹا اور مختصر کرکے کوٹھری میں لے گئے .... اور تخت کو تختہ کرکے رکھ دیا، اسلام بھی ایک تخت تھا، اس کی ایک کیل بھی نکالنے کی اجازت نہ تھی، لیکن انھوں نے اس تخت کو بھی تختہ بنادیا اور اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق کرلیا، حالانکہ ایک ایک پرزہ اپنی جگہ پر ہوتا ہے تو مشین چلتی ہے۔

نوافل کا فائدہ بعض لوگ نوافل اور سنن کو غیر ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ جب کوئی چپراسی خالی اوقات میں کسی سرکاری افسر کے ذاتی اور گھریلو کام کر دیتا ہے تو افسر کے دل میں بڑی وقعت ہوتی ہے، اسی لئے فرمایا گیا ہے ولایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل (الحدیث)[1] آپ کا ملازم آپ کے گھر گھی لے کر آئے اور کہے کہ میں گھر جارہا تھا، ایک جگہ بڑا خالص اور سستا گھی بک رہا تھا، میں حضور کے لئے لیتا آیا، تو آپ کتنے خوش ہوں گے۔

سنت کی بے توقیری بعض لوگوں کو اگر کسی شرعی امر کے لئے کہا جائے تو بہت دُبلی زبان سے کہتے ہیں کہ سنت ہے یعنی کوئی ضروری اور اہم چیز نہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ فعل سنت تو ہے مگر یہ لہجہ کفر ہے، زور سے عظمت کے ساتھ کیوں نہیں کہتے کہ سنت ہی جوہر ایمان اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور عظمت ہے۔

گناہ اور سرکشی کا فرق گناہ اور سرکشی میں کیا فرق ہے؟ ایک کیوں آسانی سے معاف کر دیا جاتا ہے اور دوسرا غضب اور عتاب کا

---

[1] میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب تر ہوتا ہے ۱۲

موجب کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ پہلے میں قصداً مخالفت نہیں ہوتی، دوسرے میں مخالفت اور جرأت ہوتی ہے۔ آپ کوئی بہت پھٹا سا نوٹ جس کے کئی ٹکڑے ہو گئے ہوں صرف نمبر پڑھے جاتے ہوں بینک کی کھڑکی پر لے جائیے، آپ کو اس کے بدلے میں نیا نوٹ دیدیا جائے گا، لیکن اگر آپ ایک نوٹ بینک کے افسر سے لیں اور اس کو بینک کے افسر یا کلرک کے سامنے پھاڑ دیں تو چاہے اس کے دو ہی ٹکڑے ہوئے ہوں، آپ سزا اور عتاب کے مستحق ہوں گے اور سرکار کی توہین سمجھی جائے گی، اس لئے کہ پہلے میں ارادہ اور مخالفت کو دخل نہ تھا، اور یہ محض سرکشی اور جرأت ہے، اسی لئے قرآن مجید میں آتا ہے:۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَٰكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ۔

بے ارادہ اور بالارادہ کی ایک مثال سہارن پور کے اسٹیشن کے قریب ایک مسجد میں گاڑی کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا، ایک مولوی صاحب وعظ فرما رہے تھے، ٹخنے کے نیچے پاجامہ کی بڑی مذمت فرما رہے تھے اور وعیدیں سنا رہے تھے، کہنے لگے کم از کم نماز کے وقت تو اونچا کر لیا کریں، میں نے کہا حضرت یہ تو گناہ کبیرہ ہے، اونچا کرنے والے کی نیت یہی ہوتی ہے کہ نماز کے بعد پھر اس کو نیچا کروں گا، تو جس گناہ کے کرنے کا عزم ہو وہ تو گناہ ہی میں داخل ہے، حدیث میں آتا ہے مَا لَمْ يَرْجِعْ کیا خدا صرف نماز میں دیکھتا ہے، نماز کے باہر نہیں دیکھتا، یہ تو ایسی بات ہے کہ شراب کا شیشہ مسجد کے باہر رکھ دیا، جب نماز سے فراغت ہوئی تو جا کر پی لیا، جس گناہ کا عزم ہو اس کا نام طغیان ہے۔

ایک بزرگ کی تمثیلی حکایت کسی بزرگ کا قصہ ہے کہ انھوں نے اپنے خادم سے کہا کہ چلم پینے کے لئے آگ لا، اس کو آگ نہیں ملی تو کہا دوزخ میں سے لے آ، اس نے وہاں جا کر آگ مانگی تو مالک داروغۂ جہنم نے کہا کہ یہاں آگ واگ نہیں ہے، یہاں ہر شخص اپنی آگ

اپنے ساتھ لاتا ہے، یہ ایک تمثیلی حکایت ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر شخص کی آگ اپنے ساتھ ہے، وہ ہمارے اعمال و اخلاق ہیں، قرآن شریف میں آتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا[1]" شریعت کے احکام بہت سے لوگوں کو معلوم ہیں۔ عمل کرنے کے لئے عزم اور ارادہ کی ضرورت ہے، شکر و میوہ سب موجود ہے، چولھا سلگ رہا ہے اور آپ میرے یہاں حلوہ مانگنے آئے ہیں۔

> آپ بارود میں بھی دیا سلائی رکھ دیں گے تو آگ نہ جلے گی جب تک دیا سلائی کو رگڑا نہ جائے

آپ بارود میں بھی دیا سلائی رکھ دیجئے تو آگ نہیں جلے گی جب تک دیا سلائی کو رگڑا نہ جائے آگ نہیں پیدا ہوگی۔ ہم اپنی زبان کب تک چلائیں گے، آپ خود کیوں حلوہ نہیں پکا لیتے، جو چیز آپ میں بھی ہے وہ ہم میں بھی، قرآن و حدیث آپ کے گھر میں بھی ہے، پھر کیوں رجوع نہیں کرتے؟

> جب دواؤں اور غذاؤں میں سیکڑوں برس سے وہی تاثیر ہے تو نماز میں کیوں نہ ہوگی؟

دواؤں اور غذاؤں میں جو تاثیر و ذائقہ سیکڑوں برس پہلے تھا، وہی آج بھی ہے، نمک مرچ میں جو تیزی برسوں پہلے تھی، وہی آج بھی ہے۔ آج بھی ان کو منھ میں رکھنے سے منھ کڑوا ہو جاتا ہے اور آگ سی لگ جاتی ہے، پھر نماز میں وہ تاثیر جو تیرہ سو برس پہلے تھی وہ آج کیوں نہیں ہے؟ کہا گیا تھا اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ[2]، یہ خاصیت اس میں آج بھی ہونی چاہیئے۔

---

[1] جو لوگ ظالمانہ طور پر یتیموں کا مال ہڑپ کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف انگارے بھرتے ہیں اور یقیناً وہ دہکتی اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں جائیں گے۔ [2] بلاشبہ نماز روک دیتی ہے بے شرمی کی باتوں سے اور گناہوں سے

غیر مسلم بھی نماز اور مسجد کا مرتبہ جانتے ہیں

غیر مسلم بھی نماز اور مسجد کا مرتبہ جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ پاک چیزیں ہیں، یہاں ہماری مسجد میں ایک موذن تھے، بیچارے اذان و نماز کے پابند تھے، مگر اخلاق میں کوئی تبدیلی اور ترقی نہیں ہوئی تھی، مسجد کے پاس ایک پھول دار درخت تھا، اس میں بہت اچھے پھول لگتے تھے، میں نے کہا تھا کہ دیکھو کوئی یہ پھول نہ توڑے، ایک دن ایک اہیر کسی ضرورت سے پھول توڑنے لگا۔ انھوں نے گالی دی تو کہنے لگا میاں ابھی مسجد سے نکلے ہو، گالی تو نہ بکو۔

بعض علماء کے ہاں بھی فرائض و احکام سے بے پرواہی ہے

فرمایا، بعض اہل علم ایسے ہیں کہ ان کے گھروں میں فرائض و احکام کا ذکر ہی نہیں ہوتا اور ان کی اولاد تک موٹی موٹی باتوں سے بے خبر ہوتی ہے۔ ایک مولوی صاحب کے داماد ہمارے ہاں زیور و نقد امانت رکھا کرتے تھے، بعض دفعہ بڑی رقم ہو جاتی تھی، ایک مرتبہ میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ اس مال کی زکوٰۃ بھی نکالتے ہیں؟ بہت سادگی سے کہا کہ اس کا تو کبھی گھر میں کوئی ذکر نہیں ہوا۔ زکوٰۃ اور اس کا عالم کے گھر میں ذکر ہی نہ ہو، اس پر مجھے یہ لطیفہ یاد آگیا کہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بمبئی کے ایک تاجر نے مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے بمبئی کی دعوت دی، والد صاحب کی طبیعت میں جہاں بہت جلال تھا وہاں سادگی بھی بہت تھی، بلا اطلاع تشریف لے گئے، ہم لوگ بھی ساتھ تھے، بمبئی میں ایک صاحب نے جو بھائی صاحب مرحوم کے سسرالی رشتہ دار ہوتے تھے اور عرصہ تک ہمارے گھر پر رہے تھے، انھوں نے دیکھ لیا، پیچھے پڑ گئے کہ ہمارے گھر تشریف لے چلیے، ہم کو گھر بیٹھے دولت مل گئی ہے، آپ کہاں یہاں آتے اور ہمارے گھر

تشریف لاتے، والد صاحب نے بہت عذر کیا کہ ہم کو فلاں صاحب نے بلایا ہے وہیں جائیں گے، مگر وہ نہ مانے اور اصرار کیا کہ کم از کم ایک روز تشریف رکھیں، ہم لوگ گھر پہنچے، سب چپ چاپ بیٹھ گئے، والد صاحب بھی مراقب وہ بھی مراقب، کھانے پینے کا کوئی ذکر فکر نہیں، جب بہت دیر ہوگئی اور بھوک نے ستایا تو والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بٹوہ سے ایک نوٹ نکال کر شفیع اللہ خاں صاحب کو جو ہمراہ تھے دیا کہ بازار سے کھانا لے آؤ، وہ صاحب چونکے اور کہنے لگے کھانا؟ کھانے کا انتظام تو مجھے کرنا تھا، میرا گھر تھا! شفیع اللہ صاحب کچھ ٹھٹکے۔ والد صاحب نے فرمایا یہ تو بیوقوف ہیں، تم بیوقوف نہ بنو، غرض کھانا آیا اور ان صاحب نے بھی بیٹھ کر کھایا، یہی قصہ زکوٰۃ کا ہوا کہ سب کچھ ہوتا رہا مگر اس کا ذکر ہی نہیں آیا، زکوٰۃ کا ذکر تو جب پیدا ہوئے تھے جبھی آگیا تھا، وہ تو کلمہ کے ساتھ ہی آگیا تھا۔ ایک بزرگ جو رقم آتی تھی دیدیا کرتے تھے، کبھی رکھتے نہ تھے، ایک مرتبہ رکھنا شروع کیا، خدام نے سمجھا مزاج بدل گیا ہے، جب مال زکوٰۃ کے قابل ہوا تو زکوٰۃ دیکر سب خیرات کر دیا، فرمایا میں زکوٰۃ ادا کرنے کی فضیلت سے محروم تھا، اتنا مال ہی جمع نہیں ہوتا تھا کہ زکوٰۃ مجھ پر فرض ہو، الحمد للہ ایک مرتبہ یہ سعادت بھی حاصل ہوگئی، پھر کبھی روپیہ جمع نہیں کیا، یہ ہے فرض کی ادائیگی کی فضیلت۔

تیرھویں مجلس

۲۷ر شوال ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۸ر جنوری ۱۹۶۸ء خانقاہ شریف
وقت ۱۰½ بجے سے ۱۲½ بجے تک

چونکہ اتوار تھا، اس لئے مجمع بہت تھا، خانقاہ کے دالان و صحن سب بھرے ہوئے تھے، ایک جلسہ سا معلوم ہوتا تھا، حضرت نے کچھ دیر کے بعد کھڑے ہو کر تقریر فرمانی شروع کی، آواز بہت بلند تھی اور طبیعت میں جوش بہت تھا، تین مرتبہ ایسا ہوا کہ تقریر ختم کر دی اور بیٹھ گئے پھر کچھ یاد آیا اور طبیعت میں تقاضا پیدا ہوا اور تقریر فرمانی شروع کر دی، کسی قسم کا سہارا لینا یا کرسی پر بیٹھنا منظور نہیں فرمایا، تقریر بھی مسلسل اور مربوط تھی، حاضرین ہمہ تن متوجہ اور بہت متاثر تھے، بعض حضرات پر رقت بھی طاری ہو جاتی تھی، شہر کے متعدد عمائد، افسران اور بڑے ملازمین، جدید تعلیم یافتہ اصحاب، کالجوں کے اساتذہ، طلباء، اور شہر کے متعدد علماء بھی موجود تھے۔

اہل طلب کے آنے سے سینہ کھلتا ہے

فرمایا۔ اہل طلب کے آنے سے سینہ کھلتا ہے، ان کی وجہ سے مضامین کا ورود ہوتا ہے۔ آپ ٹونٹی کھولیں گے تو پانی نکلے گا، آپ سمجھتے ہیں کہ ٹونٹی کا احسان ہے، نہیں بلکہ ٹونٹی پر آپ کا احسان ہے، وہ تو گرم رہتی، پانی نکلنے سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ پیر کون ہے، معنیٰ مرید ہونے والا پیر ہے، کیونکہ اس نے ترغیب دلائی کہ اللہ کا راستہ بتایا جائے، علم امانت ہے، علم وحکمت کی باتیں اللہ کے بندوں کو پہنچانا عالم کے فرائض میں سے ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا واقعہ

مولانا حسین احمد مدنی بھوپال تشریف لائے ہوئے تھے، تین روز کا قیام تھا میاں (بڑے صاحبزادے مولوی محمد سعید صاحب) اور ان کے ماموں خانقاہ تشریف لانے کی دعوت دینے کے لئے گئے، مولانا نے معذرت فرمادی کہ سب اوقات گھر چکے ہیں، اب کوئی وقت باقی نہیں ہے، میں نے کہا تم بچے ہو ابھی تمھیں کہنا نہیں آیا، میں گیا، حضرت آرام فرما رہے تھے، مجھے دیکھ کر اٹھنے لگے، میں نے کہا، نہیں آپ آرام فرمائیے، مجھے صرف ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ ایک شخص نے مسجد بنائی، وہ دروازہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور اندر آنے والوں کو روکتا ہے، مولاناؒ نے فرمایا کہ جب وہ مسجد بنا چکا اور وقف کر چکا تو اب اس کو کیا حق ہے؟ میں نے کہا آپ بھی مسجد ہیں، آپ نے اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کر دیا ہے، اب جو چاہے آپ سے فائدہ اٹھائے، فرمایا میں ضرور آؤں گا، لیکن کھانے کے بجائے چائے پر اکتفا کریں، میں نے عرض کیا مجھے تو دوسرا ہی فائدہ اٹھانا ہے، میں پانی پلا کر رخصت کر دوں گا، چنانچہ تشریف لائے، میں نے نظر بچا کر جوتیاں سیدھی کیں کہ عالموں کا احترام اللہ ورسول

کی محبت کی دلیل ہے، اور وہ تو حدیث نبوی کے شیخ تھے، دیر دیر رات تک حدیث کا درس دیتے تھے، اہل دنیا کا حال ہے کہ ان کی محفل میں کوئی بڑا عہدہ دار آجاتا ہے تو مجلس میں کھلبلی مچ جاتی ہے اور کوئی دیندار آتا ہے تو کسی کو توجہ بھی نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت نہیں۔

خلائی پروازیں انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ دنیا نے غور کرنے ہی سے ترقی کی ہے۔

پہلے ہمارے یہاں میٹھے تیل کا چراغ جلتا تھا، بارات میں مشعلیں لے کر لوگ چلتے تھے، دنیا نے اس پر اکتفا نہیں کی اور سوچتی اور تفکر کرتی رہی کہ اس سے آگے بھی روشنی ہونی چاہیئے۔ یہاں تک کہ آج اس بجلی کی روشنی تک پہنچ گئی، ایمان اور دین کے بارے میں یہی اصول ہونا چاہیے کہ جتنی روشنی ہمارے پاس ہے اس سے زیادہ کی طلب اور تلاش ہو کہ ترقی کی انتہا نہیں ہے، اہل یورپ زمین سے جب ترقی کر چکے تو انھوں نے اب آسمانوں، ستاروں اور چاند کی طرف توجہ کی ہے، میرے نزدیک یہ فطرت کے عین مطابق ہے اور اسی سے کمالات حاصل ہوتے ہیں۔ دین کے بارے میں بھی یہی نظریہ ہونا چاہیئے۔ شاعر نے ٹھیک کہا ہے ؎

ترقی طلب کیجیئے ہر گھڑی
خدا بے نہایت ہے راہ اس کی بڑی

دنیا نے اپنی ترقی پر اکتفا نہیں کیا، دین والوں نے اپنی حالتوں پر اکتفا کرلیا

دنیا نے اپنی ترقی پر اکتفا نہیں کیا دین والوں نے اپنی حالتوں پر کیوں اکتفا کر لیا، بات یہ ہے کہ جس طرح

دنیا کی عظمت اور وفاداری ان کے خیال میں ہے، اس طرح دین کی عظمت ہمارے خیال میں نہیں ہے، اگر میں بتادوں کہ فلاں جگہ خزانہ ہے تو آپ اس کے لئے کیا کچھ نہ کریں گے؟

موجودہ ترقیات کی مثال موجودہ ترقیات اور کمالات کی حقیقی ترقیات اور کمالات کے مقابلے میں مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اس پہ فخر کرے کہ میں نے گوبر کے کنڈے (اُپلے) بہت تھاپ لئے ہیں۔ بہت کام آئیں گے، یہ دراصل اس کی دماغ کی رکاکت اور پستی کی نشانی ہے، جن کے دل میں اللہ کی عظمت ہے، وہ اس نظر سے ہم کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ع

برعکس نہند نام زنگی کافور

دل کی آسودگی جب ہم انتہائی تنزل میں آگئے تو اس کو انتہائی ترقی کا نام دیدیا دل کا سکون اور روح کا اطمینان بالکل غائب، زندگی ایسی ہوگئی ہے جیسے ریشمی چادر کو کانٹوں پر ڈال کر کھینچئے، جس طرح وہ چادر پھٹ جاتی ہے، اسی طرح ہماری زندگی پارہ پارہ اور تار تار ہے، میرے یہاں دو لڑکے مزدوری کرنے آئے، کپڑے بالکل پھٹے ہوئے تھے، لیکن سارے دن ہنستے کھیلتے رہے، بات بات پر ان کی باچھیں کھلی جاتی تھیں اور ٹھٹھے لگاتے تھے۔ کام میں جٹے رہے، جب کھانے کا وقت آیا تو بھاجی اور سوکھی روٹی نکال کر کھانے بیٹھ گئے، ایسے مست اور مگن تھے جیسے بڑی نعمت کھا رہے ہوں، یہ اسباب سے بالکل خالی تھے، لیکن خوش تھے، ان کو یہ فکر نہیں تھی کہ امریکہ میں فلاں فلاں سامان ہیں، ولایت میں فلاں فلاں سامان، اسی کو کہا گیا ہے۔

خیر الغنی غنی النفس (سب سے اچھی تونگری نفس کی تونگری ہے)

اہل دنیا کا خوف وہراس میں کلکتہ میں ایک ڈاکٹر کے بنگلہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ وہ

زمانہ تھا جب جاپان کے کلکتہ پر حملہ کا خطرہ تھا۔ ٹیلیفون آیا، اس کو سن کر سب ہنسنے لگے، میں نے پوچھا کہ کیا بات تھی ہم کہنے لگے شہر کے بہت بڑے سیٹھ کا ٹیلیفون تھا کہ جب سے انھوں نے سنا ہے کہ جاپان کا ایک گولہ فلاں مقام پر گرا ہے ان کو دست لگ گئے ہیں، لوگ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے، ان لڑکوں کو کیوں اتنی ہنسی آتی تھی، اور وہ اتنے مست کیوں تھے، جوانی کا گرم خون، صحت اور بے فکری اور حقیقت میں جان جتنی بڑی دولت ہے، اتنی بڑی دولت کوئی نہیں۔ قرآن مجید حیات ابدی کا ضامن ہے:۔ لَا یَمَسُّهُمْ فِیهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ (نہیں چھوئے گی جنت میں ان کو تھکن اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے) بنی نوع میں کون ہے جو اس دولت کو نہ لے۔ اگر اب دنیا کی دولت اس کے مقابلے میں چھوڑ دی تو کیا کمال کیا؟ اس حقیقی دولت کے مقابلہ میں دنیا کی وہ دولت کنڈے اور اپلوں کی طرح ہے جب وہ حقیقی دولت چلی گئی تو سب کے سامنے جھکنے اور سجدہ کرنے لگے۔

افسر کے نام سے کلیجہ لرز جاتا ہے اور اللہ اکبر کی آواز سے کچھ اثر نہیں ہوتا

آج میں دیکھتا ہوں کہ افسر کے نام سے کلیجہ لرز جاتا ہے۔ اور اللہ اکبر کی آواز کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ افسر و حاکم خیالی اور خود ساختہ ہیں مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (نہیں اتاری ہے اللہ نے اس بات کی کوئی دلیل۔ حکمرانی تو بس اللہ ہی کا حق ہے)

وظیفہ کا راز

لوگ فرمائش کرتے ہیں کہ وظیفہ بتا دیجئے۔ آج پیشی ہے۔ عظمت تو دل میں حاکم کی بٹھائی ہے، اب وظیفہ کیا اثر کرے گا۔ ایک بی بی تشریف لائیں۔ مصیبت بیان کی۔ میں نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا وظیفہ بتایا۔ کہا یہ تو

میں پڑھتی ہی ہوں۔ میں نے کہا آپ تشریف لے جائیے۔ اللہ کے رسولؐ نے تو فرمایا تھا کہ یہ عرش کے خزانوں میں سے خزانہ ہے اور آپ کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں، اس کے مقابلے میں ایک دوسرے صاحب تشریف لائے اپنی ایک پریشانی بیان کی، میں نے لاحول ولاقوۃ الاباللہ کا ختم بتایا۔ انھوں نے کہا یہ تو بڑے حضور (حضرت پیر ابو احمد صاحب[1]) نے بتایا تھا کہ اس کے پڑھنے سے ایک شخص جس کو پھانسی کی سزا ہوئی تھی، بری ہو گیا، انھوں نے عظمت کے ساتھ پڑھا اور غیبی طریقہ پر ان کی ایسی مدد ہوئی کہ حیرت ہو گئی۔ ایسے بہت سے واقعات پیش آئے ہیں۔

ہمارا اسلام شیخ سعدی کی انگوٹھی ہے! فائدہ اٹھانے والا اور ٹھگنے والا جب تک بری چیز کو اچھا نہ بتلائے گا فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ والد نے ایک انگوٹھی بنا کر دی تھی میں مکتب پڑھنے جاتا تھا، ایک عیار مجھے راستہ میں ملا، اس نے مجھے ایک کھجور دی میں نے کھایا تو میٹھی تھی کہا کہ اب انگوٹھی چوس کر دیکھو میں نے چوسا تو پھیکی اور بے مزہ تھی، کہا کہ اب یہ پھیکی او ربے مزہ چیز مجھے دیدو اور میٹھی کھجور لے لو۔ اس طرح اس نے انگوٹھی ٹھگ لی، یہی ہماری مثال ہے۔ لوگوں نے ہم سے کہا یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا، اس کا نام اسلام ہے۔ یہ باپ دادا سے چلا آرہا ہے، یہ ہم کو بڑی تکلیف دیتا ہے، ہم کو میٹھی نیند سونے نہیں دیتا۔ چیچڑیوں اور جوؤں کی طرح ہم کو کاٹتا ہے اور ہم .... کو اس کی وجہ سے صبح اٹھنا پڑتا ہے، انھوں نے کہا اسمیں کچھ نفع بھی ہے؟ ہم نے کہا محض خیالی نفع ہے، انھوں نے کہا ہم کو یہ دیدو اور یہ دولت اور کرسیاں ہم سے لے لو، ہم جس پستی میں تھے، اس پستی میں ہم کو اسلام پست اور بے کار نظر

---

[1] صاحب ملفوظات حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کے والد ماجد اور شیخ۔

آتا تھا اور یہ دنیا کی دولتیں بلند دکھائی دیتی تھیں، ایک شخص کھائی میں پڑا ہوا ہے، اوپر بلندی پر بلی ہے، وہ کہتا ہے کہ بلی انسان سے اونچی ہوتی ہے، اب جب تک اس بلی کو کھائی میں نہ لایا جائے یا اس شخص کو بلندی پر نہ بٹھایا جائے وہ اسی پر اصرار کرتا رہے گا، کہ بلی انسان سے اونچی ہوتی ہے، یہی وہ حالت ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے۔ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (پھر لوٹا دیا ہم نے اس کو پست سے پست تر حالت میں) اب اگر پوچھا جائے کہ کھائی میں سے نکلنے کا کیا راستہ ہے، کہا جائے گا ہاں ایک جوہر ہے،

"إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ"

(ہاں وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کو اپنایا تو ان کے لئے ابدی اجر ہے)

ہماری پستی کی انتہا

آج ہماری قوم اس پستی میں پہنچ گئی ہے کہ اسلام کا کوئی جوہر اس میں نہیں پایا جاتا۔ نہ صداقت ہے نہ امانت۔ نہ اخلاق نہ عمل، ہر قسم کی بداخلاقیاں اور جرائم ان میں مل جائیں گے، چور، دغاباز، عیار، رہزن، سب ملیں گے، نام عبدالرحمن، محمد سلطان وغیرہ وغیرہ، جذبات پر قابو رکھنا اور غصہ کو دبانا تو آتا ہی نہیں، دو شخصوں میں ذرا گفتگو ہوئی اور ایک نے دوسرے کو چاقو مار دیا۔ غصہ کا محل کیا ہے؟ اور خوشی کا محل کیا ہے؟ یہ جانتے ہی نہیں۔ ساتھی پر تو اتنا غصہ آیا اور نفس کی شرارتوں پر کبھی غصہ نہیں آیا۔ وجہ یہ ہے کہ ہم کو اپنی حقیقت معلوم نہیں: يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۔ قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ۔ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ۔ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ۔ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ۔ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۔ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ " (اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کی بابت دھوکے میں ڈالا ہے؟۔ اللہ کی مار ہو انسان پر وہ کیسا ناشکرا

ہے (دیکھتا نہیں کہ) کس چیز سے اسکو پیدا کیا؟ نطفہ سے پیدا کیا اس کو پھر اندازہ ٹھہرایا اس کا، پھر آسان کیا راستہ
پھر اسے موت دی، پھر قبر میں پہنچایا پھر جب چاہے گا اسے قبر سے نکال کر کھڑا کردے گا)

شیخ سعدیؒ کی ایک اور حکایت

شیخ سعدیؒ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک آبرو باختہ شخص نے ایک بزرگ سے کچھ پیسے مانگے، انھوں نے عذر کیا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ؎

طمع برد شوخے باصاحب دلے نبوداں زماں در میاں فاضلے

یہ سنکر وہ شخص جامہ سے باہر ہوگیا اور ان بزرگ کی کھڑے ہوکر ہجو بیان کرنی شروع کردی، کہنے لگا کہ ان جیسے لوگوں کے دھوکے میں نہ آنا یہ جس وقت مراقب اور سر بزانو ہوتے ہیں تو بڑے بزرگ معلوم ہوتے ہیں، لیکن یہ اپنے شکار کی تاک میں رہتے ہیں، یہ مسجد اس لئے آتے ہیں کہ یہاں بہت لوگ آتے ہیں، کوئی موٹا سا شکار ہاتھ آجائے گا، ان کو گھر میں شکار نہیں ملتا تو خانہ خدا میں شکار کرنے آتے ہیں ؎

کہ چوں گربہ زانو بدل برنہند وگر صیدے افتد چو سگ در جہند
سوئے مسجد آورد دکانِ شید کہ در خانہ کمتر تواں یافت صید

کہنے لگا کہ قافلہ پر تو شیر مرد ڈاکہ ڈالتے ہیں جو کھلے میدان میں اپنی شجاعت کا جوہر دکھلاتے ہیں، لیکن یہ درویش نما رہزن لوگوں کی جیب کاٹتے ہیں یہ اپنی گدڑی میں سفید اور سیاہ پیوند لگائے ہوتے ہیں، لیکن وہ اس کے اندر سونا چھپائے ہوئے ہیں ؎

رہ کارواں شیر مرداں زنند ولے جامۂ مردم اینان کنند
سپید و سیاہ پارہ بر دوختہ بسالوس پنہاں زر اندوختہ

کہنے لگا کہ یہ عبادت میں تو بہت ضعیف اور سست نظر آتے ہیں لیکن رقص و حالت

وجد میں بڑے جوان اور چست بن جاتے ہیں ؎

مبیں در عبادت کہ پیران وسست
کہ در رقص وحالت جوانند وچست

یہ دیکھنے میں بڑے ضعیف ونحیف اور زار ونزار نظر آتے ہیں، لیکن یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہیں جو اژدھوں اور سانپوں کو ہضم کر لیتا تھا اور ایسا ہی سوکھا کا سوکھا اور سوٹا بنا رہتا تھا ؎

عصائے کلیم اند بسیار خوار
پس آنگہ نمایند خود را نزار

نہ یہ متقی پرہیزگار ہیں نہ عالم وحکیم، بس صرف اتنی بات ہے کہ دین کے ذریعہ دنیا کھاتے ہیں ؎

نہ پرہیزگار ونہ دانشور اند
ہمیں بس کہ دنیا بدیں می خورند

اس نے کہا تمام سنتوں میں سے انھوں نے بس دو ہی سنتوں کا انتخاب کیا ہے، ایک سنت قیلولہ اور ایک طعامِ سحور ؎

ز سنت نہ بینی در ایشاں اثر
مگر خواب پیشیں ونانِ سحر

ان بزرگ نے جب اپنی ہجو سنی تو فرمایا اس نے تو محض اپنے گمان وقیاس سے یہ باتیں کہی ہیں، مجھے تو ان کا یقین حاصل ہے، کیونکہ میں اپنے عیوب کا مشاہدہ کرتا ہوں

نہ روئے گماں بر من اینہا کہ بست
من از خود یقیں می شناسم کہ ہست

اس بیچارے کا تجربہ تو صرف ایک سال کا ہے کہ اس کی ملاقات کو اس سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا اور مجھے تو اپنی عمر ستّر سال کا حال معلوم ہے۔

دے امسال پیوست باماہ وصال
کجا داندم عیب ہفتاد سال

اگر میدان حشر میں یہی میرے خلاف گواہ گذرے گا تو مجھے بڑا اطمینان ہے کہ میرے ساتھ اچھا ہی معاملہ ہوگا، پھر مجھے دوزخ کا ڈر نہیں۔

بحشر گواہِ گناہم گر اوست
ز دوزخ نترسم کہ حاکم نکوست

ایک بزرگ کی بے نفسی

سعدی علیہ الرحمہ ایک دوسری حکایت سناتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادیؒ عید کے روز حمام سے نہا کر اور صاف کپڑے پہن کر نکلے، ایک شخص نے کوٹھے پر سے ان پر کوڑا پھینک دیا، انھوں نے فرمایا، میں تو اس قابل تھا کہ مجھ پر پتھر پڑیں تیری رحمت ہے کہ پتھر کو میرے لئے کچرا بنا دیا۔

اصل بہادری

تقسیم کے بعد یہاں ہڑبونگ کا زمانہ تھا، مولوی نعمان صاحب جا رہے تھے، ایک شخص نے پیچھے سے ان کو مکا مار دیا۔ انھوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور ایک لات ماری۔ وہ شخص گر گیا۔ یہ آگے بڑھ گئے۔ اس کا ذکر خانقاہ میں ہوا۔ مولوی عبدالرشید صاحب بیٹھے تھے۔ کہنے لگے، نعمان میاں کسی سے مار کھانے والے نہیں! میں نے کہا یہ مت کہیئے، ہم آپ کی بہادری جب سمجھتے کہ آپ پر رنگ اور گوبر ڈالا جاتا تو خاموش چلے آتے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

چوں نہ داری ناخن درندہ تیز   بابداں آں بہ کہ کم داری ستیز

بے وقت کی گرمی بنا بنایا کھیل بگاڑ دیتی ہے

نرمی جتنا عمدہ کام دیتی ہے سختی نہیں دیتی ہے، بے وقت کی تیزی اور گرمی بنے بنائے کھیل بگاڑ دیتی ہے۔ جیسے اس قصہ میں مسلمانوں کا جیتا ہوا مقدمہ ہار گیا، جس میں کلثوم بیا کی مسجد پر حملہ ہوا اور حکام کو مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی تھی، لیکن جامع مسجد میں کچھ لوگ جوابی کارروائی کرنے کے ارادے سے بیٹھے اور وہ گرفتار ہو گئے اور کھیل بگڑ گیا۔ اگر ایسے موقع پر بجائے جوابی کارروائی کے جس کا سوائے ذلت و پریشانی کے کوئی نتیجہ نہیں دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرتے اور کہتے اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ تو بہتر تھا۔

ہماری گراوٹ

دوسری قوم اتنی ذلیل نہیں ہوئی جتنا ہم ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے فرمایا کہ ہم نے تم پر اتنے بڑے بڑے انعامات کئے، لیکن تم نے نافرمانی کی وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (اور جس نے بدل ڈالا اللہ کی نعمت کو تو اللہ بڑا ہی سخت سزا دینے والا ہے) ہم میں چور، ڈاکو، سب برائیوں والے موجود ہیں دوسری قوم والے کم ہوں گے، بیرا گڑھ میں ایک سندھی عورت نے کچھ رقم جمع کی تھی، اس کو رات پڑ گئی۔ ایک صاحب دیندار صورت کے یہاں جن کی نیچی داڑھی تھی اس نے پناہ لی کہ یہ مسلمان ہیں اور دیندار ہیں۔ انھوں نے رات کو اس کو قتل کرکے اس کی رقم پر قبضہ کر لیا بالآخر گرفتار ہوئے اور اب بھی جیل میں پڑے ہوئے ہیں۔

صحابۂ کرام کی اصل کرامت

مجھے رسالہ "بین الجبایة والهدایة"[1] میں یہ پڑھ کر بڑا مزہ آیا کہ لوگ اسلام کا بڑا معجزہ اور

---

[1] راقم السطور کا ایک عربی رسالہ جو عرصہ ہوا شائع ہوا تھا۔

صحابۂ کرامؓ کی بڑی کرامت یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا لشکر دریائے دجلہ کو گھوڑوں پر بیٹھ کر عبور کر گیا اور نہ کوئی ڈوبا اور نہ کسی کی کوئی چیز ضائع ہوئی، لیکن فی الحقیقت اسلام کا بڑا معجزہ اور صحابہ کرامؓ کی اصل کرامت یہ تھی کہ دولت کے دریا امنڈ آئے اور قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے قدموں سے لگ گئے وہ اس دریا میں سے ہو کر صاف نکل گئے اور ان کا دامن بھی تر نہ ہوا۔

جنازہ میں شمولیت بھی رسم بن گئی

میں نے ایک دوست سے کہا کہ لوگ جنازہ میں شامل ہوتے ہیں۔ مجھے ایک بھی جنازہ میں شامل ہوتا نظر نہیں آیا۔ جنازہ میں شمولیت یہ ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ یہ جنازہ فلاں آدمی کا نہیں پڑا ہے، در اصل میں مرا ہوں، یہ نماز جنازہ میری نماز جنازہ کا ریہرسلؔ ہے، لیکن مجھے زندگی کی ایک مہلت مل گئی ہے۔ مجھ سے کسی نے کہا کہ فیض اللہ خان نے جہانگیر آباد میں انتقال کیا، میں نے کہا غلط! صحیح یہ ہے کہ میں مرا ہوں۔ یہ میرے انتقال کی خبر ہے۔ مجھے سمجھنا چاہیئے کہ یہ میری ہی نماز پڑھائی جا رہی ہے اور پھر قبر دیکھ کر یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ سب ارادے اور آرزوئیں دفن ہو رہی ہیں، لیکن اس کے برخلاف میں نے دیکھا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے سب نے ہاتھ اٹھائے۔ ایک صاحب سگریٹ پی رہے تھے اس کو ذرا جھکا دیا کہ بجھے نہیں اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے۔ پھر بدستور سگریٹ پینے میں مشغول ہو گئے۔ میں نے منشی حکیم الدین سے کہا کہ دیکھئے مردہ سگریٹ پی رہا ہے، قبر حجلۂ عروسی ہے۔ کامیاب وہی ہے جو ایمان سلامت لے گیا۔

بیرونِ گور لاف کرامت چہ می زنی
ایمان اگر بگور بری صد کرامت است

ؔ حضرت نے یہی لفظ استعمال کیا اور متعدد بار متعدد موقعوں پر یہ لفظ استعمال فرماتے رہے۔

اگر بارات بڑی دھوم دھام ہے اور بڑا تزک واحتشام ہے، لیکن نوشہ اہل نہیں تو کچھ فائدہ نہیں۔

خدمت میں جو لطف ہے وہ مخدومیت میں نہیں

خدمت میں جو لطف ہے وہ مخدومیت میں نہیں، میری کسی نے خدمت کی تو معلوم ہوا کہ کھانا تو کھا رہا ہوں مگر پھیکا، اور میں نے جب کسی کی خدمت کی تو معلوم ہوا کہ میں نے نہایت لذید اور چٹ پٹی چیز کھائی۔

نفس کے موٹاپے کا راز

ایک بزرگ نے جب اپنے نفس پر غور کیا تو بہت موٹا پایا۔ انھوں نے نفس سے کہا کہ میں نے اتنے مجاہدے کیے، مگر تم موٹے رہے؟ نفس نے کہا کہ میرے موٹاپے کی وجہ یہ ہے کہ جو آپ کے پاس آتا ہے وہ جھکتا ہوا آتا ہے، لوگ بادشاہوں کی بھی ایسی تعظیم نہیں کرتے جیسی آپ کی۔ کوئی دست بوسی کرتا ہے، کوئی قدم بوسی اور جو آپ کھانا کھاتے تھے وہ آپ کے جسم کو پہنچتا تھا لیکن یہ تعظیم میری غذا تھی، اسی وجہ سے میں موٹا ہو گیا ہوں، بالآخر انھوں نے اس کا علاج کیا اور ایسا سامان کیا کہ نفس پر ضرب لگی اور اس کا علاج ہو گیا۔۔۔ طویل قصہ ہے۔ کل ختم کے بعد میں نے کہا کہ فلاں کا نکاح ہوگا اور حضرت قدوۃ السالکین نکاح پڑھائیں گے۔ مطیع اللہ خانصاحب نے کہا وہ کون ہیں؟ میں نے کہا یہی شاہ محمد یعقوب صاحب جو بیٹھے ہوئے ہیں، لوگ ایسے ایسے القاب لکھتے ہیں کہ نفس پھول جائے، مجھے تو اپنے ایک بچے کا یہ لکھنا بہت پسند آیا کہ میرے اچھے میاں، جس ہاتھ کو بوسے دیئے جاتے ہیں اگر احساس ہو تو اس میں زخم ہیں اور پھوڑے جن پر مرہم اور زندہ طلسمات ملنے کی ضرورت ہے۔

چودھویں مجلس

۲۹ر جنوری ۱۹۶۸ء خانقاہ شریف بھوپال۔ حاضرین
مجلس بدستور۔ وقت ساڑھے دس بجے سے
ساڑھے بارہ بجے تک

کوئی شخص کمال سے خالی نہیں کوئی شخص کمال سے خالی نہیں، کمال ہر ایک میں موجود ہے، بعض میں کالمعدوم ہوتا ہے مگر ہوتا ہے۔ ہر شخص میں استعداد ودیعت ہے جو اس وقت نظر نہیں آتی۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اس بیج میں دس ہزار پھل اور دس لاکھ پتیاں ہیں تو کون مانے گا۔ اہل باطن اس کمال اور مخفی طاقت پر نظر رکھ کر ہر شخص کی توقیر کرتے ہیں، جیسے قصّہ ہے کہ دہلی کے بانکے جن کی داڑھی منڈی ہوئی تھی، جسم پر انگرکھا، سر پر ترچھی ٹوپی، ٹخنے کے نیچے پاجامہ حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے اور بہت عزت کے ساتھ بٹھایا، لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ حضرت بڑے بڑے رؤسا اور فضلا کے لئے کھڑے نہیں ہوتے، ان میں کیا خوبی دیکھی کہ سرو قد تعظیم کی، تھوڑی دیر

میں انھوں نے ایک پرچہ نکالا اور کہا کہ یہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا خط ہے؛ حضرت نے فرمایا کہ مجھے اس کے انوار محسوس ہوئے، پس جس طرح ان کی جیب میں حضرت مرزا صاحب کا خط چھپا ہوا تھا جس کے انوار حضرت شاہ غلام علی صاحب کو محسوس ہوئے اسی طرح انسان کے اندر کا ایمان یا اس کی فطری استعداد یا اس کا مخفی کمال تعظیم و احترام پر مجبور کرتا ہے ۔میں حیدر آباد میں جلالی پڑھنے کے لئے ایک صاحب کے پاس جاتا تھا جو بہت سی کمزوریوں میں گرفتار تھے، لوگ مجھے بہت سمجھاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ نے بہت غلط انتخاب کیا، میں کہتا تھا کہ ان میں بہت سی خرابیاں ہیں، مگر اللہ نے ان کو ایک کمال عطا فرمایا ہے' یہ بھی معنی ہیں وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کے ۔

کلام کا صحیح مطلب متکلم کی حالت اور محل کلام دیکھ کر سمجھ میں آتا ہے

فرمایا — کلام کا صحیح ترجمہ متکلم کی حالت اور موقعہ کلام کو دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کسی صاحب کے یہاں ایک غیر ملکی خادم تھے جو زبان اچھی طرح نہیں سمجھتے تھے' وہ صاحب ایک مرتبہ بیت الخلا میں تھے، انھوں نے کہا پانی لاؤ۔ خادم نے کسی سے دریافت کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؛ انھوں نے لوٹے کی طرف اشارہ کیا کہ اس میں پانی لےجاؤ، وہ بے چارہ سمجھا کہ اس جملہ کا یہی ترجمہ ہے، ایک دن انھوں نے دسترخوان پر پانی مانگا ۔وہ خادم صاحب پاخانہ کے لوٹے میں پانی لیکر پہنچے، لوگوں نے ان کو ٹوکا اور کہا گلاس میں پانی لے کر پیش کرو، اب وہ سمجھے کہ اب اس جملہ کا یہی ترجمہ ہو گیا، ایک مرتبہ صاحب خانہ نے پھر پاخانہ سے پانی مانگا۔ وہ اب کے گلاس میں پانی لے کر پہنچ گئے،

یہی حال اچھے اچھے سمجھدار لوگوں کا ہے اور یہی وحدۃ الوجود اور بڑے بڑے جھگڑوں کا حل ہے کہ کلام، متکلم کی حالت سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا، دیکھنا یہ ہے کہ متکلم نے جب یہ کلام کیا تو وہ کس مقام پر تھا، اس پر کیا حالت طاری تھی، اس کی کیا کیفیت تھی، بے محل اگر فصیح و بلیغ الفاظ بولے جائیں تو ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ کسی نے مہترانی سے کہا اے کنّاسہ تیری جاروب کشی نے میرا دماغ معبّر کر دیا ہے" وہ بے چاری کچھ نہ سمجھی، دوسرے نے کہا" ہلکے ہاتھ جھاڑ، گرد آرہی ہے۔ کسی نے دیہاتیوں سے پوچھا کہ" آپ کے قریات میں امسال تقاطر امطار ہوا یا نہیں"۔ وہ کچھ نہ سمجھے، ایک شخص نے کہا کہ پوچھتے ہیں کہ چھینٹا پڑا یا نہیں تو وہ سمجھ گئے۔

سلوک سے مراد حصول یقین ہے

ایک بزرگ نے اپنے ایک مرید سے اجازت کے بعد کہا کہ جانتے ہو کہ تصوّف کا خلاصہ کیا ہے۔" پختن خیال" میں نے کہا اس کا نام تو جنون ہے، مجنوں کے دل میں بھی ایک بات جم جاتی ہے اور وہی کہتا رہتا ہے، یہاں چند آدمی ایک صاحب کو لے کر آئے۔ انھوں نے کہا حضرت یہ میرے بھانجے اور بھتیجے مجھے دیوانہ سمجھتے ہیں، حالانکہ میں دیوانہ نہیں ہوں، میں تو کہتا ہوں کہ زمین پر جب میں دو انگلیاں رکھتا ہوں تو ہلنے لگتی ہے، دیکھئے میں نے یہ انگلیاں رکھی ہیں، یہ ہلی کہ نہیں، رام پور کے ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے کہا ہل رہی ہے، یہی مسمریزم میں ہوتا ہے کہ توجہ کو کسی ایک مرکز پر مرکوز کر کے طاقت پیدا کر لی جاتی ہے، پھر اس سے تغیرات ہونے لگتے ہیں، بس میں نے کہا کہ سلوک سے مراد حصول یقین، اپنی سمجھ کو ٹھیک کرنا مقصود ہے، حقائق موجود ہیں۔ اس پر یقین پیدا کرنا ہے، قرآن شریف میں ہے: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

إلیٰ آخر الآیۃ۔ دنیا کی ہر چیز اللہ کی حمد و تسبیح کرتی ہے (لیکن تم لوگ اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے)۔

اسلام کا عہد نامہ

فرمایا کہ ——— ایک مرتبہ میں دہلی گیا ہوا تھا اور اسی زمانہ میں .... وہاں سخت سیلاب اور زلزلہ آیا ہوا تھا۔ کاندھلہ کے احباب اصرار کر کے دہلی سے اپنے یہاں لے گئے، وہاں جا کر دو افسوسناک باتوں کا علم ہوا، ایک یہ کہ کاندھلہ اور رٹول والوں میں جو ایک دوسرے کے عزیز ہیں، سخت مخالفت اور ایک دوسرے کا مقاطعہ ہے، یہاں کا آدمی وہاں نہیں جا سکتا، وہاں کا آدمی یہاں نہیں آسکتا، آپس میں عہد کر رکھا ہے کہ ایک دوسرے کے جنازہ میں بھی شریک نہیں ہوں گے، دوسری مصیبت یہ تھی کہ ایک شریف خاندان کی دو لڑکیاں جن کی عمر تجاوز کر رہی ہے بے شادی کے بیٹھی ہوئی ہیں، اگر ایک جگہ ان کا رشتہ کرنے کا خیال ہوتا ہے تو ایک بزرگ اور عزیز کہتے ہیں کہ ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہونگا، اگر دوسری جگہ رشتہ کرنے کا خیال ہوتا ہے تو دوسرے بزرگ کہتے ہیں کہ میں نہیں شریک ہونگا۔ مختلف جگہوں سے پیام آتے تھے اور نامنظور ہو جاتے تھے، بعض لوگوں نے مجھ سے یہ حالت بتائی اور وعظ و نصیحت کی فرمائش کی، ایک جگہ دونوں مقام کے لوگ جمع تھے۔ میں نے وعظ کہنا شروع کیا، پہلے عہد و معاہدہ کی اہمیت، اس کو پورا کرنے کا شرعی حکم اور تاکید بیان کی۔ اس پہ ان لوگوں کے کان کھڑے ہوئے جنھوں نے خود فرمائش کی تھی اور یہ سمجھتے تھے کہ میرے کہنے سننے سے مصالحت کا جذبہ پیدا ہوگا، ان کو تعجب ہوا کہ اس عہد و معاہدہ نے ہی تو اتنی دوری پیدا کر دی ہے، یہ اور اس عہد و

؎ ضلع میرٹھ۔ تحصیل باغپت میں ایک قصبہ ہے۔

.. .. معاہدہ کی اہمیت بیان کر رہا ہے۔
جب میں نے اس مضمون کو خوب بیان کر لیا تو میں نے حاضرین سے پوچھا کہ اگر آج ایک
شخص یہ عہد کرتا ہے کہ فلاں شہر میں نہ جائے گا، فلاں آدمی سے بات نہ کرے گا اور کل
یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اس شہر میں جائے گا اور اس آدمی سے بات کرے گا تو ان دونوں
عہدوں میں سے کون سا عہد قابل لحاظ ہے اور کس کا ایفا زیادہ ضروری ہے؟
لوگوں نے کہا کہ پہلے عہد کا۔ میں نے کہا اب آپ حضرات غور کریں کہ آپ کا پہلا عہد کیا ہے،
قرآن شریف میں آتا ہے:۔

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَلَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُّبِينٌ (اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا کہ تم شیطان کی پرستش اور
بندگی نہ کرو، وہ تمھارا کھلا دشمن ہے) یہ عہد اس دنیا میں آنے سے پہلے عالم ارواح میں ہوا،
اس کی پابندی اور ایفا ضروری ہے یا اس عہد کا جو آپ نے ابھی کچھ دن پہلے کیا ہے۔
اس پر وہ مقاطعہ ختم ہوا۔ اور برسوں کے بعد ایک قصبہ کے لوگ دوسرے قصبہ کے لوگوں
سے ملے۔ اس عرصہ میں بچے سیانے ہو گئے تھے، کسی نے اپنے بھانجے کو نہیں دیکھا تھا،
کسی نے اپنے بھتیجے کو، سب ایک دوسرے سے گلے ملتے تھے اور بچوں کو دکھلاتے
تھے کہ یہ آپ کا بھانجہ ہے، یہ آپ کا بھتیجہ ہے، غرض دونوں قصبوں میں ملاپ ہو گیا۔

ادھر ان بچیوں کی ماں نے بیعت کی خواہش کی، میں نے کہا تم جو نماز روزہ کرتی
ہو کافی ہے، مرید ہونے کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے کہا ہم سے کیا قصور ہوا ہے کہ
ہم کو مریدی میں قبول نہیں کیا جاتا، میں نے کہا مرید ہونے کے بعد ہر بات ماننی پڑے گی،
انھوں نے کہا ہم کو منظور ہے، میں نے ان کو مرید کیا اور کہا کہ اب میں ان لڑکیوں کی

شادی کروں گا۔ جہاں جہاں سے پیام آئے ہیں مجھے دے دو، میں نے ان کے نام حاصل کر لیئے اور ان کے حالات و تفصیلات بھی معلوم کر لیں، میں ایک باغ میں کچھ وقت تنہا گزارا کرتا تھا، وہاں میں نے ان پر غور کیا اور دو لڑکوں کا جن کے پیام آئے تھے انتخاب کر لیا۔ معلوم ہوا کہ ان کا پیام رد کیا جا چکا ہے اور جب انھوں نے تقاضا اور یاد دہانی کے خطوط لکھے تو ان کو لکھ دیا گیا کہ اگر تم کو ڈاکخانہ کو فائدہ پہنچانا ہی ہے تو یوں ہی روپیہ دیدو۔ ہم تمھارے خط بے پڑھے جلا دیتے ہیں، میں نے کہا کہ ان کو تار دے کر بلا لیا جائے، غرض وہ لڑکے اور ان کے والد آئے، میں نے ایک دم سے نکاح کا اعلان کروا دیا، نہایت سادگی سے ایجاب و قبول ہو گیا، مہر کا سوال ہوا تو لڑکوں کے والد بولے مہر فاطمی، میں نے کہا نہیں، مہر مثل جو اس لڑکی کی ماں کا تھا وہی ہو گا، انھوں نے کہا کہ مہر فاطمی تو سنت ہے، میں نے کہا حضرت فاطمہ کا مہر ادا کرنا تھا تو علی مرتضیٰ کی شکل بھی بنائی ہوتی۔ لڑکوں کو دیکھو غیر شرعی صورت، کیا علی مرتضیٰ کی یہی صورت و سنت تھی۔ غرض وہ نکاح ہو گئے، میں نے کہا کہ شادی میں آپ کیا صرف کرتے؟ کہنے لگے بارات آتی ہزار ڈیڑھ ہزار صرف ہوتا ہی، میں نے کہا وہ ہزار لڑکی کے لئے امانت ہیں۔ وہ اس کو دیدیجیئے گا۔

انبیاء علیہم السلام اور مشائخ و مرشدین کی مثال

فرمایا ایک بات آج عرض کرنی ہے، کل بہت مجمع تھا۔ عرض کرنے کی بات یہ ہے کہ ہوا، تیل، بتی الگ الگ چیزیں ہیں، ان کے ملنے کا نام روشنی رکھا گیا ہے۔ روشنی آسمان سے نہیں آتی، جب تیل بتی ملتے ہیں اور ان کو حرارت پہنچتی ہے پھر جلانے والی ہوا (آکسیجن) ان کو پہنچتی ہے تو وہ بتی روشن ہوتی ہے۔ اگر بجھانے والی ہوا (کاربن ڈائی آکسائڈ) سے حفاظت کر لی جائے۔

لہ حضرت یہ دونوں اصطلاحی نام جناب بدیع الحسن ایم ایس سی استاد سیفیہ کالج سے پوچھ کر فرماتے تھے جو خانقاہ کے خاص حاضر باش لوگوں میں سے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا احسان یہی ہے کہ وہ روشنی پیدا کر دیتے ہیں۔ اسکی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص آپ کو ایک اندھیرے مکان میں لے جاتا ہے، وہ آپ کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر وہاں کی چیزیں دکھلاتا ہے اور وہاں کا سامان بتاتا ہے، دس بیس چیزیں اس نے بتائیں، ابھی معلوم نہیں کہ مکان میں اور کیا کیا ہے، اگر آپ کو دس چیزیں معلوم ہوئیں تو پچاس چیزیں نہیں معلوم ہیں، ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے بٹن دبایا، سارا مکان روشن ہوگیا، اب آپ اپنی آنکھوں سے سب چیزیں دیکھ لیں گے، اس کی ضرورت نہ رہے گی کہ ہاتھ پکڑ پکڑ کے بتایا جائے، یہی حال سلوک کا ہے کہ آپ کو شیخ نے انگلی پکڑ پکڑ کر چلایا اور ہاتھ پکڑ پکڑ کر دس پانچ چیزیں بتائیں، آپ پیر و مرشد کی تعریف کرتے ہیں کہ ہم نے انکی مہربانی سے اتنی چیزیں دیکھ لیں، کل کو انھوں نے اور چیزیں بتا دیں، آپ نے کہا اور سلوک طے ہوگیا۔ قرآن مجید اور انبیاء نے کیا کیا، بتی جلادی، اب سب روشن ہوگیا، ہر شخص کی ذات میں روشنی کا سامان ہے۔ ہر ایک کی بتی ہر ایک کے پاس ہے، خون، اپنی مشقتیں اور عبادات اس کا تیل ہے، یہ خون وہ ہے جو جلنے سے بڑھتا ہے، اب بجھانے والی ہوا سے حفاظت یعنی کفر و معاصی اور حُبِ دنیا سے پرہیز ضروری ہے، سب کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ انسان خلاصۂ موجودات ہے، جو کچھ دنیا میں باہر ہے وہ سب اس کے اندر ہے۔

فرمایا، میرے اندر محبت کا مادہ شروع سے ہے، اچھی آواز اور اچھے شعر سے مجھ پر بڑا اثر پڑتا ہے، بعض مرتبہ ایک ایک شعر کئی کئی دن تک زبان پر جاری رہتا ہے۔ حکیم ابو حبیب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تم پر چشتیت کا رنگ غالب ہے۔ میں حیدرآباد میں ایک قہوہ خانہ سے گزر رہا تھا کہ ایک لڑکا یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

میری لحد پہ کوئی پردہ پوش آتا ہے
چراغِ گورِ غریباں صبا بجھا دینا

پہلا مصرعہ تو میری سمجھ میں آیا، دوسرے مصرعہ کا مطلب پوری طرح سمجھ میں نہیں آیا، میرے بعض بے تکلف دوست سید عمر صاحب کے مزار پر پکڑے گئے۔ وہاں عرس تھا، قوال یہی شعر پڑھ رہا تھا، میرے ذہن میں بجلی کی طرح اس شعر کا مطلب آگیا، بزرگان دین اس جسم کو لحد کہتے ہیں، وہ جسم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے روح کی طرف متوجہ ہو کر آپ فاتحہ پڑھتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ چراغ دنیا جب تک نہ بجھے وہ انوار نہیں پہنچ سکتے۔

شادیوں میں سب بلائے جاتے ہیں صرف خدا اور رسول کو رخصت کر دیا جاتا ہے

فرمایا کہ شادیوں[1] میں سب بلائے جاتے ہیں صرف خدا اور رسول کو رخصت کر دیا جاتا ہے، صرف شادی کے اوقات میں وہ باہر رہتے ہیں، پھر ان سے راہ و رسم پیدا کر لی جاتی ہے۔

نماز روزہ کے ساتھ بے پردگی اور خدا کی نافرمانی

بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ نماز بھی جاری ہے۔ خدا سے واسطہ بھی ہے۔ مگر گھر میں بے پردگی بڑھ رہی ہے اور ان کو کچھ پروا نہیں ہے، اب یہ بات اتنی بڑھ گئی کہ مسلمانوں

---

[1] یہ زمانہ (شوال کا مہینہ) بھوپال میں کثرت سے شادیوں کا ہوتا ہے اسلئے کہ بہت سے جہلاء ذیقعدہ میں (جس کو خالی کا مہینہ کہتے ہیں) اس قسم کی تقریبات نہیں کرتے، اس زمانہ میں بھی شادیوں کا زور تھا اور مجلسوں میں برابر وہ لوگ آیا کرتے تھے جن کا ان تقریبات سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق ہوتا تھا، اس لئے بار بار یہ مضمون دہرایا جاتا تھا۔

میں پردہ کوئی چیز ہی نہیں ہے، عورتیں بے محابا منہ کھولے پھرتی ہیں، حدیث میں ایسی بے حیائی کے لئے کتنے سخت الفاظ آئے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ کے حکم کو پس پشت ڈالنے والوں کے لئے کتنے سخت الفاظ ہیں "وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰهُمُ النَّارُ" (جن لوگوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی ان کا ٹھکانا دوزخ ہے) بعض مرتبہ دواخانہ[1] جانا ہوا، میں نے دیکھا کہ بعض ترقی پسند حضرات اپنی بیوی یا بیٹی کا ڈاکٹر سے تعارف کراتے ہیں اور وہ ان سے ہاتھ ملاتی ہیں، قرآن مجید نے تمام مسلمانوں کو امت واحدہ قرار دیا ہے "وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً" کثرت میں وحدت ہے اور وحدت میں کثرت، اس لئے یہ سب ہمارے ہی اعمال اور ہماری کمزوریاں ہیں اور ہم کو ان پر شرمندہ ہونا چاہیئے۔ شیخ سعدی نے غلط نہیں کہا ؎

بنی آدم اعضاء یک دیگر اند | چوں در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار | دگر عضوہا را نماند قرار

آپ نے ایک میری تحریک پر مسجد میں تقریر کی تھی، اس میں کہا کہ بھوپال میں بے پردگی برابر بڑھتی نظر آتی ہے اور جس قوم میں بے پردگی عام ہوئی اور بے حیائی بڑھی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تیزی کے ساتھ زوال آیا اور بالآخر وہ تباہ ہو گئی۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے عمل اور بے عنوانیوں سے غضب الٰہی اتنا حرکت میں نہیں آتا جتنا مسلمانوں کی نافرمانیوں اور بے عنوانیوں سے، اس لئے کہ کفار کے متعلق کہہ دیا گیا ہے "فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ"[2]

---

[1] اہل حیدرآباد شفاخانہ کو دواخانہ کہتے ہیں، حضرت کی زبان پر ابھی تک حیدرآباد کی زبان غالب ہے۔ [2] ان کو چھوڑ دو کہ لگے رہیں باطل میں اور کھیل تماشوں میں، اور باطل آرزوئیں ان کو غافل رکھیں، وہ عنقریب جان لیں گے، (یعنی ان کا حساب آخرت میں پورا کیا جائے گا)

لیکن مسلمانوں کو ایسی مہلت نہیں ملتی، نافرمانیاں دور کر کے عبادت کرنی چاہیئے۔ جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا اور گناہوں کو بڑھاتا ہے۔

ہر مشکل آسان ہے اور ہر آسان مشکل

فرمایا کہ مشکل سے مشکل چیز بھی نفع کی توقع اور فائدہ کی امید میں آسان ہو جاتی ہے، یہ سب امور کسبی ہیں، مشکل بھی آسان ہے اور آسان بھی مشکل، ایک شخص کہتا ہے کہ یہ پتھر جو پڑے ہیں میرے گھر پہنچا دیجئے، پتھر بھاری اور فاصلہ بہت اور گرمی اور دھوپ کا وقت۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ تو قیامت تک مجھ سے نہیں ہو گا، میں کہتا ہوں کہ اچھی بات ہے، مگر اس پتھر کو پہنچا دینے کا انعام یا مزدوری ایک لاکھ روپے، اب آپ کہنے لگیں گے کہ میں ہی پہنچاؤں گا، ہرگز کہا جائے کہ نہیں کوئی دوسرا پہنچا دے گا، آپ مانیں گے نہیں اور کسی کے حق میں اس سے دستبردار نہیں ہوں گے، یہی پردہ اور بے پردگی کا معاملہ ہے کہ اگر اخروی اجر و ثواب اور اللہ و رسول کی خوشنودی کی قدر و قیمت نہیں معلوم تو پردہ بہت مشکل اور بے پردگی بہت آسان۔ اگر معلوم ہے تو بے پردگی بہت مشکل اور پردہ بہت آسان۔ آج جن لوگوں کو پردہ بہت مشکل معلوم ہو رہا ہے آج سے پچاس برس پہلے ان کے بزرگوں کو بے پردگی پہاڑ معلوم ہوتی تھی اور اس کے تصور سے ان کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ سلطان جہاں بیگم صاحبہ نے ریذیڈنٹ سے دستانہ پہن کر مصافحہ کیا تھا اس پر ان کے شوہر سلطان دولہا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

اللہ پاک کے پاس جانے کا خیال برسوں میں بیٹھتا ہے اور ذرا میں نکل جاتا ہے۔

بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے ساتھ برسوں رہے اور بیسیوں معجزے دیکھے، پھر ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر پکار اٹھے "یَا مُوسَى اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ" (موسیٰ ہمارے

واسطے بھی ایک معبود بنا دے جیسے ان کے معبود ہیں)

ہم کو کیسا آسان دین اور کیسی سہل شریعت دی گئی ہے	ہم کو قدر نہیں کہ اللہ نے ہم کو کیسا آسان دین اور کیسی سہل اور قابل عمل شریعت عطا فرمائی ہے۔ نہ ہم کو حکم دیا کہ نجاست لگنے پر جسم کو

چھیل ڈالو۔ نہ یہ کہ کپڑے کو پھاڑ دو۔ صرف دھو لینا اور پاک کر لینا کافی ہے۔

پندرھویں مجلس

۲۹ر شوال ۱۳۷۷ھ مطابق ۳۰ر جنوری ۱۹۶۸ء

مہمان خانہ مسجد شکور خاں

آج ۲۹ر شوال بروز شنبہ صبح حیدر آباد کے لئے راقم سطور کی روانگی تھی گاڑی صبح نو بجے سے پہلے روانہ ہو جاتی تھی، اس لئے مجلس میں حاضری اور استفادہ کا کوئی امکان نہ تھا حضرت نے باوجود درخواست کے رخصت کے لیے اسٹیشن تشریف لانے کا عزم فرمالیا تھا، لیکن صبح اطلاع ملی کہ گاڑی ایک گھنٹہ لیٹ ہے، حضرت آٹھ بجے صبح ہماری قیام گاہ مسجد شکور خاں ہی میں تشریف لے آئے اور وہیں مجلس شروع ہو گئی، کچھ دیر تشریف رکھنے کے بعد اسٹیشن تشریف لے گئے، وہاں گاڑی کی آمد تک برابر ارشادات و ملفوظات کا سلسلہ جاری رہا، جگہ کی تبدیلی کے علاوہ کسی چیز میں کوئی تبدیلی نہ تھی، اللہ کا شکر ہے کہ اس طرح آج بھی مجلس نصیب ہو گئی، خاص خاص ارشادات درج ذیل ہیں:۔

پہلے صفائی پھر علاج فرمایا منھ اور معدہ کا صاف ہونا پہلی شرط ہے، اس کے بغیر کسی چیز کا ذائقہ اور اس کا حقیقی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ انبیاء علیہم السلام پہلے منھ اور معدہ کی اصلاح فرماتے ہیں پھر نصیحت اور ہر ایک ہدایت نافع و موثر ہوتی ہے، اس حقیقت کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے جس میں فرمایا گیا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دنیا کی قومیں مسلمانوں پر اس طرح زغہ کریں گی جس طرح کھانے والے کھانے کی لگن پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور ایک دوسرے کو بلاتے ہیں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا یہ ہماری تعداد کی کمی کی وجہ سے ہوگا، فرمایا نہیں، تم اس زمانہ میں بہت ہوگے، لیکن تمھارے دل میں "وہن" پیدا کر دیا جائے گا صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ "وہن" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا مال سے محبت اور موت سے وحشت، بس یہ دونوں چیزیں مال کی محبت اور موت سے وحشت جب تک دور نہ ہوں دین کی کسی نصیحت و تلقین سے پورا نفع نہیں ہوتا اور دینی حقائق کا پورا ذائقہ نصیب نہیں ہوتا، انھیں دونوں کا دور کرنا منھ اور معدہ کی اصلاح ہے، میرا ایک بچہ بیمار ہوا، اس کے منھ کا ذائقہ خراب تھا، ہر چیز اس کو کڑوی معلوم ہوتی تھی، اس کی والدہ اس کے لئے بڑے اہتمام سے بٹیر کا سالن تیار کرتیں کہ وہ کچھ کھالے، مگر اس کو وہ بھی کڑوا معلوم ہوتا تھا، میں نے کہا کہ منھ کڑوا ہے، اس کو ہر چیز کڑوی اور بدمزہ معلوم ہوگی، جب تک اس کے منھ کا ذائقہ تبدیل نہ ہو اس کو کوئی چیز اچھی معلوم نہیں ہوسکتی، یہی معنوی دہن اور معدہ کا حال ہے کہ جب تک ان کی اصلاح نہ ہو کسی چیز کا اصل مزہ معلوم نہیں ہوسکتا۔

تصوّف سے بعض طبقوں کی وحشت اس کا سبب اور طریق علاج راقم سطور نے اپنی ایک تصنیف

"رَبَّانِيَّةٌ لَا رَهْبَانِيَّةٌ" پیش کی۔ اور عرض کیا کہ نجد کے علماء اور بہت سے تعلیم یافتہ عرب حضرات کو تصوف سے بڑی وحشت ہے، مدینہ طیبہ میں ایک، فاضل نجدی دوست نے مجھ سے کہا کہ اگر تصوف پر آپ کوئی کتاب لکھیں تو ہمارے علماء اور یہاں کے تعلیم یافتہ حضرات پڑھ لیں گے، اس موضوع پر کسی اور کی کتاب پڑھنا لوگوں کے لئے دشوار ہے۔ یہ کتاب اسی ضرورت کے احساس کے ماتحت لکھی گئی کہ اور کچھ نہ ہو سکا تو کم سے کم ان لوگوں کی اصلاح و تربیت کے اس طریقہ سے وحشت کم ہو اور اس کی ضرورت کا کسی درجہ میں احساس پیدا ہو، فرمایا کہ بہت اچھا کیا، اللہ کے مخلص اور مقبول بندوں سے وحشت کے کم ہونے کی ضرورت تھی، لیکن وہ بے چارے بھی معذور ہیں کہ عرفی تصوف میں بہت سی ایسی چیزیں داخل ہو گئی ہیں جن سے اہلِ علم کا متوحش ہونا ضروری اور قدرتی ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ گلاب جامن تو بہت اچھی ہے اور کھانے کو بھی جی چاہتا ہے مگر اس پر مکھیاں بہت بیٹھی ہوئی ہیں، طبیعت کو کراہت پیدا ہوتی ہے، اسی طرح بعض لوگوں کو کسی اصطلاحی نام اور لفظ سے چڑ ہوتی ہے، مثلاً بعض لوگ کسی مٹھائی کے نام سے چڑنے لگتے ہیں، ایسے موقع پر اس نام کے لینے کی ضرورت نہیں، اس کا مصداق اور اصل شے ان کے سامنے رکھ دی جائے، وہ قبول کر لیں گے۔

حضرت نے اس کتاب کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا فرمایا کہ اب علوم و حقائق کی اشاعت کتنی آسان ہو گئی ہے، ہمارے زمانہ میں کیسی اچھی کتابیں چھپنے لگی ہیں جن کو دیکھنے کو پہلے آنکھیں ترستی تھیں، پھر یہ شعر پڑھا ؎

سچ جو پوچھو ہم ہیں اگلوں سے زیادہ خوش نصیب　　فصلِ گل میں جس طرح رہتی ہے شاداں عندلیب

مشائخ سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں اس لئے ان کی ہر بات میں تقلید و پیروی ضروری نہیں

فرمایا۔ ایک شیخ طریقت کا واقعہ لکھا ہے کہ جب نماز کھڑی ہونے لگتی تو ایک ایک مقتدی پر ہاتھ رکھتے اور فرماتے جاتے کہ تمھارے دل میں خطرات و وساوس ہیں تم الگ ہو جاؤ۔ اس طرح اہل خطرات کو چھانٹ دیتے اور صرف وہ لوگ رہ جاتے جن میں حضور قلب ہوتا اور خطرات نہ ہوتے۔ بیشک یہ ان کی قوت کشفیہ تھی لیکن یہ طریقہ اسوۂ نبوی کے خلاف ہے، اس وقت تو نماز میں منافقین بھی آتے تھے آپؐ ان کو بھی علیحدہ نہیں کرتے تھے، تصوف کی روح تو یہ ہے کہ جو آج بُرے ہیں وہ کل اچھے ہو سکتے ہیں اور جو آج اچھے ہیں کل بُرے ہو سکتے ہیں، جن کو آج بہت خطرات آتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان کو حضوری حاصل ہو جائے اور خطرات سے محفوظ ہو جائیں۔ بہت سے لوگوں نے شیخ کو بالکل بے خطا معصوم سمجھ لیا ہے، ان کے نزدیک اس کی ہر بات کی قرآن و حدیث کی طرح پیروی کرنی ضروری ہے اور کبھی اس سے کسی بات میں اختلاف ہو ہی نہیں ہو سکتا، حالانکہ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ نماز میں امام کو سہو ہو تو مقتدی کا لقمہ دینا اور اس کو متنبہ کرنا کہ آپ قعدۂ اولیٰ میں نہیں بیٹھے اس بات کی دلیل ہے کہ ہر وقت پیروی و تقلید ضروری نہیں، مقتدی گویا زبان حال سے کہتا ہے کہ آپ سے سہو ہو گیا، اس وقت آپ پیر ہم مرید نہیں بلکہ اس وقت ہم پیر آپ مرید ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نابینا (عبداللہ ابن مکتوم) آتے ہیں اور آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں، آپ سرداران قریش سے گفتگو میں مصروف ہیں۔ آپ ان کی طرف کوئی توجہ نہیں فرماتے اور آپ کو ان کی مداخلت پسند نہیں آتی۔ اس پر سورۃ "عَبَسَ وَ تَوَلّٰی" نازل ہوتی ہے اور آپ کو متنبہ فرمایا جاتا ہے، اس سے زیادہ

کوئی شیخ اور پیر کیا ہو سکتا ہے۔ آپؐ ایک باغ میں تشریف رکھتے تھے آپؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کو نعلین مبارک دیکر بھیجا اور فرمایا کہ جو بھی کلمہ شہادت پڑھتا ہو، اس کو جنت کی بشارت دے دو، حضرت عمرؓ راستے میں ملتے ہیں، وہ حضرت ابوہریرہؓ کی پیٹھ پر ایک ہاتھ مارتے ہیں، وہ شکایت کے لئے حاضرِ خدمت ہوتے ہیں، حضرت عمرؓ بھی ان کے پیچھے پیچھے پہنچتے ہیں اور حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہؐ ایسا نہ کریئے ورنہ لوگ بھروسہ کرلیں گے، آپ کو ان کی اس مداخلت اور جرأت پر کوئی غصہ نہیں آتا، آپ ان کے مشورہ کو قبول فرما لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو ایک بدوی بھری مجلس اور خطبہ کے دوران ٹوک دیتا ہے اور آپ ناراض نہیں ہوتے۔

حیدرآباد اور پھر حجاز کا سفر میں نے دریافت کیا کہ حیدرآباد کا سفر کس مقصد سے ہوا تھا؟ فرمایا کہ میرے منجھلے بھائی محمد اسمٰعیل حجاز چلے گئے تھے، مجھے ان سے محبت نہیں عشق تھا، ان کی مفارقت مجھے گوارا نہیں تھی، میں نے ان کو خط لکھا کہ آپ نے مجھے بلانے کا وعدہ کیا تھا، آپ نے جن پیغمبر کا نام پایا ان کی تعریف قرآن مجید میں اس طرح کی گئی ہے کہ "اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ" تو انھوں نے لکھا کہ کسی طرح جدّہ پہنچ جاؤ، آگے کا میں انتظام کرلوں گا۔ مجھے معلوم ہوا کہ حیدرآباد سے ہر سال لوگوں کو حج کے لئے بھیجا جاتا ہے اور ان کو زادِ راہ دیا جاتا ہے۔ میں اس شوق میں حیدرآباد پہنچا۔ یہ ۱۳۲۲ھ تھا، میرا شروع سے یہ اصول رہا ہے کہ جہاں جاتا تھا اور جہاں بھی ہوتا تھا کسی عمر اور بزرگ کی سرپرستی میں اپنے کو دیدیتا تھا اور کہہ دیتا تھا کہ میں کم سمجھ آدمی ہوں، میرے حرکات و سکنات، نشست و برخاست پر نظر رکھئے اور میری اصلاح فرماتے رہیئے۔ وہاں ہمارے خاندان کے ایک بزرگ تھے۔ میں نے

اپنے کو ان کی سرپرستی اور نگرانی میں دیدیا۔ میں بھوپال سے گیا تھا، یہاں کے طریقے کے مطابق "السلام علیکم" کہتا تھا وہ فرمانے لگے کہ تم وہابی ہو، یہاں آداب عرض کہنے کا طریقہ ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ تم یہاں آئے ہو تو خالی ہاتھ نہ جاؤ۔ کوشش کی جائے گی کہ تمھارا وظیفہ ہو جائے، میں نے اس کو قبول کیا مگر سال بھر پڑا رہا کچھ نہ ہوا، اسی اثنا میں بھائی صاحب کا مدینہ طیبہ میں انتقال ہو گیا مجھے خوابوں سے بہت کم مناسبت ہے، شاذ و نادر ہی کوئی خواب دیکھتا ہوں، لیکن ان کے انتقال کے بعد ان کو دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں۔

ع بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

یہ خواب دیکھ کر مجھ پر وہاں پہنچنے کا ایسا شدید تقاضا ہوا کہ بے چین ہو گیا۔ جو صاحب اس امدادی شعبہ سے تعلق رکھتے تھے ان کے پاس گیا۔ میں نے کہا کہ آپ جو کچھ میرے لئے کر سکتے ہوں کیجئے۔ کہنے لگے میرے اختیار میں تو صرف سو روپے کی رقم ہے۔ میں نے کہا اب دس آنہ پیسے ہی مجھے دے دیں تو میں اس کو بھی غنیمت سمجھونگا۔ انھوں نے سو روپے میرے حوالے کئے جس کے ۸۲ کلدار بنے۔ غرض میں بمبئی پہنچا اور وہاں سے جدہ اور وہاں سے مدینہ طیبہ حاضر ہوا، وہاں میرے خاندان کے بعض بزرگ اور بعض شناسا تھے، ان میں سے ایک صاحب نے اصرار کے ساتھ اپنے یہاں ٹھہرا لیا، میں نے مدینہ طیبہ کے قیام میں عزم کر لیا کہ چاہے مجھے بکریاں چرانی پڑیں میں یہاں سے نہ جاؤنگا۔ لیکن جن عزیز کے یہاں میں ٹھہرا تھا، ان کے یہاں ایک ایسے صاحب ٹھہرے تھے جو کسی فرضی ادارہ یا مقصد کے لئے چندہ جمع کرتے تھے اور پولیس کو ان کی تلاش تھی، بالآخر گرفتار ہوئے اور صاحب خانہ بھی نظر بند کر دیئے گئے، اندیشہ ہوا کہ میں بھی گواہی میں پکڑا جاؤں اور پریشانی بھی لاحق ہو گی۔ میرے عزیز نے چار بدوؤں کو بلایا اور میں ان کے ساتھ

عام راستہ چھوڑ کر احمد شریف کے پیچھے سے پاپیادہ مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوگیا۔ راستہ میں میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں۔ پھر مکہ معظمہ پہونچا، حج سے فراغت کی، وہاں سے حیدرآباد ہی واپس آگیا، حیدرآباد میں سترہ برس رہا، بہت سے بزرگوں اور مشائخ کی خدمت میں وقت گذارا۔ اس زمانہ میں وہاں وحدۃ الوجود کا بڑا زور تھا، بہت سے مشائخ جن کی خدمت میں رہا اس کے بڑے داعی اور مبلغ تھے اور میں سمجھتا تھا کہ یہی راستہ ہے۔ ایک بزرگ نے مجھ سے کہا کہ کبھی اپنے بزرگوں[1] کا کلر بھی دیکھیے۔

اسی زمانہ میں مکتوبات پر نظر پڑی۔ سمجھنے کی استعداد بھی نہیں مگر آنکھیں کھل گئیں۔

مسکین شاہ صاحب اور ان کا زہد و توکل

مسکین شاہ صاحب کا تذکرہ فرمانے لگے جو حضرت شاہ سعد اللہ صاحبؒ کے خلیفہ اور وہ حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، فرمایا کہ زاہد اور تارک الدنیا حقیقی معنی میں مسکین شاہ صاحب تھے، نظام دکن میر محبوب علی خاں بڑے رعب اور وقار کے آدمی تھے، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جرمنی کا شہزادہ ان کے پہلو میں بیٹھا تھا۔ چوکڑہ[2] میں سوار تھے اور شہزادہ اتنا مرعوب تھا کہ سمٹتا چلا جاتا تھا، اس خاندان میں عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے کچھ اعمال و اشغال چلے آرہے ہیں جن کی وجہ سے میر محبوب علی خاں میں ایسی کیفیات تھیں، میں نے ان میں بعض کرامتوں کا ظہور بھی دیکھا ہے، غرض میر محبوب علیخاں بہ ایں حشمت و وقار مسکین شاہ صاحب کے یہاں حاضر ہوتے، وہ حجرہ میں مشغول ہوتے۔ نظام صحن میں ٹہلتے رہتے، جب وہ فارغ ہوتے، اور عرض کیا جاتا کہ اعلیٰ حضرت تشریف لائے ہیں تو اندر آنے کی اجازت ہوتی، تھوڑی

---

[1] یعنی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اور ان کے اخلاف کا [2] شاہی بگھی جس میں چار گھوڑے جڑتے تھے۔

دیر کے بعد فرمادیتے کہ اب جائیے آپ کا حرج ہوگا، ایک دن وہ جاگیر کا پروانہ لے کر آئے،
دیکھ کر فرمایا کم ہے کچھ اضافہ کیجئے، پھر فرمانے لگے کہ سورج جہاں سے نکلتا ہے وہاں سے لیکر
اس جگہ تک جہاں ڈوبتا ہے میری جاگیر ہے، وہاں سے مجھے رزق ملتا ہے، اب اس سے زیادہ
آپ دے سکیں تو دے دیجئے، اسی طرح طالب الدولہ نے ایک باغ نذر کرنا چاہا۔ انکار فرما
دیا اور کہا کہ اس مسجد کے پیچھے جو تھوڑی سی زمین ہے وہ کافی ہے، وہیں مسجد الماس کے
پہلو میں مزار مبارک ہے، میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ میں نے ان کی زیارت نہیں کی۔
انھوں نے ۱۳۱۴ھ ہجری میں ارتحال فرمایا۔ میں ۱۳۲۲ھ میں حیدرآباد گیا ہوں، اس
وقت ان کے جانشین تسکین شاہ صاحب تھے۔

ایک ہی چیز ایک محل میں معصومیت ہوتی ہے اور دوسرے میں عبادت

فرمایا میں کسی طبقہ سے بھی خواہ اس کے کیسے ہی عقائد و خیالات اور اخلاق و عادات ہوں۔ اس طرح خطاب نہیں کرتا کہ وہ متوحش ہو، پہلے
اس سے اس طرح بات کرتا ہوں کہ وہ مانوس اور سننے کے لئے آمادہ ہو جائے، میں اس سے
کہتا ہوں کہ آپ کے اعمال و اخلاق اور آپکے عادات غلط نہیں جو کچھ اختلاف ہے وہ محل
اور غیر محل کا ہے یہ سب چیزیں صحیح ہیں مگر ان کا ایک محل اور وقت ہے جیسے میں نے
اس سے پہلے نسبت کے بعد جھانکنے اور دیکھنے کی مثال دی تھی کہ اس وقت جھانکنا اور دیکھنا
غلط ہے اور شادی ہو جانے کے بعد نہ دیکھنا اور نہ جانا غلط ہے، نفس کے تقاضے اور لذائذ
اپنی جگہ پر صحیح ہیں اور فطری و شرعی بھی ہیں، لیکن محل اور وقت کی شرط ہے، جن کو لوگ
دنیادار اور نفس پرست کہتے ہیں ان کو تقرب الی اللہ کا جو موقع ہے وہ بزرگوں اور مشائخ
ہر وقت ذکر و تسبیح کرنے والوں کو نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنی خواہشات اور مالوفات

کی قربانی کر کے وہ درجہ حاصل کر سکتے ہیں جو ایک خاص ماحول میں رہنے والے اور خاص وضع وطریق کے پابند نہیں کر سکتے، جتنے فربہ اور ترو تازہ جانور قربانی کے لئے ان کے پاس ہیں، دینداروں اور مشائخ کے پاس نہیں ہیں۔ حدیث میں آیا ہے سمنوا ضحایاکم فانہا علی الصراط مطایاکم (اپنی قربانی کے جانوروں کو خوب کھلا پلا کر موٹا کرو، اسلئے کہ یہی پل صراط پر تمھاری سواریاں ہوں گی) یہی حال ان حضرات کے مالوفات ومرغوبات کا ہے کہ جس قدر زیادہ تعداد میں اور زیادہ دلکش اور دلآویز اور طاقتور ہوں گی اسی قدر یہاں ان کو راہ خدا میں ذبح و پامال کرنے سے آخرت میں درجے ملیں گے اور دنیا وآخرت میں مراتب ہوں گے، اسی لئے یہ اچھی بری سب خواہشات عطیہ خداوندی ہی ہیں۔ اپنے محل استعمال سے ان کے اچھے برے ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے "فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا" اب اگر کوئی ان کو صحیح محل پر استعمال کرے تو اس کی ترقی اور کامیابی کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا اور اگر کوئی ان کو بے محل استعمال کرے اور اپنے نفس کو پستی میں اتار کر اپنی طاقت کو خاک میں ملا دے تو اس کی ناکامی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں، "وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" اس کے لئے سب حجابات اور موانع مرتفع ہو جائیں اور پھر وہ اللہ کے یقین اور اس کے خوف سے اپنی خواہش اور نفس کے تقاضہ پر عمل نہ کرے، اس کے درجات کو کوئی نہیں پہنچ سکتا یہ حضرت یوسفؑ کا مقام تھا۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ — الآیۃ

سولھویں مجلس

یکم جمادی الآخر ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۶ اگست ۱۹۶۸ء خانقاہ شریف

لکھنؤ سے محبی ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی اور عزیزی علی آدم ندوی کی معیت میں حاضر ہوا، حضرت کو کچھ عرصہ پہلے کولھے کی ہڈی پر ضرب آگئی تھی، ۱۴ روز صاحبِ فراش رہے۔ نقل و حرکت سے بالکل معذوری رہی، اس کے بعد آدمیوں کے سہارے سے باہر تشریف لانے لگے۔ اب الحمدللہ خانقاہ میں تشریف لاتے ہیں اور مجلس بدستور ہوتی ہے، راقم السطور نے مزاج پرسی کی، حضرت نے چوٹ لگنے اور ہڈی پر ضرب آنے کا واقعہ بیان فرمایا، معلوم ہوا کہ ایک روز عشاء کی نماز کی تیاری فرما رہے تھے، کھڑے کھڑے ایک عزیز بچے کے پاؤں میں کیل چبھ جانے اور اس کے نکالنے کا واقعہ بیان فرما رہے تھے، ہاتھ سے اشارہ فرمایا، دفعۃً جھٹکے سے زمین پر گر گئے اور کولھے کی ہڈی پر ضرب آگئی، پہلے تو چوٹ کا زیادہ احساس نہیں ہوا۔ کھڑے ہو کر نماز پڑھی، لیکن سجدہ میں جانے اور قعدہ میں بیٹھنے کے وقت معلوم ہوا کہ اٹھنا مشکل ہے، بقیہ نمازیں بیٹھ کر پڑھیں، پھر کئی روز لیٹے لیٹے نمازیں ادا کرنی پڑیں، الحمدللہ دیسی طریقہ پر علاج کرنے سے درد میں تدریجی تخفیف ہوتی چلی گئی اور اب سہارے سے نقل و حرکت فرمانے

لگے ہیں، کھڑے ہونے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے، بیٹھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی، سلسلۂ گفتگو بدستور جاری تھا، راقم کی حاضری ہوئی تو حسب معمول نہایت شفقت اور مسرت کا اظہار فرمایا، ارشاد ہوا کہ بہت مرتبہ ارادہ ہوا کہ لکھنؤ حاضر ہو جاؤں لیکن بعض عوارض کی وجہ سے توقف کیا۔

طریقۂ نقشبندیہ کی ترجیح کے بارے میں حضرت مجددؒ کے ارشاد کا مطلب

کلکتہ سے آئے ہوئے ایک خط کا تذکرہ فرمایا جس میں یہ سوال کیا گیا تھا کہ حضرت مجددؒ کے مکتوبات میں کئی جگہ طریقہ نقشبندیہ کو تمام طرق کے مقابلہ میں کھلی ترجیح دی ہے۔ مکتوب نمبر ۲۹۰/۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ طریقہ جو اسبق، اوفق، اسلم، احکم، اصدق اور اولی، اعلیٰ، اجل، ارفع و اکمل ہے وہ طریقہ نقشبندیہ ہے۔" خط میں اس کا مطلب پوچھا گیا تھا، حضرت نے اس خط کا جواب تفصیل سے تحریر فرمایا[1]، خلاصہ یہ تھا کہ بزرگان دین اور شعراء و عارفین کے اشعار میں بہت سے الفاظ ایسے استعمال ہوئے ہیں کہ جن کو سمجھنے کے لئے ان کی اصطلاحات، کلام کے سیاق و سباق اور ان کے طرز ادا کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اگر ان کے خاص لفظوں کو لیکر معانی و اصطلاحات پر غور نہ کیا جائے تو مقصود متکلم سے دور ہٹ جائیں گے۔ بزرگانِ دین کا ہر کلام موقع، وقت، کیفیت اور حال کے لحاظ سے اپنی جگہ ٹھیک ہوتا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک ہی کلام کے مختلف ترجمے وقت، حال، جگہ اور کیفیات کے لحاظ سے ہوتے ہیں، کسی نے کہا کہ "پانی لاؤ" تو پانی لے جانے والے کو دیکھنا چاہیئے کہ کہاں سے پانی مانگ رہے ہیں، اگر کھانا کھانے میں پانی مانگا ہے تو اس کا ترجمہ گلاس میں پانی لے جانا ہے اور اگر غسل خانے سے پانی مانگا ہے تو اس کا ترجمہ بالٹی میں پانی لے جانا ہوگا، دیکھئے

---

[1] یہ جوابی خط نشان منزل بھوپال کے خاص نمبر اگست ۱۹۶۸ء میں شائع ہو چکا ہے

ایک ہی لفظ کے وقت، کیفیت اور موقع کے بدل جانے سے کتنے ترجمے ہو گئے، اسی طرح غور کرنا پڑے گا کہ یہ الفاظ ان حضرات سے کس مرتبہ میں صادر ہوئے ہیں اور کہاں کھڑے ہو کر یہ کلام فرمایا، بزرگان دین کے کلام کی ان کے احوال و کیفیات ہی سے شرح ہو سکتی ہے۔ اب اگر حضرت کے الفاظ کو جو طریقہ نقشبندیہ کے بارے میں ارشاد ہوئے ہیں حضرت کے حالات و خیالات اور ان کی زندگی مبارک سے الگ کر کے سمجھنے کی کوشش کی جائے گی اور اس کا اپنے فہم و علم کے مطابق ظاہری مطلب لیا جائے گا جو مجرد الفاظ سے نکلتا ہے تو اس سے تمام دوسرے طرق کا ناقص و ادنیٰ ہونا ثابت ہوگا اور ان کی تحقیر لازم آئے گی، بعض حضرات فرما دیتے ہیں کہ طریقہ نقشبندیہ کو اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ اس میں اتباع سنت ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوسرے طرق میں اتباع سنت نہیں اور یہ مسلّم ہے کہ جس طریقہ کی بنیاد اتباع سنت پر نہیں ہو گی وہ موصل الی اللہ نہیں ہوگا، اس لئے یہ کہنا بھی صحیح نہیں، سب طرق کی بنیاد اتباع سنت پر ہے۔

اب اس کو حضرت مجدد صاحب کی زندگی، ان کی سیرت اور ان کی جامعیت کے آئینہ میں دیکھئے تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ حضرت مجدد صاحب سلسلۂ قادریہ کے بانی حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی کا بڑے بلند الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں اور ان کے علوِ شان کا بہت کھلے طریقہ پر اظہار فرماتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کو حضرت موصوف سے فیض حاصل ہوا اور اس پر ان کو فخر ہے۔ یہی معاملہ حضرت خواجۂ خواجگان مرہم دل ہائے دردمندان، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ مجدد صاحب کو ان سے بہت فیوض حاصل ہوئے، یہی معاملہ حضرت علاء الدین احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے حضرت

حضرت مجدد کے والد ماجد حضرت مخدوم عبدالاحد ان کے سلسلہ میں داخل ہیں اور ان کے ذریعہ سے مجدد صاحب ان کے سلسلہ سے مستفیض ہوئے ہیں، یہی بات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور ان کے سلسلے کے مشائخ کی ہے، اس سب کو سامنے رکھ کر اب مجدد صاحب کے کلام کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ یہ طریقہ تمام بزرگان دین اور اصحاب سلاسل کے فیوض سے مستفیض ہو کر ایک جامع اور عالی طریقہ ہو گیا ہے اور وہ اس طرح دوسرے طریقوں پر ایک نوع کی فوقیت رکھتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی معجون کی تعریف کی جائے کہ وہ بہت قوی، سریع التاثیر اور مختلف مزاجوں کے مطابق ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایسے اجزاء کا مجموعہ ہے جو سب اپنی اپنی جگہ پر نہایت مفید اور ضروری ہیں اور ان کے بغیر یہ معجون تیار نہیں ہو سکتا، لیکن ان کے اتحاد و امتزاج سے اس معجون کا ایک نیا مزاج پیدا ہو گیا ہے اور یہ مزاج ان تمام اجزاء کا رہین منت ہے۔

فرمایا کہ ہمارے مناسب حال یہی ہے کہ تمام اکابر اولیاء اللہ سے محبت اور سب سے خلوص و اعتقاد رکھیں اور ترجیح و تفصیل کو اللہ پر چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى[1] اور فرمایا اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ[2]۔ یہ علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ کس کو کیا درجہ عطا فرمایا، اور قیامت کو کس کو کیا درجہ عطا فرمائیں گے؟ ہماری کوشش اسی پر مرکوز ہونی چاہیئے کہ ہم مسلم کامل بن جائیں۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ[3]

---

[1] بس مت پاکی جتاؤ اپنی، وہ خوب جانتا ہے اہل تقویٰ کو [2] کیا انسان نہیں جانتا وہ وقت جب اٹھایا جائے گا قبروں سے اور نکال باہر کیا جائے گا جو کچھ سینوں میں ہے [3] اے ایمان والو ڈرو اللہ سے جو حق ہے اس کے ڈرنے کا اور نہ مرو تم مگر اس حال میں کہ فرمانبردار ہو۔

مجھے تو حضرت شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اربعہ انہار کی مثال بہت پسند ہے۔[۱]

فرمایا کہ بعض مرتبہ اپنے طریقہ کو ترجیح دینے میں مخفی طور پر انانیت اور حب جاہ کا جذبہ کام کرتا ہے کہ اپنے طریقہ کی تعریف سے اپنی تعریف نکلتی ہے کہ جب وہ طریقہ افضل و ارجح ہوا تو ہم دوسروں کے مقابلہ میں افضل وارجح ثابت ہوئے۔ میرا تو جواب وہی ہے جو پہلے عرض کیا تھا کہ ہمارا طریقہ زیادہ کھانا، زیادہ بولنا، زیادہ سونا ہے، ہم جس طریقہ کی طرف بھی اپنی نسبت کریں گے، اس کو بدنام کریں گے۔

ہمارا شجرہ یہ ہے کہ اپنی اصلاح کرو

فرمایا کہ لوگ شجرہ مانگتے ہیں۔ ہمارا شجرہ تو یہ ہے کہ عقائد کو ٹھیک کیجئے پھر اعمال و اخلاق کی اصلاح کیجئے۔ لوگ کثرت سے شجرہ طلب کرتے ہیں۔ میں نے شجرہ کے سلسلے میں لکھوانا شروع کیا ہے۔ تقریباً پچھتر صفحات ہو گئے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام تمام کمالات کے بیج عطا کرتے ہیں

فرمایا انبیاء علیہم السلام تمام کمالات روحانی و علمی اور تمام مراتب ولایت کو تقسیم کر دیتے ہیں، وہ ان تمام کمالات کے بیج عطا کرتے ہیں اب تخموں کو صحیح طریقہ پر بار آور کرنا، ان کو نشو و نما دینا اور ان کو درختوں کی شکل میں لانا یہ امت کے افراد کا کام ہے۔ مکتوبات میں جب آدمی مقالات و کمالات اور دوائر و ظلال اور ولایت و قیومیت وغیرہ کا تذکرہ پڑھتا ہے تو سوچنے لگتا ہے کہ یہ کس عالم کی باتیں

---

[۱] ایک گذشتہ مجلس میں یہ بات تفصیل کے ساتھ آ چکی ہے

ہیں اور یہ کمالات و مقالات کن کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص کے پاس امریکہ سے تین لاکھ کا ایک چک آتا ہے۔ وہ ایک چھوٹا سا کاغذ کا ٹکڑا ہوتا ہے، وہ اس کو ہاتھ میں لیتا ہے اور اسکے اندر شاندار کوٹھیاں، سینکڑوں ایکڑ زمین، انواع واقسام کے کھانے اور طرح طرح کے عیش کے سامان نظر آتے ہیں، وہ کاغذ کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں اپنے کو ہوائی جہازوں پر اڑتا ہوا اور بڑے آرام کے ساتھ ریلوں پر سفر کرتا ہوا دیکھتا ہے، یہ سب مناظر اس کو چند انچ کے کاغذ میں نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے دل سے باتیں کرتا ہے کہ میں ان کوٹھیوں میں رہوں گا، اتنے طویل رقبہ میں کاشت کروں گا، باغ لگاؤں گا، ہوائی جہاز پر سفر کروں گا، دیکھنے والوں کو جن کو معلوم نہیں کہ اس چک میں کیا طاقت ہے۔ یہ سب شیخ چلی کی باتیں معلوم ہوتی ہیں، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اس چھوٹے سے کاغذ میں ان تمام چیزوں کے تخم موجود ہیں، اب یہ اس شخص کا کام ہے کہ ان بیجوں کو زمین میں ڈالے، پانی دھوپ اور کھاد مہیا کرے اور ان کو بالآور بنائے۔

فرمایا: مگر چک جب تک کسی صحیح بینک میں بھیج کر تڑوایا اور بھنوایا نہ جائے اور پھر اس رقم کو خرچ کیا اور مٹایا نہ جائے اس سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا، اگر اس کو ویسا کا ویسا ہی اپنے پاس ڈال رکھا جائے تو وہ کاغذ ایک بے کار پرزہ ہے، اب حضرت مجددؒ اور ہمارا فرق یہ ہے کہ انھوں نے اس چک کو تڑوایا اور بھنایا اور اس سے فائدہ اٹھایا، ہر چک بھی بینک میں نہیں ٹوٹ سکتا، میرے پاس لندن سے ایک لفافہ آیا، اس میں ایک کاغذ تھا جس میں انگریزی میں کچھ لکھا ہوا تھا، میں نے معشوق میاں کو پڑھنے کو دیا انھوں نے کہا کہ لندن سے کسی صاحب نے آپ کو سو روپے کا چک بھیجا ہے۔ مگر وہ یہاں کے بینک میں نہیں بھن سکتا۔ اس کو باہر بھیجنا ہوگا۔ چنانچہ وہ باہر بھیجا گیا۔ لمبی

کارروائی ہوئی۔ کچھ حساب کٹا اور بالآخر مجھے اس کی رقم وصول ہو گئی، حضرت مجدد بھی فرماتے ہیں کہ بغیر شیخ کے رہبری نہیں ہو سکتی، سوائے اس بینک کے نہیں ٹوٹ سکتا،

حضرت نے مکتوبات میں اسی چک کو سامنے رکھا ہے اور جو چیزیں امکان میں ہیں (ولایتِ صغریٰ ولایتِ کبریٰ وغیرہ) سب بیان کی ہیں، کاش کہ ہم قرآن پاک کا چک سامنے رکھیں اور اس میں دیکھیں کہ کیا کیا ترقیات وکمالات انسان کے امکان میں ہیں، حضرت امام ربانی نے اس چک کو توڑا یا اور اس کی رقم کو ٹھکانے لگایا۔ ہم اس کو سینہ سے لگائے بیٹھے ہیں، حضرت لکھتے ہیں کہ یہ فنا ہے اور یہ بقا ہے، درحقیقت یہی فنا اور بقا ہے جب تک ایک کو فنا نہ کیا جائے گا دوسرے کو بقا حاصل نہیں ہوگی۔ جب تک رقم کو مٹایا اور نفس کو خاک میں ملایا نہیں جائے گا اس کے ثمرات حاصل نہیں ہوں گے، سابقین کو جو درجات حاصل ہوئے وہ ان ہی اعضاء وقویٰ سے حاصل ہوئے جو ہمارے اندر موجود ہیں، فرق یہ ہے کہ انھوں نے ان سے کام لیا اور ہم کام نہیں لے رہے ہیں، ایک شخص کے پاس کاشت کے لئے بہت بڑی زمین ہے، پانی کی نہریں ..... جاری ہیں لیکن وہ ان سے کام نہیں لیتا تو کس کا قصور ہے۔

مادیت کی تیز و تند آندھیوں کے مقابلہ میں ہماری اپنی کوششوں کی مثال

فرمایا کہ مادیت کی بڑی تیز و تند آندھیاں چل رہی ہیں، اس میں ہماری یہ تقریریں اور کوششیں کیا اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ لیکن ہماری مثال ایسی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو ایک بینڈک کی پانی لے کر آگ بجھانے کو چلی، اس سے آگ تو نہیں بجھی مگر اس کا خلوص ثابت ہو گیا۔
جب دو ضرورتیں ایک وقت میں پیش آئیں تو ان میں سے ایک کو ترجیح دینی پڑتی ہے۔

ایک شخص کے گھر مہمان آئے، گھر میں ان کی ضیافت کے لئے کچھ سامان نہ تھا، نہ گوشت، نہ مصالحہ، نہ آٹا، نہ دال، بیوی نے کہا کہ گھر میں کچھ نہیں ہے، مہمانوں کے سامنے ذلیل ہونا پڑیگا۔ اور بدنامی ہوگی، اسی وقت عدالت میں پیشی بھی تھی، اگر عدالت میں حاضر نہ ہوئے تو مقدمہ خلاف فیصل ہو جائے گا اور سزا اور ہزاروں کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اب ان دونوں ضرورتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا، بازار جاکر سامان لائے اور مہمانوں کی تواضع کرے یا تھوڑی سی خفت کی پرواہ نہ کرے اور عدالت میں حاضری دے، یہی دنیا و آخرت کا معاملہ ہے، یہاں مہمان سے شرمندہ ہو جانا آسان ہے لیکن اس عدالت کی پیشی ضروری ہے جس کی اپیل نہیں ہے۔

برتن ٹوٹا ہو تو دودھ اس میں ٹھیر نہیں سکتا فرمایا۔ ایک صاحب نے لکھا کہ بیعت کرنے آتا ہوں، مجھے آپ سے عقیدت ہے، وہ آئے تو صورت شکل سب مخالف شرع، میں نے ان کو سمجھایا کہ برتن ٹوٹا ہو تو دودھ اس میں ٹھہر نہیں سکتا، کہنے لگے کہ برتن بھی آپ ہی دیں۔ ... ... میں نے کہا کہ حضرت نوح نے ساڑھے نوسو برس کی تبلیغ کی، لیکن انھوں نے دودھ پیش کیا برتن نہیں دیا۔

انشراح اور انقباض کے موقع و محل فرمایا۔ لکھنؤ کے ایک صاحب کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ میری اسی سال کی عمر ہے اور میں فلاں فلاں بزرگوں سے بیعت ہوا، انھوں نے اپنے اذکار و اوراد اور معمولات تفصیل سے لکھے تھے۔ اشراق، چاشت اور تہجد وغیرہ نوافل کا ذکر تھا اور اس سب کے ذکر کرنے کے بعد لکھا تھا کہ یہ سب پڑھتا اور کرتا رہتا ہوں، لیکن کورا کا کورا ہوں اور

خَسِرَ الدُّنیَا وَالْاٰخِرَہ کا مصداق میں نے جواب میں لکھا کہ تواضع اور کسر نفسی بہت اچھی چیز ہے مگر اس کا ایک محل اور مقدار ہے، اگر وہ اپنے محل اور مقدار سے تجاوز کرے گی تو مضر اور وبال بن جائے گی، عبادات کے وقت شکر کا جذبہ ہونا چاہیئے اور قرآن شریف کا ایک لفظ بھی زبان سے ادا ہونے پر ہزار بار خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اسکی توفیق ہوئی، ایک سجدہ کر کے ہزار بار شکر کا سجدہ کرے کہ سجدہ کی توفیق ہوئی، عبادت اور ذکر کے وقت انشراح ہونا چاہیئے اور شکر کا جذبہ غالب، اس وقت انقباض بے محل اور مضر ہے، انشراح اور انقباض قلب کی دو حالتیں ہیں، ذکر کے وقت انشراح ہونا چاہیئے اور معصیت کے وقت انقباض، اگر ذکر کے وقت انقباض رہا تو فائدہ نہیں ہوگا، اس وقت انشراح اور شکر مطلوب ہے اور اسی سے ترقی ہے۔ ارشاد ہے وَلَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ[1]

---

[1] اور اگر تم شکر کرو گے تو میں زیادہ دوں گا تم کو۔

سترھویں مجلس

یکم ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۶۹ء کو اورنگ آباد سے بھوپال حاضری ہوئی، یہ بھوپال کے سالانہ تبلیغی اجتماع کا دوسرا دن تھا، لوگ بہ کثرت زیارت کے لئے حاضر ہوتے اور کچھ دیر بیٹھ کر چلے جاتے، خانقاہ کا اندرونی و بیرونی دالان اس طرح کھچا کھچ بھرا ہوا تھا کہ حضرت تک پہنچنا بھی مشکل تھا، مولانا انعام الحسن صاحب (امیر جماعت تبلیغ) کی ملاقات کے لئے تاج المساجد جانے اور سفر کے تکان کی وجہ سے مجلس میں حاضری واستفادہ اور کچھ قلم بند کرنے کی نوبت نہ آئی، اس مرتبہ راقم الحروف حضرت ہی کا مہمان تھا اور حضرت نے از راہِ عنایت وشفقت دولت خانہ کے اس حصہ میں جس میں مولانا عبد الشکور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیام رہا کرتا تھا ٹھہرایا۔

۲ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۶۹ء کو بھی زائرین اور واردین و صادرین کی کثرت رہی، معمول قدیم کے مطابق اطمینان کی مجلس اور منضبط و مسلسل گفتگو نہ ہو سکی، کتب تصوف وصوفیہ وعارفین کے کلام کے سمجھنے میں جو غلط فہمیاں، التباس اور تضاد واقع ہوا ہے اور جس طرح لوگوں نے ان کے کلام کو مختلف محملوں پر حمل کیا ہے اور متضاد نتائج نکالے ہیں اس کی توجیہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوا کہ

کسی کا کلام سمجھنے کے اصول وشرائط | کسی طبقہ کا کلام سمجھنے کے لئے اس

کے اصطلاحات و محاورات کا سمجھنا بہت ضروری ہے، کلام کے سمجھنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ متکلم کی مراد کیا تھی، محض الفاظ کے معنی جاننا کافی نہیں، اس کا لہجہ اور انداز اور موقعہ و محل سمجھنا بھی ضروری ہے۔ ایک شخص نے ایک خادم سے کہا، "روکو مت جانے دو" اس نے اس جملہ کے معنی یہ سمجھے کہ "روکو مت، جانے دو" اس نے کوئی روک ٹوک نہیں کی اور سب لوگ چلے گئے، ان بزرگ نے اس شخص سے محاسبہ کیا کہ میں نے تو پاسبان اور چوکیدار بنا کے کھڑا کیا تھا، تم نے سب کو جانے دیا، اس نے اسی جملہ کی سند پکڑی کہ آپ نے تو خود فرمایا تھا کہ "روکو مت جانے دو" اہل کلام اور ادیب معمولی تصرف سے عبارت کو کچھ سے کچھ کر دیتے ہیں، ایک صاحب کا نام محمد کالے تھا، کسی ادیب و شاعر نے اس کا کتنا عمدہ سجع بنایا،

ہر دم نام محمد کالے

ان اصطلاحات و مقاصد کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں نے خواجہ حافظ کے کلام سے کیا کیا سمجھا اور کس کس چیز کی سندیں لیں!

اصلاح و تربیت کے طریقوں میں فرق کا سبب

فرمایا کہ — طرق و سلاسل، طبائع و زمانے کے اختلاف کے مطابق وضع ہوتے رہے، جس زمانہ میں جس طرح کی طبیعتیں اور حالات تھے، اس زمانہ میں اسی کے مطابق بزرگوں نے اصلاح و تربیت کے طریقے وضع کیے اور اسی کے مطابق ان میں تغیر و تبدل ہوتا رہا، اس کی مثال لباس کی سی ہے، سردی کا ایک لباس ہوتا ہے، گرمی کا ایک لباس، ہر موسم کے لئے ایک ہی لباس کو پکڑا نہیں جا سکتا۔ میں سردی میں چغہ اور دگلا پہنتا ہوں، لیکن مستقل "صاحبِ جبہ" نہیں

ہوسکتا، لوگوں نے طرق کو مقصود بالذات سمجھ لیا اور ان میں ان کے بارے میں عصبیت وحمیت پیدا ہوگئی، ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے بلکہ دوسروں کی تحقیر کرنے لگے۔

اوراد واذکار کا جس قدر اہتمام کیا جائے اسی قدر قبولیت وتاثیر پیدا ہوگی

شام کو خانقاہ میں ملاقات وزیارت کرنے والوں کی وجہ سے حضرت بھی بیٹھ گئے اور مجلس شروع ہوگئی۔

بمبئی کے ایک دیندار تاجر اور تبلیغی جماعت کے ایک ممتاز کارکن حاجی علاء الدین صاحب پالن پوری نے عرض کیا کہ میرے ایک دوست نے چلتے وقت حضرت سے اپنی ایک پریشانی دور ہونے کے لئے دعا کی درخواست کی تھی اور کچھ پڑھنے کو پوچھا تھا۔ ان کا ایک ۱۳-۱۴ برس کا لڑکا ۸ ماہ سے گم ہوگیا ہے، وہ سخت پریشان ہیں، حضرت نے سورہ والطارق پڑھنے اور خاص طور پر "اِنَّہٗ عَلٰی رَجْعِہٖ لَقَادِرٌ" کا زیادہ سے زیادہ وِرد رکھنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا کہ ایسے کام ایجنٹوں اور خطوط کے ذریعہ ٹھیک نہیں ہوتے، تاثیر کم ہوجاتی ہے، ان اوراد واذکار کے لئے جتنا اہتمام کیا جائے گا اور طالب سے جس قدر ان کی عظمت وطلب صادق کا اظہار ہوگا، اسی قدر ان میں مقبولیت وتاثیر پیدا ہوگی، مولانا عبدالشکور صاحب ایک مرتبہ حج سے واپسی پر بہت دن ٹھہرے، لکھنؤ جاکر لکھا کہ میں مُدکی سند لینے کے لئے آنے والا ہوں، میں نے لکھا کہ آپ تو اتنے دن یہاں مقیم رہے، فرمادیا ہوتا تو اس کی بھی تعمیل کردیتا، جواب میں تحریر فرمایا کہ اس مقصد کے لئے مستقل سفر ہی مناسب ہے، میں اس کو ضمنی طور پر نہیں کرنا چاہتا تھا، چنانچہ مستقل سفر فرمایا اور سند حاصل کی۔

اپنے اعمال و وظائف کے بجائے اللہ کے کرم پر اعتماد ہونا چاہیئے

فرمایا کہ — بعض لوگ کثرت سے وظائف پڑھتے ہیں، ان کا سارا وقت وظائف سے گھرا رہتا ہے، جس بزرگ نے جو بتادیا اور جس کتاب میں جو کچھ دیکھ لیا اس کو بھی پڑھنا شروع کر دیا، پھر شکایت کرتے ہیں کہ وظائف میں تاثیر نہیں، میں اتنے دن سے وظائف پڑھ رہا ہوں، میرا کام نہیں ہوا، وظائف پر اعتماد ایسے ہی ہے جیسے کسی کو اپنی مزدوری اور محنت پر ناز ہو، اور اس پر بھروسہ کرلے، پھر کریم کے کرم، بے استحقاق عطا اور اس کے جود و سخا پر اعتماد کہاں رہا، اپنے فقر و بے بضاعتی پر نظر ہونی چاہیئے کہ میں تو خالی ہاتھ ہوں، البتہ وہ کریم بندہ نواز اور گدا پرور ہے (اَللّٰهُمَّ اِنَّ مَغْفِرَتَكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ[1]) یہاں ایک منشی مبارک علی صاحب تھے، ہم سے تعلق رکھتے تھے، بہت اوراد و وظائف پڑھتے تھے۔ ایک دن میں دوپہر کو سو رہا تھا، پریشان ہو کر خانقاہ میں آئے، کہا کہ جگا دیجئے میں بہت پریشان ہوں، میں اٹھ کر آیا تو معذرت کرنے لگے کہ تکلیف دی۔ میں نے کہا کہ اگر یہ ذرا سی تکلیف بھی ہوئی تو آپ کے احسانات تو بہت ہیں، ان کے مقابلہ میں یہ کوئی تکلیف نہیں، کہنے لگے کہ اب برداشت نہیں ہوتا، جو لوگ میرے ممنونِ احسان پروردہ تھے، اب مجھ سے کتراتے اور آنکھیں چرانے لگے، میں نے کہا سب وظائف چھوڑ دیجئے اور اللہ کے کرم پر اعتماد کیجئے، انھوں نے ایسا ہی کیا، میں دہلی گیا ہوا تھا، ان کا خط آیا کہ اللہ نے بڑا فضل فرمایا، میری پریشانی دور ہوگئی۔

---

[1] اے اللہ تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے اور مجھے اپنے اعمال سے زیادہ تیری رحمت سے امید ہے۔

نئی نئی دعاؤں اور سریانی وعبرانی وظیفوں کا شوق

فرمایا کہ لوگوں کو نئی نئی دعاؤں اور سریانی وعبرانی زبان کے وظائف کا شوق ہوتا ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے دعائے مشیخ کی فرمائش کی، میں نے کہا کہ مجھے تو قرآن کی سورتیں اور دعائیں آتی ہیں، دعائے مشیخ سے میں ناواقف نہ تھا، یہ سریانی زبان کی ایک دعا ہے، میں جب نوجوانی میں حیدرآباد میں تھا تو مجھے اس کے سیکھنے کا شوق ہوا، حیدرآباد میں ایک بزرگ بلال علی شاہ صاحب تھے، وہ پرانے پل سے آگے کاغذی گوڑہ میں رہتے تھے، میں اپنے ایک دوست کے ساتھ وہاں پہنچا، معلوم ہوا کہ حضرت شہر گئے ہوئے ہیں، بہت دور سے آیا تھا، ان کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ وہاں عرس کی تیاریاں ہو رہی تھیں، کمانیں لگ رہی تھیں، کچھ دیر کے بعد حضرت تشریف لائے، خدام پر بہت ناراض ہوئے کہ تم بہت ناسمجھ اور بے سلیقہ ہو، تمھیں کوئی ڈھنگ نہیں، یہ کیا لگا رہے ہو، یہ کس طرح بنا رہے ہو؟ بہت دیر تک ان پر غصہ وعتاب فرماتے رہے، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے کہ کیوں کھڑے ہو؟ ہم لوگ گھبرائے کہ اب ہماری شامت آئی، عرض کیا کہ دعائے مشیخ سیکھنے اور اس کی اجازت حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں، بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ جس نے تم کو یہ راستہ بتایا اس کو لٹاکر پانچ جوتے مارو، یہ کوئی مذاق ہے، جب کسی کو خلافت دی جاتی ہے تو اس وقت اس دعا کی اجازت دی جاتی ہے، ہم اپنا سا منھ لے کر چلے آئے اور ہم نے کہا کہ سورۂ اخلاص، سورۂ کوثر جیسی عظیم سورتیں تو بلا خلافت کے مل جاتی ہیں اور یہ دعائے سریانی بغیر خلافت کے نہیں ملتی۔

قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ میں سب کچھ ہے

فرمایا کہ کتب تصوف اور مکتوبات شریف وغیرہ میں جو بڑے بڑے مراقبات آئے

ہیں، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب قرآن شریف کی آیات میں موجود ہیں، اسی طرح ادعیۂ ماثورہ اور اذکار مسنونہ میں تفکر کرنے اور ان کو شعور و استحضار کے ساتھ پڑھنے سے وہ سب مقاصد حاصل ہوتے ہیں جو ان مراقبات سے مقصود ہیں، ایک سوتے وقت کی اس دعاء ہی کے الفاظ و معانی پر غور کیجیے جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو تلقین کی[۱] کیسی جامع مراقبات دعاء ہے اور اس سے تسلیم و رضا، توکل و اعتماد اور کیسی فنائیت حاصل ہوتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ وَاَلْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ رَغْبَۃً وَّرَھْبَۃً اِلَیْکَ لَامَلْجَأَ وَلَامَنْجَأَ مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ ۔

فرمایا کہ قاعدہ ہے کہ آدمی جتنا بلندی کی طرف جاتا ہے، سفلی اجزاء غیر ضروری اور بوجھل اشیاء کو نیچے چھوڑ جاتا ہے، میں نے ماسٹر بدیع الحسن صاحب اور ریاضی و طبعیات کے استادوں سے چاند کی طرف جانے والے راکٹ کا حال پوچھا اور اس کی تفصیلات معلوم کیں، معلوم ہوا کہ راکٹ اپنے بہت سے حصوں کو نیچے گراتا ہوا گیا۔ اور جب وہ چاند کے مدار میں داخل ہوا تو اس کا صرف ضروری اور مناسب حصہ رہ گیا، اسی طرح صوفیہ کرام نے اپنے مراقبات اور روحانی عروج میں عالم علوی کی سیریں کی ہیں، وہ بھی اس پرواز میں اپنے کثیف و ثقیل اجزاء کو پیچھے چھوڑ دیتے تھے اور صرف اپنی لطافت روح اور قوت عروج

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الوضو کے آخر میں یہ روایت موجود ہے کہ اے اللہ میں نے اپنے کو تیرا فرمانبردار بنادیا اور اپنا معاملہ بس تیرے سپرد کر دیا اور تجھ ہی کو اپنا پشت پناہ بنالیا تیری نظر کرم کے شوق اور امید میں تیرے غضب اور عذاب سے ڈرتے ہوئے تیرے سوا کوئی جائے پناہ نہیں اور کوئی نجات کی صورت نہیں۔ میں ایمان لایا تیری نازل فرمائی ہوئی کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے رسول پاک پر۔

سے اس عالم میں پہنچتے تھے اور ملک السموات کی سیر کرتے تھے، اس سیر میں بعض اوقات وہ چاند کو اپنے سے اتنا نیچا دیکھتے تھے جتنا اس زمین پہ رہنے والے اس کو اپنے سے اونچا دیکھ رہے ہیں۔ شیخ اکبر حضرت مجدد وغیرہ نے اپنے ان عروجات و سیر آفاقی کے منازل کو لکھا ہے۔

اٹھارویں مجلس

۳ر ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۲ر جنوری ۱۹۶۹ء وقت

صبح ½ ۹ بجے (چہار شنبہ)

آج حضرت کی طبیعت کچھ مضمحل تھی، کمر میں کئی روز سے درد تھا، آج اس میں غالباً کچھ زیادتی ہوگئی، اشراق پڑھ کر خلاف معمول لیٹ گئے اور آنکھ لگ گئی، مولانا انعام الحسن صاحب چند رفقاء و خدام کے ساتھ ملنے آئے، یہ معلوم کرکے کہ حضرت آرام فرما رہے ہیں، راقم سطور کے پاس اندر مہمان خانہ میں آگئے، کچھ دیر کے بعد جلسہ میں شرکت کرنے والے مہمانوں اور خانقاہ میں آنے والوں کا ہجوم ہوگیا، اندر کا دالان بالکل بھر گیا، باہر بھی فرش کا انتظام کرنا پڑا، حضرت بیدار ہوئے اور مولانا کے میرے پاس تشریف رکھنے کا علم ہوا تو بجائے باہر خانقاہ میں جانے کے اندر ہی تشریف لے آئے اور دالان کے کنارہ جہاں جُوتے اُتارے جاتے ہیں اس کے پاس ہی بیٹھ گئے، حاضرین نے صدر مجلس میں تشریف رکھنے کے لئے عرض کیا، تو فرمایا کہ مجھے یہیں راحت ہے، بے تکلفی بڑی راحت کی چیز ہے میں بے تکلفی کو بہت پسند کرتا ہوں، آدمی کو چاہیئے کہ جیسی ضرورت ہو اور ساتھی کو جس خدمت و راحت کی ضرورت ہو پہنچائے، میرے ساتھ حیدرآباد سے ایک لڑکا چلا آیا تھا وہ میرے ہی پاس

رہتا تھا، ایک دن اسکو تکلیف تھی، میں اس کی کمر دبانے لگا، منشی حکیم الدین صاحب بڑے زور سے چونکے اور کہا کہ میں یہ خدمت انجام دوں گا، گویا ان کو حضرت قدوۃ السالکین کا یہ کام کرنا پسند نہ آیا، میں نے کہا کہ یہ مجھے آرام پہنچاتا ہے، اگر میں اس کو آرام پہنچادوں تو کیا حرج ہے؟ اسلام خصوصیات کو مٹاتا ہے۔

یورپ میں تبلیغی کام اور اسکے اثرات

مولانا انعام الحسن صاحب اور ان کے بعض رفقاء نے یورپ میں تبلیغی اثرات، جماعتوں کی نقل وحرکت اور مساجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہونے کا ذکر کیا، یہ بھی تذکرہ فرمایا کہ جماعت کے لوگوں نے پیرس میں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کی، اس مرتبہ رمضان مبارک میں وہاں تراویح ہوئی، ساٹھ ستر آدمی تراویح میں شریک ہوتے تھے، اخیر عشرہ میں ایک صاحب نے اعتکاف بھی کیا، خط میں تھا کہ پیرس کی تاریخ میں شاید پہلا اعتکاف ہے، حضرت نے ان واقعات پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ خدا کی شان ہے کہ کفر وظلمت کے مرکزوں میں یہ تبدیلیاں ہو رہی ہیں، اور اسلام وایمان کے مرکزوں میں اور بزرگوں کے خاندانوں میں جہاں پشتوں سے دینداری اور بزرگی چلی آرہی تھی، مغرب کی نقالی دین سے بے رغبتی بلکہ دین کی تحقیر اور شعائر اسلام سے وحشت اور ان کے ساتھ تمسخر کے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں، ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

حضرت مولانا محمد الیاس سے پہلی ملاقات اور ان کی نماز کا تذکرہ

فرمایا کہ ہم تو اسی وقت سے معتقد ہیں جب نظام الدین کی یہ مسجد بہت مختصر اور کچی پکی تھی اور کچھ معذور وا پاہج سے میواتی وہاں پڑے رہتے تھے، ہمیں تو یہ باغ اسی وقت لہلہاتا نظر آتا تھا، میں ایک مرتبہ نظام الدین زیارت

کے لئے گیا، زیارت سے فارغ ہو کر جانے لگا تو کسی نے کہا کہ ایک چھوٹی سی مسجد اور ہے، وہاں ایک چھوٹا سا مدرسہ اور ایک بزرگ رہتے ہیں، وہاں بھی چلیے، میں حاضر ہوا اور ان بزرگ (مولانا الیاس) کو دریافت کیا، کہا گیا کہ وہ اس وقت مسجد کے باہر گئے ہوئے ہیں، ظہر کی نماز کے وقت ملیں گے، میں ٹھہر گیا، ظہر کی نماز کا وقت آیا، وہ تشریف لائے، میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی، یا تو اپنے والد صاحب کے پیچھے (ایسے اطمینان کی) نماز پڑھی تھی یا ان کے پیچھے۔ پھر میں نے مولانا یوسف صاحب کا دور بھی دیکھا، ایک دن میں نے ان سے کہا کہ میں نے آپ کو اس وقت دیکھا تھا کہ جب آپ صفوۃ المصادر پڑھتے تھے، بڑی سادگی سے بولے کہ اب بھی تو وہی پڑھ رہا ہوں،

جس دن قرآن نہ پڑھا جائے مزاج ٹھیک نہیں رہتا

محمد رفیق صاحب کانپوری نے جو حضرت سے ملے ہوئے بیٹھے تھے، پوچھا کہ حضرت مزاج کیسے ہیں؟ فرمایا کہ الحمد للہ بہت اچھے ہیں اور اچھے ہی رہتے ہیں، ہاں جس دن قرآن مجید نہ پڑھوں اس دن مزاج ٹھیک نہیں رہتا "وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝" مزاج ہی پر سب انحصار ہے۔

موت کے خیال اور آخرت کے یقین کی کارفرمائی

ایک بزرگ نے مکاشفہ میں دیکھا کہ ایک مچھر ان کے بائیں مونڈھے پر بیٹھا ہوا ہے، اس کا ڈنک ان کے قلب پر ہے، اور وہ موت کا خیال ان کے دل سے ہٹاتا رہتا ہے، موت کے خیال اور آخرت کے یقین سے عمل صالح کی فکر اور زاد راہ کا اہتمام لازماً پیدا ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ

---

[1] اور جو غافل رہے خداوند رحمٰن کی یاد سے اسکے ساتھ مقرر کر دیتے ہیں ایک شیطان پھر وہ اسکے ساتھ لگا رہتا ہے۔

بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ أَحَدًا[1] لوہے کا گولہ یا گیند ڈھلوان کی طرف خود بخود جائے گا، اس کو دھکا دینے یا لڑھکانے کی ضرورت نہیں حضرت عمرؓ کی انگوٹھی پر نقش تھا کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا ۔ ڈاکیہ کے تھیلہ میں پندرہ ہزار کی رقم ہے، اس کا ایک بے تکلف دوست پندرہ روپے مانگتا ہے، وہ نہیں دے سکتا، حالانکہ اس کے پاس ۱۵ پندرہ نہیں ۱۵ پندرہ ہزار روپے ہیں، کیوں؟ اس لئے کہ اس کو معلوم ہے کہ اس کو ڈاک خانہ میں پائی پائی کا حساب دینا ہے، وہ غنی بھی ہے، مفلس بھی، مختار بھی ہے مجبور بھی۔ یہی انسان کا حال ہے جس کو آخرت کا کھٹکا لگا ہوا ہے، وہ بھی ڈاکیہ کی طرح غنی بھی ہے، قلاش بھی ہے، آزاد بھی ہے، غلام بھی، مختار بھی ہے، مجبور بھی اپنے اختیار سے کام لے سکتا ہے اوا پنی ملک میں آزادانہ تصرف بھی کر سکتا ہے مگر آخرت کے حساب و کتاب کا خوف لگا رہتا ہے۔

فرمایا کہ موت کے وقت بعض لوگوں کو بڑا اضطراب ہوتا ہے، یہ گھبراہٹ کیسی؟ اسی وقت کے لئے تو ساری کوشش اور تیاری ہوتی ہے، ایک شخص روئی دھنکواتا ہے، صاف کراتا ہے، پھر رزائی بناتا ہے، اب جب سونے اور سردی کا وقت آیا تو رزائی سے گھبراہٹ کیوں؟ آرام اٹھانے کا تو اب وقت آیا ہے، اب رزائی کی قدر آئے گی، میرا وقت جتنا قریب آتا جارہا ہے فرحت بڑھتی جارہی ہے، ایک نوجوان میرے پاس آتا جاتا تھا، احتضار کے وقت میں اسے دیکھنے گیا، بولا اماں مجھے پکڑ لے، میں چلا، یہ اماں کو آواز دینے کا وقت تھوڑے ہی ہے، ایک سن رسیدہ بزرگ بہت بیمار تھے، میں دیکھنے گیا، کہنے لگے کہ ایسی دنیا دیکھ رہا ہوں جس میں نہ دن ہے نہ رات، میں سمجھ گیا کہ دوسرا عالم شروع ہو گیا ہے۔

---

[1] جسے امید ہو اپنے رب سے ملنے کی وہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کی عبادت اور بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے

ایسے وقت میں کلمہ پڑھنے کو کہا جائے تو اعزّہ برا مانتے ہیں کہ بدشگونی کر رہا ہے، میں نے کہا کہ آپ کے دل پر گھبراہٹ معلوم ہوتی ہے؟ کہنے لگے ہاں! میں نے کہا کلمہ اس کا علاج ہے، گھبراہٹ دور ہو جائے گی! آپ کلمہ پڑھئے۔

قرآن میں ایسے کوڑے ہیں کہ پہاڑ بھی پاش پاش ہو جائیں۔ شیخ غوث محمد گوالیاری کا عجیب واقعہ

فرمایا قرآن مجید میں ایسی چوٹیں ہیں اور ایسے کوڑے ہیں کہ پہاڑ بھی پاش پاش ہو جائیں، انسان تو انسان جنوں نے کہا کہ "اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا" جنوں کی طاقت سب جانتے ہیں، اس پر آپ نے واقعہ سنایا کہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری ابتدائی دور میں زبردست عامل تھے بہت سے جنوں کو تابع کر رکھا تھا، وہ موکل تھے، کبھی فرماتے کہ اس شہر میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں، دم کے دم میں وہاں پہنچا دیئے۔ کتنے جنوں کو انھوں نے جلا کر راکھ کر دیا، کتنوں کو درخت سے لٹکا کر مارا، ایک ایسے ہی جن کو انھوں نے جلا دیا تھا، اس کا ایک بیٹا تھا، اس کی ماں نے اس سے کہا کہ اگر تو اپنے باپ کا بیٹا ہے تو اپنے باپ کا انتقام لے کر دکھا، وہ ملک مغرب میں جہاں جنوں کے عملوں اور سحروں وغیرہ کا بڑا رواج تھا، اس فن کو سیکھنے گیا اور بڑے بڑے عملیات حاصل کئے تھے، واپس آیا تو انھوں نے کہا کہ نہیں، ابھی خامی ہے، پھر جا، پھر سیکھ کر آیا، پھر ماں نے واپس کیا، تیسری مرتبہ سیکھ کر آیا، ماں نے کہا کہ اب ٹھیک ہے، اپنا کام کر، محلہ میں ایک عورت پر اس کا تسلط ہوا، حضرت شیخ محمد غوث کو اطلاع کی گئی، پیغام بھیجا کہ جان کی امان چاہتا ہو تو چھوڑ کر چلا جا، اس نے کہا کہ میں تو حضرت کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا ہوں، انھوں نے فرمایا کہ اگر جاتا نہیں تو میں خود آتا ہوں، کہا کہ مجھے تو حضرت ہی سے ملاقات کا اشتیاق ہے، وہ تشریف لائے، عمل کیا مگر کچھ اثر نہیں ہوا، وہ خود انھیں کے پیچھے پڑ گیا،

آخر میں وہ سمجھ گئے کہ زبردست ہے، فرمایا کہ ایک چلّہ کی مہلت دے دتا کہ میں اپنے عملیات تازہ کرلوں) اس نے کہا تین چلّوں کی مہلت ہے، مہلت ختم ہونے پر اندازہ ہوا کہ ان کا اس پر بس نہیں چلتا، آخر میں انھوں نے شکست قبول کرلی، اس نے کہا کہ درخت میں اُلٹا لٹکا کر ماروں گا۔ آپ تڑپ تڑپ کر جان دیں گے، وہ زندگی سے مایوس ہوئے، اگلے دن صبح کی نماز انھوں نے ایک مسجد میں پڑھی، وہاں ایک گمنام درویش کس مپرسی میں پڑے رہتے تھے۔ کبھی انھوں نے ان کی طرف التفات نہیں کیا تھا، دل میں آیا کہ اب دنیا سے رخصت ہورہا ہوں، ان کو بھی سلام کرلوں، سلام کیا اور کہا کہ اب ملاقات نہ ہوگی، فرمایا کیوں؟ کہا کہ یہ جن نہیں مانتا، ان درویش نے اس کو مخاطب کرکے کہا اپنی ماں سے کہدینا کہ تمھاری بات پوری ہوگئی، اب ان کی جان صدقہ کردے، اس کا اجر آخرت میں ملے گا، اس نے جواب دیا کہ ماں تابعدار ہیں، حضرت کا حکم سر آنکھوں پر، ان کی جان بچ گئی، انھوں نے دیکھا کہ اخلاص سے اللہ کا نام لینا کیا اثر رکھتا ہے، جو کام زبردست عملیات نہ کرسکے، وہ چند سیدھے سادے لفظوں نے کردیا، اس سے وہ سارا مشغلہ چھوڑ کر درویشی کی طرف رجوع ہوئے اور شیخ کامل بن گئے۔

اپنے معاصی پر نظر رہنی چاہیئے فرمایا کہ طالبین و سالکین کی تجلیات و مقامات پر نظر رہتی ہے اپنی کمزوریوں پر نظر نہیں رہتی، اگر معصیت پر نظر ہو تو سلوک تمام ہوجائے، مجھے بعض بھولے بھالے طالبین اپنے مقامات کی اطلاع دیتے رہتے ہیں کہ میں مسمّٰی کا مراقبہ کررہا ہوں، میں فلاں لطیفہ میں مشغول ہوں، مجھے ہنسی آتی ہے، فرمایا کہ احکام شریعت کو نظر انداز کرکے اور ان کو پس پشت ڈالنے سے لوگ نہیں گھبراتے ہیں، مسجد کے محراب میں کھڑے ہوکر کچھ بیان کررہا ہوں، ایک بچہ مجھے ٹوک دیتا ہے۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ کہ آپ کے پیچھے طاق پر قرآن و حدیث کی کتابیں رکھی ہوئی ہیں،

قرآن وحدیث کو بیٹھ ہو رہی ہے، میں اس کو مان لیتا ہوں اور قرآن وحدیث کا ادب کرتا ہوں، لیکن حکم شرعی کی مخالفت کرنے والوں اور خدا و رسول کو نظر انداز کرنے والوں سے کہا جائے کہ کیا یہ قرآن وحدیث کی طرف پشت کرنے سے کچھ کم ہے؟ کیا یہ اہانت اور بے ادبی نہیں ہے؟ تو اس کا جواب کچھ نہیں۔

اگلی شریعتوں کی سختی اور شریعت محمدی کی سہولت

آج شام کو خلاف معمول بعد مغرب پھر مجلس شروع ہو گئی، فرمایا کہ تقابل سے حقیقت کھلتی ہے اور نعمت کی قدر ہوتی ہے، بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیبت میں سامری کے بہلانے پھسلانے سے جب بچھیڑہ کی پوجا کی تو ان کے لئے توبہ کا طریقہ یہ تجویز ہوا کہ جو گوسالہ پرستی سے محفوظ رہے، وہ ان کو قتل کر دیں جو اس میں ملوث ہوئے لیکن امت محمدیہ صلعم کے لئے گناہ سے توبہ کا طریقہ، یہی توبہ اور استغفار ہے۔ اب اگر کسی کو بنی اسرائیل کے ساتھ خدا کے اس معاملہ کا علم نہیں، تو اس کو توبہ و استغفار کے اس اسلامی طریقہ کی قدر کیا آئے گی؟ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کو نسخہ لکھ کر دیدیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ جڑی بوٹیاں، پھال اور پتیاں، جنگلوں اور پہاڑ کے دامنوں سے تلاش کر کر کے لاؤ۔ پھر ان کو کوٹو، چھانو، جوش دو اور پیو اور ایک شخص کو بنی بنائی معجون دیدی گئی اور کہہ دیا گیا کہ استعمال کرو، اس معجون کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو کھا کر کوئی آدمی ہمیشہ کے لئے مرتا نہیں، فنائے ابدی اور موت حقیقی اس پر حرام ہے "لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ" اس معجون کا استعمال کرنے والے موت کے ذائقے سے بھی آشنا نہیں ہوں گے، البتہ معجون کی تھوڑی سی کڑواہٹ اور بدمزگی، نفس کی گرانی اور عادات کی مخالفت گوارہ کرنی پڑیگی کہ اس سے مفر نہیں" اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی" یہ نوشدارو اور آب حیات استعمال کر کے

عالم برزخ میں کچھ دن رہنا پڑے گا، پھر بقائے دوام ہے، استعمال کرنے کے اوقات بتائے گئے کہ کچھ طلوع آفتاب سے پہلے استعمال کرلیا کرو، تھوڑی سی زوال آفتاب کے بعد ایک خوراک مغرب کو ایک عشا کو (نماز کے پانچ اوقات) نورالصباح[1] میں رہنے کی قدر جب آئیگی جب آدمی کچھ دن جھونپڑے میں رہا ہو، جھڑی لگی ہو، چھپر ادھر سے ٹپکا تو کھٹیا اُدھر لے گئے، اُدھر ٹپکا تو ادھر گھسیٹ لائے اور جب سب طرف سے ٹپکنے لگا تو گدڑی لپیٹ کر بیٹھ گئے، اور رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ اب اسی غریب آدمی کو جب محل میں رہنا نصیب ہوگا۔ تب اس نعمت کی قدر آئے گی، امم سابقہ کے احکام و شرائع سے تقابل کرکے دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ اللہ نے احکام شریعت کی شکل میں کیا نعمت عطا فرمائی ہے اور کن کن زحمتوں اور مشقتوں سے بچایا ہے، اونٹ جب پہاڑ کے نیچے آتا ہے تو بلی کا بچہ نظر آتا ہے۔

شریعت کی اہمیت، جنت کی عظمت اور دوزخ سے وحشت و دہشت کی کمی

فرمایا کہ لوگوں کے لئے عبادات و نوافل بھی سہل ہیں، لیکن شریعت کے احکام کا احترام جنت کی عظمت اور دوزخ سے جو وحشت ہونی چاہیئے وہ بعض اوقات نہیں ہوتی، ایک صاحب اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے، خود بھی نیک تھے اور ان کے والد بھی بہت نیک تھے، پاجامہ ٹخنے سے نیچے رہتا تھا، میں نے کہا کہ آپ ماشاءاللہ نماز روزہ کے پابند ہیں، اعتکاف میں بیٹھ رہے ہیں، پائنچوں کو ٹخنوں سے اونچا رکھنا چاہیئے، یہ خلاف شریعت امر ہے، بے ساختہ جواب دیا کہ ہاں مجھے معلوم ہے کہ اس کے لئے دوزخ ہے، اللہ اکبر! دوزخ ایسی معمولی چیز ہے، دوزخ کی حقیقت ان کو معلوم ہے، قرآن و حدیث میں اس سے کتنا ڈرایا گیا ہے، اس کے کیسے ہولناک مناظر بیان کئے گئے ہیں اور اس کا کیسا ہیبت ناک نقشہ کھینچا گیا ہے، مومن کو اس

[1] احمد آباد بھوپال میں علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کی کوٹھی

سے کیسی وحشت ہونی چاہیئے۔

محبت اور کراہیت کا اصل تعلق روح سے ہے

قاعدہ اور تجربہ ہے کہ جو چیز روح سے جتنی زیادہ متعلق اور ذات سے اس کی نسبت جتنی قوی ہوتی ہے، اتنی محبوب ہوتی ہے۔ بالذات محبوب اپنی ذات ہوتی ہے۔ جو چیز جتنی روح سے دور ہوتی جائے گی اتنی ہی مکروہ ومبغوض ہوتی جائے گی۔ دیکھیے جیتا ناخن کوئی نہیں کٹواتا۔ اس کے کٹنے سے کتنی تکلیف ہوتی ہے، لیکن جب ناخن بڑھ جاتا ہے اور اس کا روح سے اتصال ختم ہوجاتا ہے تو اس سے کتنی وحشت ہونے لگتی ہے اور آدمی اس کو کتنی جلد اپنے سے جدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ڈاکوؤں کی ذہانت ایک علمی لطیفہ

فرمایا کہ ہارون رشید کے پاس کچھ ڈاکو لائے گئے جو سزائے موت کے مستحق تھے۔ انھوں نے کہا کہ امیرالمومنین ہم پر دو عذاب جمع نہ کیجئے، ایک موت کا عذاب اور ایک بھوک کا عذاب، خلیفہ نے ان کے لئے کھانا منگوایا، اور ان کو کھلایا، انھوں نے کہا کہ امیرالمومنین اب آپ کا ہم پر بس نہیں چل سکتا، ہم آپ کے مہمان ہوگئے۔ ہارون رشید نے یہ سن کر کہا کہ انھوں نے مجھے بے بس اور لاجواب کردیا، قرآن شریف میں آیا ہے تتنزل علیہم الملٰئکۃ أن لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ نحن اولیٰئکم فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الأخرۃ ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون نزلا من غفور رحیم[1] یہ کتنی بڑی بشارت اور کیسی نوید جانفزا ہے۔

---

[1] ان بندوں پر نازل ہوتے ہیں فرشتے، اللہ کی طرف سے یہ پیغام لیکر کہ نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ۔ اس جنت کی بشارت لو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمھارے رفیق ہیں دنیا اور آخرت میں اور جنت میں تمھارے لئے وہ سب ہے جسے تمھارے جی چاہیں گے اور جو تم مانگو گے۔ مہمانی ہوگی غفور و رحیم پروردگار کی طرف سے۔

انیسویں مجلس

۴ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۳ جنوری سنہ ۱۹۶۹ء پنجشنبہ ۹½ بجے صبح

خاص حاضرینِ مجلس :- مولوی حسن خاں میواتی، سید ظہیر الحسن صاحب (نبیرہ نواب سید نور الحسن خاں خلف الرشید نواب صدیق حسن خاں بہادر) مولوی فراہیم صاحب تحصیلدار۔ مولوی نثار الحق ندوی۔

ہم لوگ جب پہنچے تو مکتوبات امام ربانی کا مکتوب ۵۷/۲ جو حدوث وفنائے عالم کے بارے میں مولانا حمید احمدی کے نام تحریر کیا گیا ہے، پڑھا جارہا تھا۔ پہلے حضرت نے اس کا فارسی متن پڑھ کر سنایا۔ پھر حافظ منصور صاحب نے اس کا اردو ترجمہ پڑھا۔

ہم کو معلوم ہی نہیں نماز کیا ہے

حضرت کے سامنے سے ایک مجلد کتاب اٹھائی اور سید ظہیر الحسن صاحب کی طرف اسکو بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ "نماز کا مزہ تو اس کے پڑھنے کے بعد آئے گا۔ ہم کو معلوم ہی نہیں کہ نماز کیا ہے"۔ ظہیر الحسن صاحب نے کتاب کھول کر دیکھی تو وہ "الارکان الاربعۃ" تھی، راقم سطور ان کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا، اس کی بھی نظر پڑی، فرمایا کہ "قرآن شریف کا عطر ہے، اس کو روز گھوٹتا رہے"۔ کپڑا بننا، گلوبند وغیرہ ایک مدت میں آتا ہے، دین کو یہ سمجھ رکھا ہے کہ ادھر گھی کھایا، ادھر آئینہ میں منھ دیکھنے لگے، دین کا کام بھی ایک مدت میں آتا ہے،

جس طرح دنیا کے کاموں کو ہم مدتوں میں سیکھتے ہیں، راقم سطور نے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیں کہ اس کے لکھنے والے کو بھی نماز پڑھنی آجائے، حضرت نے اس پر پُر از شفقت کلمات فرمائے اور دعا دی۔

عادات کو عبادت بنانے کی کوشش کرو عبادات کو عادت نہ بنالو

فرمایا۔ عبادتوں میں جو درن ملا ہوا ہے، کھاتے جاؤ بھوک لگتی جاتی ہے، اسی کا نام عبادت ہے، جس سے طبیعت سیر ہوئی اس کا نام عادت ہے۔ دنیا کی ہر چیز کھانے کے بعد طبیعت سیر ہو جاتی ہے مگر عبادت سے طبیعت سیر نہیں ہوتی، عادت اور عبادت میں یہی فرق ہے، میری بچی کی شادی ہوئی۔ سب بھائیوں نے اس کو تحفے دیئے، میں نے اس کو نصیحت نامہ لکھکر دیا۔ یہی میرا تحفہ تھا، اس کا خاص مضمون یہی تھا کہ عبادات کو عادت بنانے کی کوشش کرو، عبادات کو عادت نہ بنالو اس وقت ہماری اکثر عبادات عادت بن گئی ہیں جو عادتاً اور بغیر کسی شعور و استحضار کے ادا ہوتی ہیں، کسی کو کلب جانے کی عادت ہے، کسی کو مسجد جانے کی، عبادت کی عظمت اور اس کی فضیلت کا استحضار نہیں ہوتا، اجر و ثواب کے خیال اور اُخروی منافع پر نظر کر کے کسی کام کو انجام دینے کا نام عبادت ہے، یہی ترغیب و منافع ہیں جن کی وجہ سے آدمی سردی کی رات میں جب وہ میٹھی نیند سو رہا ہوتا ہے، لحاف سے نکل کر نماز پڑھنے کے لئے اٹھتا ہے، ٹھنڈے پانی سے وضو کرتا ہے، مسجد جاتا ہے، اور یہی دنیاوی منافع کی خاطر کرتا ہے۔ ڈاکیہ کی آواز پر، کوئی عزیز سفر حج سے واپس آئے ہیں ان کے

۵ے اہلیہ ڈاکٹر سید رفیع الدین صاحب قادری صدر شعبۂ عربی، فارسی، اردو، ناگپور یونیورسٹی

استقبال وملاقات کے لئے آرام چھوڑکر اور تکلیف اٹھاکر جاتا ہے، مجھے تہجد کے لئے ان چیزوں سے کام لینے سے ہمیشہ اختلاف رہا جو بیداری کے لئے معاون اور نیند دور کرنے والی ہیں، اس کے لئے تو " هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَهُ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ " کی وہ صدا ہی کافی ہے جو رات کے آخری حصہ (ثلث اللیل الآخر) میں لگتی ہے،[1] اس صدا کے بعد پھر کسی اور تدبیر یا انتظام کی ضرورت نہیں۔

باباتاج الدین یا خداوند قدوس

فرمایا کہ بمبئی کے ایک تاجر ایک مرتبہ کہیں جاتے ہوئے بھوپال اتر گئے، اس دن میرے سر میں درد تھا، میں دوپہر کو یہ کہہ کر سو گیا کہ مجھے جگانا نہیں، وہ سیٹھ صاحب آئے، مجھے دریافت کیا اور کہا کہ مجھے جلد جانا ہے، لوگوں نے مجھے جگا دیا۔ سرگرانی تو بہت ہوئی، لیکن اس خیال سے کہ اللہ کی مخلوق سے فائدہ ہوتا ہے، کوئی آیا ہے تو میں پٹرول بھر لیتا ہوں، انھوں نے حضرت تاج الدین بابا[2] کا ذکر شروع کیا کہ ایسے بزرگ تھے، ایسے بزرگ تھے، ایسے سیف زبان تھے، جس سے جو کہہ دیا ہو گیا، جس کو سخت سست کہا یا پتھر اٹھاکر مارا اس کا کام بن گیا، میں خاموش سنتا رہا۔

---

[1] صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوتی ہے، کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کو دوں۔ کون ہے جو مغفرت طلب کرے میں اس کی مغفرت کا فیصلہ کروں۔ [2] ناگپور کے ایک مجذوب بزرگ تھے پہلے انگریزی فوج میں تھے پھر ترک وتجرید اختیار کر لی، صاحب جذب وحال تھے، وفات کو غالباً پچاس برس ہوئے ہوں گے۔ [3] اُمراء و اغنیاء کا عام حال یہی ہے کہ کسی بزرگ کے پاس جاتے ہیں تو بجائے اس سے استفادہ کرنے اور اس کی بات بغور سننے کے دوسرے بزرگوں کی بزرگی کا حال اور ان کے کرامات وخوارق بیان کرنے لگتے ہیں۔

جب وہ اچھی طرح بیان کر چکے تو میں نے کہا کہ میں بڑا خوش قسمت ہوں کہ تاج الدین بابا روز رات کے آخری پہر میں میرے غریب خانہ پر تشریف لاتے ہیں، لیکن بد قسمت بھی پرلے درجے کا ہوں کہ وہی وقت میرے گہری نیند سونے کا ہوتا ہے، وہ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، مجھے خبر نہیں ہوتی، سیٹھ صاحب میری یہ بات سن کر بہت چونکے اور کہنے لگے کہ ان کا تو مدت ہوئی وصال ہو گیا، وہ اب کہاں سے تشریف لاتے ہیں؟ اور اتنا کامل بزرگ کسی کے یہاں آئے تو وہ کیسے سو سکتا ہے؟ میں نے کہا کہ میرا تو یہی قصہ ہے کہ تاج الدین بابا تشریف لاتے ہیں اور میں سوتا رہتا ہوں، جب ان کی حیرت کی انتہا ہو گئی تو میں نے کہا کہ آپ تاج الدین بابا کے جو صفات بیان کر رہے ہیں کہ زبان سے کچھ نکلا اور ادھر ہو گیا، جس کی طرف اشارا کر دیا اس کا کام بن گیا، یہ تو دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

إِنَّمَآ أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ۝ فَسُبْحَٰنَ ٱلَّذِى بِيَدِهِۦ مَلَكُوتُ كُلِّ شَىْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

(اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے تو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، تو وہ صرف اس کے حکم سے موجود ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کے جانا ہے)

اور جس کی یہ شان ہے وہ میرے گھر روز مخبر صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطلاع کے مطابق نزول اجلال فرماتا ہے، لیکن وہی وقت میرے خواب نوشین کا ہوتا ہے۔ اس لئے مجھ سے بڑھ کر خوش قسمت اور بد قسمت کون ہو سکتا ہے کہ اس کی طرف سے بذل وعطا کا اعلان ہوتا ہے اور رحمت کا صلائے عام دیا جاتا ہے۔

اور میں گہری نیند سوتا ہوں[1] - اگر ایسی بڑی ہستی کسی کے یہاں آنے والی ہو تو آدمی سو برس تک اس کے انتظار میں کھڑا رہ سکتا ہے، عرفی نے کچھ غلط نہیں کہا ہے، ع

عرفی اگر بگریہ میسّر شدے وصال　　صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

غیب کی آوازیں سننے کے لئے خاص کان درکار ہیں

لیکن اس غیبی آواز کو سننے کے لئے خاص حاسّہ اور خاص کان درکار ہیں، جس طرح ایک ملک کی آواز دوسرے ملک میں سننے کے لئے ایک مخصوص صندوقچہ (ریڈیو سیٹ) کی ضرورت ہے، جس کے پاس صندوقچہ ہے اور وہ اس کے استعمال کا طریقہ جانتا ہے، وہ بھوپال میں بیٹھا ہوا کراچی کی آواز سنتا ہے اور جو اس سے محروم ہے وہ اس سے بے بہرہ رہتا ہے، ایسے ہی یہ آواز ہر شخص نہیں سنتا قبر والے بھی پکار رہے ہیں - یَا وَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِيْنَ " (ہائے ہماری بدقسمتی ہم اس سے غافل رہے، ہم ہی قصور وار ہیں)

سورۂ یٰسٓ میں خدا کے تین پیغام پہنچانے والوں کا جو ذکر ہے اس کو پڑھئے -

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلاً أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ الخ

---

[1] یہ واقعہ حضرت نے اس تفصیل کے ساتھ سالہا سال پہلے میری ابتدائی حاضری کے موقعہ پر سنایا تھا- میری خواہش تھی کہ حضرت اسکا اعادہ فرمادیں تاکہ اس مجلس کے ملفوظات میں، میں اسکو قلمبند کرلوں آج یہ تمنا پوری ہوئی حضرت نے میری طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تاج الدین بابا کا وہ قصہ جو میں نے آپ کو سنایا تھا، پھر اس کو اختصار کے ساتھ بیان کیا میں نے اپنے حافظہ پر زور ڈال کر یہاں وہ قصہ اسی تفصیل کیساتھ نقل کردیا جو میں تقریباً بتیس چھتیس سال پہلے حضرت کی زبان سے سن چکا ہوں اور کئی موقعوں پر اسکو نقل کرچکا ہوں-

اس قصہ میں بھی آتا ہے کہ جب اس تیسرے خدا کے بندے کو بھی شہید کر دیا اور اللہ نے اس کو اپنے انعامات سے سرفراز فرمایا تو اس کا قول بھی منقول ہے۔ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ بِمَا غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ وَ جَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ ؎" مگر یہ آواز وہی سنتے ہیں جن کا حاسہ بیدار ہوتا ہے اور کان کھلے ہوتے ہیں۔

کبھی مصیبت بھی فرحت کا مقدمہ بن جاتی ہے

ان آیات کے مطالب کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض اوقات مصیبت فرحت کا مقدمہ بن کر آتی ہے۔ اسی واقعہ میں ہے کہ نبی آئے تو قوم پر قحط ہو گیا "قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَیَّرۡنَا بِکُمۡ" (تمھارا آنا ہمارے لئے بد شگونی کا باعث ہوا-) انھوں نے جواب دیا کہ تمھارے اعمال سب سے بڑھ کر بد شگونی کا باعث ہیں۔ قَالُوۡا طَآئِرُکُمۡ مَّعَکُمۡ" میں نے حیدر آباد کے طاعون، انفلوئنزا اور موسیٰ ندی کے سیلاب کے متعلق یہی کہا تھا کہ یہ حالات اور مصائب چونکانے اور آنکھ کھولنے کے لئے آئے ہیں، میں نے اسی وقت کہا تھا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے، لوگ کہتے تھے کہ یہ رحمت کیسے ہو سکتی ہے؟ میں نے کہا تھا کہ جب غضب آتا ہے تو رحمت لے کر آتا ہے، لیکن اگر ان سے سبق نہ لیا گیا تو پھر خیر نہیں، چنانچہ یہی ہوا کہ میں تو چلا آیا لیکن مدت کے بعد پھر وہاں وہ انقلاب آیا کہ دنیا ہی بدل گئی۔

عرضیاں جا رہی ہیں کہ غضب بھیجئے اور وہ فرماتے ہیں نامنظور! لوگوں کے حالات ایسے ہو چکے ہیں کہ غضب آئے لیکن اللہ کے ایسے بندے موجود ہیں جن کی وجہ سے غضب نہیں آ رہا ہے۔ انفلوئنزا آیا، ندی آئی، اسکے بعد اللہ نے ڈھکیل کر پہنچا دیا،

؎ کاش میری قوم والوں کو کسی طرح معلوم ہو جاتا کہ میرے پروردگار نے مجھے بخشدیا اور میرا اعزاز فرمایا گیا۔

اللہ کے بندے غور وفکر نہیں کرتے۔

قرآن کے ذریعے قبروں کی آوازیں سُنی جاتی ہیں

فرمایا کہ روح کا اپنے تعلق والوں سے بڑا تعلق رہتا ہے، یہ بات بہت دلیلوں سے ثابت ہے "قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ" سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اب وہ قرآن مجید کے صندوقچہ سے ظاہر ہو رہا ہے، یہ سب آوازیں قبرستانوں سے آتی ہیں، آنکھیں بند کرنے کی حالت میں (مراقبہ میں) تخیلی آواز آتی ہے لیکن قرآن مجید کے ذریعہ مستند اور ناقابل انکار طریقہ پر آوازیں آتی ہیں اور حقائق کا علم ہوتا ہے۔ کیسے کیسے سند یافتہ، ترقی یافتہ اور معزز لوگ ان قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ مولانا جامیؒ نے خوب فرمایا ہے، ؎

بر سرِ قبر یکے رفتم وگفتم چونی\
گفت احوال چہ پرسی چو تو آئی دانی\
گر از ذائقۃ الموت خبر نیست ترا\
تو کہ بے ہوش دریں عالمِ سرگردانی

بیسویں مجلس

۱۰رذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۵رجنوری ۱۹۶۹ء (شنبہ) ۹بجےدن

معرفت سے پہلے آدمی کچھ اور ہوتا ہے معرفت کے بعد کچھ اور

پہلے کچھ دیر قرآن شریف کا درس ہوا، پھر مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث پڑھی گئی، اس کے بعد مکتوبات امام ربانی کا ایک مکتوب ۵۸/۳ بنام خواجہ صلاح الدین احراری پڑھا گیا اور اس کا ترجمہ سنایا گیا، اس کے بعد مجلس شروع ہوئی حاصل کلام یہ تھا کہ معرفت سے پہلے آدمی کچھ اور ہوتا ہے، معرفت کے بعد کچھ اور، معرفت سے پہلے وہ جو معاملہ کرتا اور زبان سے کہتا ہے اس کا فعل نہیں ہوتا، اس کی جہالت اور ناواقفیت کا کرشمہ ہے، معرفت کے بعد گویا ایک نیا وجود ظہور میں آیا، اب اس کے ساتھ اس کے شایان شان معاملہ کیا جائے گا، اس پر واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک صاحب رہتے تھے، دو برس انھوں نے خدمت کی، ایک دن ان بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی فرمائش یا تمنا ہے؟ انھوں نے کہا کہ حضور مجھے کیمیا کا شوق ہے، فرمایا تم نے پہلے نہ بتایا، یہ تو معمولی بات ہے، اب اس کا سامان مہیا کرو، کیمیا بنانا سکھاؤں، انھوں نے

عرض کیا کہ رانگ کڑھائی سب ساتھ رکھتا ہوں، ان بزرگ نے کہا اچھا کڑھائی چڑھاؤ، کڑھائی میں جوش آیا تو دروازہ کے سامنے ایک بوٹی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ ڈالدو، اس کے ڈالتے ہی رانگ سیاہ ہوگیا، اوپر کی تہہ ہٹائی تو معلوم ہوا کہ چاندی ہے، وہ صاحب بہت خوش ہوئے، کہنے لگے کہ اس بوٹی کو تو میں روزانہ اپنے پاؤں سے روندتا ہوں اور اس پر جوتا پہن کر چلتا پھرتا ہوں، فرمایا کہ نہیں تم اس کو نہیں روندتے تھے۔ تمھاری جہالت اسکو روندتی تھی۔

جہالت اپنا کام کرنا نہیں چھوڑتی

فرمایا کہ جہالت اپنا کام کرنا نہیں چھوڑتی، انسانی فطرت اپنا کام کرتی رہتی ہے، دریا پر پل باندھا جاتا ہے، پائے زمین میں گلائے جاتے ہیں، پل پہاڑ کی طرح کھڑا رہتا ہے۔ مگر دریا نہیں مانتا، اس کے پایوں سے ٹکراتا رہتا ہے، ان کو ہلا کر گرا دینا چاہتا ہے۔ اس میں کامیاب تو نہیں ہوتا مگر اپنا کام نہیں چھوڑتا، پل پرانا ہو کر گر جاتا ہے مگر دریا کی فطرت نہیں بدلتی، وہ قوت متضادہ ہر وقت اس سے ٹکراتی رہتی ہے، یہی انسان کا حال ہے، بنی اسرائیل کو دیکھئے کیسی کیسی آیات بینات، روشن معجزات دیکھے، اللہ نے سمندر ان کے لئے پایاب کر دیا، اور وہ گزر گئے، اس سب کے دیکھنے کے بعد بھی ان کی جہالت نہ گئی اور ان کی فطرت نہ بدلی، لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھا تو خود بھی بت پرستی کا شوق ابھر آیا اور حضرت موسیٰؑ سے کہنے لگے کہ ہمیں بھی پرستش کے لئے ایک نیا معبود بنا دیجئے "قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ" (بولے کہ موسیٰ ہمارے لئے بھی ان کے معبودوں کی طرح ایک معبود بنا دو۔ موسیٰ نے کہا کہ تم بڑے جاہل لوگ ہو۔)

بعض لوگ نماز کے بھی پابند ہوتے ہیں، حج بھی کر لیتے ہیں، ذاکر، شاغل بھی ہوتے ہیں، تجلیات اور انوار بھی ان کو نظر آتے ہیں، لیکن طہارت کے چھوٹے چھوٹے مسائل ان کو یاد نہیں ہوتے اور ایک معمولی حکم شرعی پر بھی عمل کرنا دشوار ان کو ہوتا ہے۔

عقائد کی درستی بنیادی کام ہے

فرمایا کہ درستی عقائد کے لئے ایک مکتوب بہت عمدہ ہے، مدت سے خیال آتا ہے کہ اس کو الگ سے چھاپنا چاہیے۔ اگر عقیدہ درست ہو تو اعمال خود درست ہو جائیں گے، اعمال اور عبادات کے بارے میں بھی ضروری ہدایات ہیں، گویا ایک دستور العمل ہے۔

راہ سلوک میں پڑھا اور لکھا ہوا کام نہیں دیتا۔ یہ تو الہامی چیز ہے

راقم سطور کے دریافت کرنے پر کہ حضرت سید آدم بنوری اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے میں کیا فرق ہے؟ (دونوں حضرت مجددؒ کے خلفائے خاص ہیں اور دونوں سے الگ الگ سلسلے جاری ہوئے) فرمایا کہ دونوں طریق میں (کوئی) بنیادی فرق نہیں ہے، موقع اور وقت کے لحاظ سے دونوں حضرات نے سلوک کی تعلیم کی ہے، لوگ اس کو سلوک مقررہ سے الگ سمجھ لیتے ہیں، فرمایا کہ جہاں تک غور کیا، اس راہ میں سمجھا اور پڑھا ہوا کام نہیں دیتا، یہ تو الہامی چیز ہے، اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے اصلاح و تربیت کے طریقوں کا القا ہوتا ہے، اسی سے صحیح اصلاح و تربیت ہوتی ہے۔ حکیم سید ابو حبیب صاحب دسنوی کے صاحبزادے[1] مولوی سید ابوظفر صاحب ندوی آئے تھے، ان کو اکثر سوالات کا جواب خلاف توقع ملا، وہ لطیفۂ قلب کو پوچھنے لگے، میں نے کہا کتاب اور کاغذ پر جس کو لطیفۂ قلب لکھا

[1] مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اکبر اور حضرت پیر ابو احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز و خلیفہ۔

ہے وہ قلب نہیں، حقیقت قلب کچھ اور ہے جس طرح نقشہ میں جہاں مکہ لکھا ہوتا ہے، وہ مکہ نہیں ہے، مکہ کہیں اور ہے، اگر کوئی اس پر انگلی رکھ کر کہے، یہ مکہ ہے تو وہ مکہ نہیں ہے، انھوں نے دریافت کیا کہ توجہ کس طرح دی جاتی ہے اور توجہ کی حقیقت کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ لفظ غلط ہے، اغیار کا خیال نکال کر کے پہلے اپنے کو کامل بنانا چاہیئے، جو بزرگ توجہ نہیں دیتے ان کی توجہ خود بخود پڑتی ہے۔ یہ مقررہ چیزیں کام تو دیتی ہیں مگر کبھی گڑبڑ بھی ڈال دیتی ہیں۔ ان بزرگوں کے سارے ارشادات حدیثوں کا ترجمہ ہوتا ہے۔

ذات باری سے تعلق ہی ماسویٰ سے انقطاع کا ذریعہ ہوجاتا ہے

حضرت مجدد صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ دوسرے طریقوں میں تعلقات ماسوی اللہ کا منقطع کرنا اور انفس و آفاق کی نفی کرنا طریق کا پہلا قدم ہے اور اثبات پر مقدم ہے، اللہ نے مجھکو القا کیا کہ ذات باری سے تعلق پیدا کرنا خود ماسویٰ سے منقطع ہونے کا سبب ہوگا، میں عرصہ تک اس پر غور کرتا رہا کہ اس کی دلیل و مآخذ کیا ہے؟

ماسویٰ اللہ سے انقطاع کے بغیر اللہ سے تعلق اور اس کی ذات کا استحضار اور استقرار کیسے ہوگا؟ میری عادت تھی کہ جو خیال میرے دل میں پیدا ہوتا تھا اس کو دل میں رکھتا تھا، استفسار نہیں کرتا تھا، اللہ تعالیٰ بزرگوں کے دل میں تو خیال پیدا فرمادیتا تھا، اور مجھے اپنے سوال کا جواب مل جاتا تھا، ایک دن والد صاحب کو وضو کرا رہا تھا، فرمایا کہ حضورؐ نے امام حسنؓ کو جو دعا سکھائی تھی وہ تم پڑھتے ہو؟ اَللّٰھُمَّ اقْذِفْ فِیْ قَلْبِیْ رَجَاءَكَ وَاقْطَعْ رَجَائِیْ عَمَّنْ سِوَاكَ حَتّٰی لَا اَرْجُوْ غَیْرَكَ "میرا مطلب حل ہوگیا، کہ اس میں اللہ کی امید دل میں پیدا ہوجانے اور اس

کے جذرقلب میں متمکن ہوجانے کی دعا پہلے کی گئی ہے' پھر غیر اللہ سے امید منقطع ہوجانے کا سوال کیا گیا ہے کہ یہ اس کا لازمی نتیجہ ہے) کتنے عالی مرتبۂ سلوک کی اپنے نواسہ کو تعلیم فرمائی گئی ہے۔ کیسی کیسی محنتیں اور مشقتیں لوگ برداشت کرتے ہیں، اللہ کے رسول صلعم نے کتنی آسانی سے تعلیم فرمادی ہے' لیکن کبھی اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

حیدرآباد میں سلسلۂ چشتیہ کے ایک مشہور شیخ حضرت شاہ خاموش صاحب تھے، ان کا شعر ہے:۔

جمایا کس مصیبت سے تصور یار کا دل میں
بٹھایا منتیں کر کر کے اس لیلیٰ کو محمل میں

میرے دل میں آیا کہ یہ تو واقعہ کے خلاف بات ہے۔ تصور مصیبت سے جمایا نہیں جاتا ہٹایا اور مٹایا جاتا ہے، یہاں بالکل شروع میں ایک تبلیغی جلسہ ہوا تھا، اس میں ایک پنجابی صاحب نے کہا کہ ذاکرین اپنا حلقۂ ذکر چھوڑ چھوڑ کر اس تبلیغ میں شامل ہوگئے ہیں۔ میں نے مجمع میں تو کوئی تردید نہیں کی، لیکن بعد میں اپنے دوستوں سے کہا کہ ذکر چھوڑا ہی نہیں جا سکتا، وہ ذکر ہی نہیں جو آسانی سے چھوٹ جائے' نمک کی کان میں جو گر جائے وہ نکل نہیں سکتا۔

کوئی اگر ذکر حقیقی کو چھوڑنا چاہے تو ذکر اس کو نہیں چھوڑتا۔

دماغی اور قلبی مراقبہ کا فرق

کوروائی میں ایک افغانی مفتی صاحب تھے، وہ سرحد میں کسی بزرگ سے بیعت تھے، مجھ سے کہنے لگے کہ ہم مراقبہ میں جب بیٹھتا ہے تو نیند آنے لگتی ہے، میں نے کہا کہ مراقبہ میں حواس ہی کو بہ تکلف معطل کیا جاتا ہے' نیند میں وہ بلا تکلف معطل ہوجاتے

ہیں، یہ جو مراقبات کئے جاتے ہیں دماغی ہیں، ان میں خیال کو کسی چیز پر جمانا ہوتا ہے، لیکن جو مراقبات قلبی ہوتے ہیں ان میں بیداری رہتی ہے، حدیث میں آیا ہے: "تَنَامُ عَيْنِيْ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ" (میری آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا) کسی کی انگوٹھی رات کو گم ہوجائے تو لوگ کہتے ہیں چراغ لاؤ، میں کہتا ہوں چراغ بجھادو تاکہ انگوٹھی اندھیرے میں چمکے اور نظر آجائے، جتنی یہ روشنی بڑھتی ہے، وہ روشنی ماند ہوتی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ" (بے شک اس میں نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جن کے پاس دل ہو اور وہ متوجہ ہو کر سنیں)

مراقبات سے پہلے ذکر اللہ کا اثر

فرمایا کہ بعض حضرات کے یہاں مراقبات اصل ہیں اور انھوں نے مراقبات کا مآخذ و دلیل "یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کو قرار دیا ہے، وہ عالم مراقبہ میں پوری سیر تکوینی کرتے ہیں۔ اس راہ کے سالکین کے یہ مصرعہ وردِ زبان رہتا ہے۔

ع بالا روم بالا روم، بالا تر از بالا روم[1]

میں عرض کرتا ہوں کہ اس میں مسلم اور غیر مسلم شریک ہیں، دونوں سیر تکوینی کرتے ہیں، اس تفکر سے پہلے ایک اور چیز ہے جو اس نماز کے لئے بمنزلۂ وضو اور طہارت کے ہے، وضو اور طہارت نماز پر مقدم ہے۔ قرآن شریف میں ہے "اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا

---

[1] راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس موقعہ پر حضرت نے ایک قادری بزرگ کی تصنیف جو قلمی اور قدیم تھی، نکال کر دکھلائی، اس میں ایک دائرہ بنا ہوا تھا جس میں وسط میں اوپر سے نیچے کی طرف روح القدس، جبریل امین، عرش، کرسی لکھا ہوا تھا اور کنارہ کی طرف زحل، مشتری، مریخ، شمس وغیرہ کے نام لکھے تھے، یہ مراقبۂ تفکر کا ایک دائرہ تھا۔

وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[۱]" جب اس تفکر سے پہلے ذکر ہوگا تو اخلاق ونفوس مزکّٰی ہو جائیں گے اور یہ تفکر فی الخلق مثمر معرفت اور موصل الی اللہ ہوگا، یہ وہ تفکر ہے جس میں غیر مسلم شریک نہیں، پہلے اپنے دماغ کو مزکّٰی ومطہر بنالو، پھر اس دائرہ (خلق) سے نکلنے کی قوت پیدا ہوگی، ورنہ یہیں کھیلتے رہوگے۔ راکٹ ہیں اتنی بلندی پر پہنچے، راکٹ ابھی بہت نیچے ہے، کیونکہ چاند بھی خلق ہے اللہ کے بندے خلق سے کہیں اونچے پہنچتے ہیں، اللہ کے کثیر ذکر سے دماغ مصفّٰی اور مزکّٰی ہو جاتا ہے، اب جدھر لے جائیے وسعت ہی وسعت ہے، اللہ کے ذاکر کو تنگی ہوتی ہی نہیں ہے۔

نیچی داڑھی سے زیادہ تاکید اونچے پاجامہ کی ہے

فرمایا کہ نیچی داڑھی سب کی دیکھی، پاجامہ اونچا بہت کم لوگوں کو دیکھتا ہوں، حالانکہ میرے خیال میں جتنی تاکید و وعید اس پر آئی ہے داڑھی پر نہیں آئی۔

انسان جب اپنی طاقت صرف کرکے عجز کا اعتراف کرلیتا ہے تب غیبی مدد آتی ہے

فرمایا کہ تنہا انسانی قوت سے کام نہیں ہوتا، جب انسانی طاقتوں نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور انسان نے اپنے عجز کا اعتراف کرلیا ہے، تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی مدد ظاہر ہوئی ہے اور اس کی قوت نے کام کیا ہے، لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنی والی طاقت اور کوشش صرف کرلے، یہی معنی ہیں آیت قرآنی کے: "وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ" (اور جو جان لڑائیں گے ہماری خاطر ہم ضرور ڈالیں گے انھیں اپنے راستوں پر اور بے شک اللہ نکوکاروں کے ساتھ ہے)

---

[۱] جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے بیٹھے اور حالتِ استراحت میں اور غور کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں

میں نے جب مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ مطلب بیان کیا تو وہ بہت خوش ہوئے، کئی بار سینے سے لگایا اور دور تک پہنچانے آئے، اگر محض اپنی قوت، انسانی عزائم اور ہمتوں سے کام لیا جائے گا، تو کام نہیں بنے گا، جب تدابیر معطل ہو جائیں اور ہمت ٹوٹ جائے تب معاونت خداوندی شروع ہوتی ہے، جہاں سپر اور ہتھیار ڈال دیئے، وہیں اللہ نے سپر دی اور ہتھیار پہنائے، بدر کا کیا قصہ تھا، جب حضور صلعم نے فرمادیا" اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِكْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ لَنْ تُعْبَدْ" (پروردگار اگر تو نے اس جمعیت کو ہلاک ہونے دیا تو پھر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ ہوگا) تو مدد آئی، سورہ یوسف میں ہے" حَتّٰی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَآءَھُمْ نَصْرُنَا" (یہاں تک کہ جب مایوس ہونے لگے پیغمبر اور انھیں خیال گذرنے لگا کہ نصرت کا وعدہ یوں ہی تو نہیں تھا تو آگئی ہماری مدد) ہتھیار ڈال دینے کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے ہی سے ہتھیار ڈال دو، پہلے ہتھیار پہنو، پہن کر لڑو، پھر ایک موقع آئے گا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اپنی فرودگاہ سے یہ سوچ کر نہیں نکلے تھے کہ دریائے دجلہ میں گھوڑے ڈال دیں گے، جب موقع آگیا، گھوڑے ڈال دیئے، اللہ نے جو قوت دی تھی وہ ختم کردی، اب اللہ کی قوت نے دستگیری کی۔

ایمان و توکل کی خاص کیفیت جس وقت پیدا ہو اسی وقت اس سے کام لینا چاہیئے

ضلع بجنور میں ایک صاحب آملہ کا نوش دارو بناتے تھے جو نہایت قوی ہوتا تھا اور جاں بلب مریضوں کے لئے جواہر مہرہ کا کام دیتا تھا، وہ کہتے تھے کہ آملہ کو جوش دیتے وقت اس میں ایک قوت پیدا ہوتی ہے، ٹھیک اسی وقت اتار لینا چاہیئے،

اگر آگ پر رہنے دیا گیا تو وہ قوت ختم ہو جائے گی اور آملہ بے کار ہو جائے گا، وہ اس کا ٹھیک وقت پہچانتے تھے، لڑکے کو بھی بتایا، مگر اس کو اس کی پہچان نہیں آئی، وہ اس کو بنانے میں کامیاب نہیں ہوا، اسی طرح خاص موقعوں پر انسان میں ایمان و توکل کی خاص کیفیت اور ایک روحانی طاقت ابھرتی ہے، اگر اسی وقت اس سے کام نہ لیا جائے تو وہ ختم ہو جاتی ہے، پھر تکلف سے پیدا نہیں ہوتی، اگر حضرت سعد بن ابی وقاص اس وقت دیر لگا دیتے اور تدابیر سے کام لیتے تو وہ اس طرح دریا کو عبور نہیں کر سکتے تھے، یہ قوت اختیاری اور دائمی نہیں، بجلی کی طرح ظاہر ہوتی اور غائب ہو جاتی ہے، شیخ سعدیؒ نے حضرت یعقوبؑ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند   کہ اے روشن گہر پیر خردمند

زمصرش بوئے پیراہن شمیدی   چرا درچاہ کنعانش نہ دیدی

بگفت احوال ما برق جہانست   دمے پیدا و دیگر دم نہانست

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم   گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

اگر درویش بر حالے بماندے   سر دست از دو عالم بر فشاندے

گنہگاروں ہی کی ضرورت ہے فرمایا کہ جب کوئی آکر کہتا ہے کہ سب سے بڑا گنہگار میں ہوں، تو میں عرض کرتا ہوں کہ تمہاری ہی ضرورت تھی، یہ بڑے کام کی چیز ہے، اللہ کی راہ میں ان (معاصی) کی قربانی دو نوٹوں کے تڑانے سے کام چلتا ہے، ملائی میں ملا کر کھائے نہیں جاتے، ان نوٹوں کے تڑانے کے لئے بنک ہے، یہ توبہ و استغفار کا بنک ہے جہاں یہ نوٹ تڑائے جاتے ہیں اور جہاں ان کی مانگ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ

لَہٗ بِہٖ فَاِنَّمَا حِسَابُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ، اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ" اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود کہ جس کے لئے کوئی دلیل اس کے پاس نہیں ہے تو اس کا حساب پروردگار کے پاس ہوگا، یاد رہے کہ کافر فلاح یاب نہیں ہوسکتا) اب اس کی اصلاح و تلافی کی تدبیر بتاتا ہے وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ "(اور کہو کہ اے پروردگار بخش دے اور رحم فرمادے کیونکہ تو سب سے اچھا رحم فرمانے والا ہے)

سورۂ والعصر کی روشنی میں

فرمایا کہ پہلے انسان دبلا، پتلا، سوکھا اور لاغر ہوتا ہے، پھر وہ گوشت، گھی، میوے اور مقویات و عمدہ غذائیں کھاتا ہے تو شادابی اور تازگی آتی ہے، گوشت چڑھتا ہے، پھر ورزش، کسرت کرتا ہے، پھر جب اس کا بدن کسرتی اور طاقتور ہوجاتا ہے تو وہ میدان میں اترتا ہے، پہلوانوں سے دو دو ہاتھ کرتا ہے اور کشتی لڑنے کے قابل بنتا ہے، یہی تینوں مرحلے سورۂ والعصر میں بیان کئے گئے ہیں۔ "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" یعنی ایمان لاکر اپنے اعضاءِ رئیسہ اور دل و دماغ کو صحیح غذا پہنچاؤ، پھر ان پر عمل کرو، جو بمنزلہ کسرت و ورزش کے ہے "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" اب اکھاڑہ میں اترو اور اپنے ایمان و عمل صالح کا جوہر دکھاؤ، دوسروں کو حق و صبر کی تلقین کرو، اب تم دعوت و تبلیغ کے قابل ہوئے، اب اس میں سستی کروگے یا بخل سے کام لوگے، تو گنہگار ہوگے۔ "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" اگر کوئی شخص تر و تازہ و فربہ ہو اور وہ اپنی طاقت کا استعمال نہ کرے تو گنہگار اور اگر تندرست و طاقتور ہونے سے پہلے کسی سے کشتی بدلے اور اکھاڑے میں خم ٹھونک کر آئے تو نادان اور قصوروار

ایمان وعمل صالح سے پہلے دعوت، غلطی اور ایمان وعمل صالح کے بعد خاموش رہنا اور دوسروں کو دعوت نہ دینا غلطی ہے، یہاں ایک لنگوٹیاں تھے، بڑے کسرتی اور پہلوان مگر لڑے کسی سے نہیں۔

صحابہ کرام میں اختلافات کیوں پیدا ہوئے فرمایا کہ کئی بار یہ خیال آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہی صحابہ کرامؓ میں یہ حالات کیسے پیدا ہوئے اور ان میں اتنی جلد ہی اختلافات کی صورت کیسے پیدا ہوئی، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جو چیز جتنی اعلیٰ اور قیمتی ہوتی ہے اتنی ہی نازک اور ذکی الحس ہوتی ہے، انسان کے اعضاء میں آنکھ بڑی اعلیٰ اور قیمتی چیز ہوتی ہے، اتنی ہی نازک اور ذکی الحس ہے کہ ایک ذرا سا کوئلہ کا ذرہ برداشت نہیں کر سکتی، فوراً کھٹک پیدا ہو جاتی ہے، اس کے مقابلہ میں پاؤں میں کتنی قوتِ برداشت اور صلاحیت ہے کہ کنکروں اور پتھروں پر چلتا ہے اور کوڑے کرکٹ پر پڑتا ہے اور اس میں فرق نہیں پڑتا، اچھا ہونا، ارفع ہونا دلالت کرتا ہے کہ نازک بھی ہے، آنکھ کو بار بار صاف کرنے اور دھوتے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے، بال بھی آئے گا، تو بے چین کر دے گا، جس میں قوت زیادہ بڑھی ہوئی ہے نزاکت بھی زیادہ ہے۔

اکیسویں مجلس

۷ر ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۶ر جنوری ۱۹۶۹ء (یکشنبہ)

آج چونکہ اتوار تھا، حاضرین کا بڑا ہجوم تھا، شروع میں تعداد کم تھی، حضرت بھی معمول کے مطابق بیٹھے بیٹھے ارشاد فرماتے رہے، اس کے بعد حاضرین کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ اتوار کی مجلس میں دفاتر کے ملازمین، کالجوں کے اساتذہ اور معلمین اور شہر کے شرفاء و اہل علم جوہر اتوار کو اہتمام کے ساتھ آتے ہیں آنا شروع ہوئے اور اندر باہر سب جگہ بھر گئی، حضرت پہچان پہچان کر بڑی شفقت کے ساتھ سمجھ دار، تعلیم یافتہ لوگوں کو اپنے پاس بلاتے اور قریب بٹھاتے رہے، تھوڑی دیر کے بعد مخلصین کے عرض کرنے کے باوجود دیوار کے سہارے کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے تقریر فرمانی شروع کی، پھر جب صحن میں زیادہ مجمع ہو گیا تو درمیانی حصہ میں کرسی پر بیٹھ گئے، حیرت کی بات یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ کمر کے درد اور ضعف کی وجہ سے بغیر دو آدمیوں کے کھڑے نہیں ہو سکتے تھے، لیکن جوشِ تقریر اور وفورِ مضامین میں تقریباً ہر دو جملوں کے بعد از خود کھڑے ہو جاتے، ۹ ½ بجے سے ۱۲ ½ بجے تک تین گھنٹے تقریر کا سلسلہ جاری رہا۔ اس میں کچھ نہیں تو پچاس ساٹھ مرتبہ کھڑے اور بیٹھے

ہوں گے، آواز اسی طرح بلند اور پر جوش رہی اور تعب وضعف کا نشان نہیں معلوم ہوتا تھا، ساڑھے بارہ بجے کے قریب اپنی نشستگاہ پر آکر بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر جوش پیدا ہوا اور کھڑے ہوکر تقریر فرمانے لگے۔ یہ دیکھ کر نواب سید ظہور الحسن خان صاحب نے (جو بستر علالت سے کئی روز کے بعد اٹھ کر آئے تھے) راقم سطور سے کہا کہ جب تک ہم اور آپ نہیں اٹھیں گے یہ سلسلہ جاری رہے گا اور حضرت کو تعب بہت ہو جائے گا، سلسلہ کلام جاری تھا کہ وہ اور راقم سطور باہر نکل آئے، بعد میں معلوم ہوا کہ چند منٹ اور سلسلہ کلام جاری رہا، پھر ختم فرما دیا اور حاضرین مجلس منتشر ہو گئے۔

آج چونکہ مختلف طبقات کے لوگ شریک محفل تھے اور بڑی تعداد متوسط تعلیم یافتہ اور کاروباری لوگوں کی تھی، اس لئے تقریر پر اصلاحی رنگ غالب تھا اور زیادہ زور اعمال و اخلاق کی اصلاح، شریعت اور سنت کی پیروی اور اسلامی زندگی اختیار کرنے پر تھا، ان مضامین کو حذف کرتے ہوئے جو پچھلے ملفوظات میں آچکے ہیں، اس مجلس کی خاص خاص باتیں اور قابلِ ذکر نکات درج کئے جاتے ہیں۔

حضور کے ذریعہ جو نعمت ہمیں عطا ہوئی تھی اس کی ہمیں قدر نہیں

فرمایا کہ مولانا رومؒ نے ایک قصہ بیان کیا ہے جو بڑا سبق آموز ہے، کہ ایک بادشاہ ایک غریب عورت پر عاشق ہوگیا، اس کو اپنے حرم میں داخل کیا، خاصۂ شاہی روز کھانے پینے کے لئے پیش کیا جاتا، لیکن اس سے کھایا نہ جاتا، کھانا اس کے بدن کو نہ لگتا، دن بدن دبلی ہوتی چلی جاتی، حکماء نے ہزار تدبیریں کیں، کارگر نہ ہوئیں، اس کی بھوک نہ کھلی، آخر اس کنیز نے خود ہی عرض کیا کہ مجھے تنہا ایک مکان میں کر دیجئے، میرے حصے کا کھانا وہیں پہنچا دیا جایا کرے، ایسا

ہی کیا گیا، چند دن میں اس کی رنگت بدل گئی، اشتہا کھل گئی اور وہ شکم سیر ہو کر کھانے لگی، حکماء کو تجسس ہوا کہ وہ کون سا معجون یا کشتہ استعمال کرتی ہے جس سے اس کی حالت میں اتنا تغیر ہوا، انھوں نے چھپ چھپ کر دیکھا، تو معلوم ہوا کہ وہ کھانا مختلف طاقوں میں الگ الگ رکھ دیتی ہے، ہر طاق کے سامنے کھڑے ہو کر صدا لگاتی ہے، میاں بچوں کی خیرات! میاں بہت دیر سے کھڑی صدا لگا رہی ہوں، اپنے بچوں کی خیرات' اپنے بچوں کا صدقہ، یہی عمل وہ دیر تک کرتی، پھر کھانا اٹھا کر کھاتی، معلوم ہوا کہ وہ فقیرنی تھی، خیرات اس کے منھ کو لگی ہوئی تھی، در در سے ٹکڑا ٹکڑا مانگ کر پیٹ بھرتی تھی۔ وہاں شاہی دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے چنے ہوتے تھے، اس کے حلق سے یہ کھانے نہیں اترتے تھے، جب اس نے اپنی عمر بھر کا شیوہ شروع کیا تو اس کی بھوک کھل گئی اور معدہ کام کرنے لگا۔

بزرگان دین کے کلام میں بڑے لطیف اشارات ہوتے ہیں، ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں نعمت کا جو خوان مفت مل گیا اس کی قدر نہیں ہوئی اور ہم دبلے ہونا شروع ہوئے، ہم بھی دوسری قوموں کے دروازے سے بھیک جمع کر کے کھانا چاہتے ہیں، اسی سے ہم موٹے ہوں گے، سابقہ قوموں کی جفائیں، بلائیں اور ذلتیں دیکھو تو اس نعمت وسہولت کی قدر آنے گی۔

آج جبکہ حرام کی کثرت ہے حلال کی قلت ہے، اسلام کا کیا حکم ہے

حضرت نے سورہ بقرہ کی آیات: فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ" الخ (پھر جب کوچ کیا حضرت طالوت نے لشکر کے ساتھ تو کہا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ایک نہر سے آزمائے گا) آیات

تلاوت فرما کر ان کی تفسیر فرمانی شروع کی، فرمایا کہ آج کل جب لشکر روانہ ہوتے ہیں تو رسد کا بڑا عمدہ انتظام کیا جاتا ہے، ضرورت کی ہر چیز موجود ہوتی ہے۔ اہل لشکر کو دوسروں سے اچھا کھلایا پلایا جاتا ہے، آسودگی اور فارغ البالی کے اسباب زیادہ مہیا کئے جاتے ہیں، لشکر کے جنرل محفوظ اور میدانِ جنگ سے بہت دور مقام پر بیٹھ کر فوجوں کو لڑاتے ہیں، لیکن اسلامی لشکر فاقہ مستوں اور تنگ حالوں کا لشکر ہوا کرتا تھا، ان کی رسد فاقہ، بھوک پیاس تھی، یہی حضرت طالوت کے لشکر کا حال تھا، کوسوں چلے پانی نہ ملا زبان سوکھ گئی، کچھ لوگوں نے کہا "لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ" (آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی تاب نہیں ہے) کہا رہ جاؤ! اللہ کو تمھارے رہنے کی پرواہ نہیں، اب جو گھر بار چھوڑ کر چلے تو رسد کا کیا ذکر، پینے کو پانی بھی نہ ملا، فرمایا گیا "اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ" یہ پرانا قصہ نہیں، آج کا قصہ ہے، آج بھی حرام کے دروازے بہت کھلے ہیں، اتنے پیاسے ہونے کے بعد کہا گیا فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي" جو اتنی پیاس کے بعد بھی پی لے وہ ہمارے ساتھ نہ رہے۔ آج بھی کہا جاتا ہے کہ آمدنی کافی نہیں، بال بچے بھوکے مر رہے ہیں، حرام کا مال لے لو، رشوت لیکر آمدنی بڑھاؤ، سودی قرضہ لو، آج بھی انبیاءؑ کی آوازیں آتی ہیں، "فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي" جو ناجائز طریقۂ زندگی اختیار کرلیں گے وہ ہم میں سے نہیں ہیں، "اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ" (ہاں مگر بس ایک چلو پینے والا مستثنیٰ ہے) حلال و قلیل آمدنی پر قناعت کرو، رشوت وغیرہ سے بچو، جنھوں نے مان لیا اللہ نے ان کی پیاس بجھا دی، جنھوں نے نہ مانا وہ پیتے پیتے مر گئے، یہ اسلام میں داخل ہونے کا پہلا دروازہ ہے، عبدیت کے دائرہ میں داخل ہو جاؤ، سب

دروازے کھل جائیں گے، میں نہ اپنی جان کا مالک ہوں نہ اپنی اولاد کا "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" ہر قسم کے معبودان باطل کا سر قلم کرتا ہے، ہر قسم کی انانیت کو توڑتا ہے، یہاں "انا" کی گنجائش نہیں، اب میرا کچھ نہیں سب "خدا" کا ہو چکا ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ " (بے شک اللہ نے خرید لی ہے ایمان والوں سے ان کی جان اور ان کے مال اس وعدہ پر کہ ان کا بدلہ جنت ہے)

نماز میں دل نہ لگنے کی شکایت

فرمایا کہ یہ شکایت عام ہے کہ نماز میں دل نہیں لگتا لیکن جب آدمی عدالت میں حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو گھر کی بے سروسامانی، بچوں کی بیماریاں اور بازار سے سودا سُلف لانے کا خیال بھی نہیں آتا، اگر کوئی ان چیزوں کو یاد بھی دلائے تو آدمی کہتا ہے کہ یہاں تو جان و مال اور عزت و آبرو کی پڑی ہے تم ان باتوں کو یاد دلاتے ہو۔ بڑے نقصان کے سامنے چھوٹا نقصان نقصان نہیں ہے

بلبلو گل رہے، رہے نہ رہے ہم کو غم ہے چمن کے جانے کا

ہزاروں آدمی نماز میں کھڑے ہوتے ہیں، عدالت میں جا کر اس کا تماشہ دیکھو، پچاسوں خط آتے ہیں، لیکن ایک میں بھی یہ فرمائش نہیں ہوتی، کہ دعا کیجئے کہ جب میں حاکم کے سامنے کھڑا ہوں تو دوسرے کا خیال نہ آئے، لیکن جب احکم الحاکمین کے سامنے کھڑے ہوتے ہو تو پھر غیر کا خیال کیسے آتا ہے؟

طب اور فلکیات کے مطالعہ سے خدا کی معرفت اور حقائق کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

فرمایا، مجھے طب اور فلکیات کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کی

صحیح معرفت حاصل کرنے اور اس کی نشانیوں کو سمجھنے میں سب سے زیادہ مدد ملی، اتنی کسی علم سے نہیں ملی، میں نے طبی اصولوں سے بڑے بڑے نتائج نکالے، اور سبق حاصل کئے، ایک مثال دیتا ہوں، ہلیلہ، بلیلہ، آملہ وغیرہ ان سب کو سالم ایک جگہ رکھ دیجئے، مہینوں ساتھ رہیں گے، ان میں سے کوئی دوسرے کی تاثیر قبول نہیں کرے گا، جب تک یہ سب الگ الگ منھ بنائے ہوئے رہیں گے، ان کے پاس رہنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ سب کا مزاج الگ الگ، سب کی تاثیر علیحدہ علیحدہ، اب اس کی ترکیب یہ ہے کہ ان سب کو کوٹ کر باریک کیا جائے، بڑائی مغائرت ہے، سب کو توڑ کر باریک کیلینے سے یہ بڑائی ختم ہو جاتی ہے اور یہ سب یک ذات ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں وہ ہاون دستہ بھی بتادیا ہے جس میں ان سب کو ڈال کر کوٹ کر باریک کرتے ہیں، قرآن شریف میں آپ خود ہی وہ ہاون دستہ تلاش کیجئے، جس میں امت کے تمام افراد کو کوٹ کر باریک کیا جاتا ہے اور ہر ایک کی "انا" ختم ہو جاتی ہے، سب کٹ کٹا کر، پس پسا کر ایک مرکب سفوف بن جاتے ہیں، یہ ہاون دستہ کیا ہے، حوادث اور مصائب اور امتحانات کا ہاون دستہ۔ دیکھئے قرآن شریف میں آتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ	اور ہم ضرور آزمائیں گے تم کو کچھ ڈر، کچھ
وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ	بھوک اور جان و مال نیز پیداوار میں کچھ
وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ؕ	کمی سے۔

اب اس کے بعد وہ معجون تیار ہوگی جس میں کوئی جز علیحدہ نہیں، لیکن ابھی پھر ایک چیز کی ضرورت ہے اور وہ فعل و انفعال کا واسطہ ہے، یعنی وہ چیز جس کے ذریعے ایک جز دوسرے جز میں اثر انداز ہو، اور مزاجوں میں تداخل پیدا ہو، طبی اصول کے مطابق

وہ چاشنی ہے جو واسطہ کا کام دیتی ہے، مگر یہ چاشنی بھی ایک تناسب سے ہونی چاہیئے۔ وہ حد سے نہ بڑھ جائے ورنہ مضر ہوگی اور معجون کو بدمزہ کردے گی۔

پھر اس کو ایک مدت تک گرم رکھا جاتا ہے، اب اس کا نام معجون ہوا' اس پر "۔۔۔ اِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً" کا لیبل لگایا جاتا ہے' اسی کے لئے ہے "يَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ" اب افرادِ کثیرہ نے ایک مزاج پیدا کر لیا' ہماری غلطیاں آپ سے درست ہوں گی، آپ کی غلطیاں ہم سے' یہ واسطہ صحبت کا ہے' وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (اور پیدا کردی تمہارے درمیان محبت و رحمت) مدینہ میں اوس اور خزرج برسوں سے لڑ رہے تھے' اس لئے کہ اجزاء کوٹے نہیں گئے تھے' "اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ" اب صحبت نبوی ملی اور حوادث و مصائب کے ہاون دستہ میں کوٹے گئے۔ وہ چاشنی پیدا ہوئی جس سے ایک دوسرے سے چپک گئے تو وہ اتحاد پیدا ہوا جو کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں "لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ" (اگر تم روئے زمین کی ساری دولتیں خرچ کردیتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت نہیں ڈال سکتے تھے لیکن اللہ نے ان میں یہ الفت ڈال دی۔)

جب تک اجزائے متفرقہ کو ایک دوسرے سے چپکانے والی یہ چاشنی نہیں ہوتی، وہ مجموعہ معلوم ہوتے ہیں' لیکن حقیقت میں متباین اجزاء ہوتے ہیں' ہر جزء روٹھا ہوا، ہر جزء پھولا ہوا، ہلیلہ، بلیلہ، آملہ، فلفل سیاہ سب ایک دوسرے سے الگ، فرمایا گیا۔ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى (تم انھیں متحد گمان کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں)

پھر جب یہ معجون تیار ہو جائے گا اور الگ الگ مزاجوں کے بجائے ایک مزاج پیدا

کرے گا تو وہ تھوڑی ہی سی معجون بڑے بڑے امراض دفع کر دے گی۔ اور اس کا قلیل کثیر پر غالب آئے گا، فرمایا گیا:

"کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ	کتنی مٹھی بھر جماعتیں ہیں کہ بھاری
فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ	جمعیتوں پر غالب ہوئی ہیں اللہ کے حکم سے
مَعَ الصَّابِرِينَ"	اور اللہ برداشت کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اصل میں امت کے افراد کو ملا کر بھی ایک معجون تیار کرانی منظور تھی، الگ الگ معجونیں تیار نہیں کرانی تھیں، سب کے لئے ایک ہی لیبل تجویز تھا۔

"وَإِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً" اور تمہاری یہ جماعت ایک جماعت ہے۔

لیکن چونکہ اتنا بڑا ایک ہی ہاون دستہ ملنا مشکل تھا، اس لئے الگ الگ ہاون دستوں میں ان کو کوٹنے، پیسنے اور کوٹ کٹ کر معجون بنانے کی اجازت دی گئی، لوگوں نے ان کو الگ الگ معجون سمجھ لیا اب وہ الگ الگ طریقے ایک دوسرے سے مغائر ہو گئے، اور مقصود بالذات سمجھے جانے لگے۔

اس معجون کی خاصیت بتائی کہ

"لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا	نہیں مزہ چکھیں گے وہ اس میں موت کا مگر ایک
الْمَوْتَةَ الْأُولٰى وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ	بار اور دور رکھے گا اللہ ان کو عذاب
عَذَابَ الْجَحِيمِ"	جحیم سے۔

البتہ کھانے میں معجون کڑوی ضرور ہے۔ "حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ" (جنت خلافِ طبع امور سے ڈھکی ہوئی ہے)

بائیسویں مجلس

۱۴ ذیقعدہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۳ جنوری ۱۹۷۰ء یوم جمعہ

خانقاہ شریف

مرتب ملفوظات کی دیر حاضری اور حضرت کا تعلق خاطر

بھوپال میں حسب معمول ۱۸-۱۹-۲۰ جنوری کو سالانہ تبلیغی اجتماع تھا جو حاضرین کی تعداد، جماعتوں کی کثرت اور اپنے نظم و انتظام کے لحاظ سے ہندوستان کا سب سے بڑا تبلیغی اجتماع سمجھا جاتا ہے۔ اندرون و بیرون ملک سے تبلیغی کارکن اور دین کے طالبؒ داعی شرکت کرنے کے لئے آتے ہیں۔ ناچیز جامع ملفوظات بھی بالعموم اس میں شرکت کی سعادت حاصل کرتا ہے، اس سال بھی پختہ ارادہ تھا اور حضرت دامت برکاتہ کو اس کا علم تھا اور بہت دن سے اس کا انتظار و اشتیاق، لیکن ۱۹ جنوری کو حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث کے دہلی پہنچنے کی اطلاع ملی، حضرت شیخ الحدیث تقریباً ۸ مہینے حرمین شریفین میں قیام کرنے کے بعد ہندوستان تشریف لا رہے تھے، متعدد اسباب و محرکات کی بنا پر

راقم سطور نے اس موقع پر دہلی میں موجود ہونا مناسب خیال کیا اور اپنے رفیق قدیم و میزبان کریم مولانا حافظ محمد عمران خان صاحب ندوی کو تار کے ذریعہ اس پروگرام کی اطلاع دی اور حضرت کی خدمت میں بھی ایک عریضہ تحریر کیا جس میں اپنے اس وقت حاضر نہ ہو سکنے کی معذرت اور تین چار دن تاخیر سے پہنچنے کی اطلاع بھی۔ حضرت نے اس شفقت کی بنا پر جو اس ناچیز کے حال پر مبذول فرما رکھی ہے اس پر بہت قلق کا اظہار کیا اور بار بار اور دیر تک تاثر کا اظہار فرماتے رہے۔ ع

من کہ باشم کہ در آں خاطر عاطر گذرم!

میرے عریضہ کے جواب میں ایک شفقت نامہ بھی دہلی کے پتہ پر تحریر فرمایا، جس کا لب لباب یہ تھا کہ اس تاخیر میں بھی خدا کی حکمت و مصلحت ہوگی اور جو وقت اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے، اسی میں خیر ہے۔ شفقت نامہ اس انداز سے تحریر فرمایا گیا تھا کہ طبیعت بے چین ہو گئی اور جلد سے جلد پہنچنے اور حاضرِ خدمت ہو جانے کا شدید تقاضا پیدا ہوا۔ ۲۲ جنوری کو شب میں دہلی سے روانہ ہو کر ۲۳ جنوری ۱۱ بجے دن کو بھوپال پہنچ گیا۔ جمعہ کی نماز مسجد سلیمانیہ میں پڑھی جہاں اول وقت جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ چونکہ خانقاہ سے متصل مسجد میں جمعہ کی نماز قدیم زمانہ سے تاخیر کے ساتھ ہوتی ہے، اسلئے مولانا محمد عمران خان صاحب کی رائے ہوئی کہ واپسی میں حضرت کی خدمت میں حاضری دیتے ہوئے قیام گاہ پر واپس ہوں، خانقاہ پہنچے تو حضرت غسل فرما رہے تھے، غسل سے فارغ ہو کر خانقاہ میں تشریف لائے، سلام و مصافحہ ہوا۔ حاضری کی اطلاع قصداً نہیں دی گئی

تھی کہ کسی زحمت کا باعث نہ ہو جائے۔ حسب معمول نہایت مسرت و شفقت کا اظہار فرمایا اور لباس زیب تن فرما کر وہیں بیٹھ گئے اور اچھی خاصی مجلس ہوگئی جس کے ارشادات و افادات پیش خدمت ہیں۔

مخلوق کی تعظیم و تعریف میں شرک و توحید کی آمیزش

مولانا عمران خانصاحب نے اطلاع نہ دینے کی معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اندیشہ تھا کہ حضرت اسٹیشن تک تکلیف نہ فرماویں۔ فرمایا۔ اس میں کوئی تکلیف نہ تھی اور درحقیقت یہ ان کی تعظیم و تکریم نہیں، تعظیم و تکریم کسی اور کی ہے اگر کسی کو بعینہ اس کو مقصود بنا کر تعظیم و تکریم کی جائے یا اس کی ذات کی تعریف کی جائے تو میرے نزدیک یہ بھی ایک طرح کا شرک ہے تعظیم و تکریم اور تعریف درحقیقت بنانے والے اور صفت عطا کرنے والے کی ہے، جب کوئی کسی کی تعریف کرتا ہے تو میں گھبرا جاتا ہوں، میں کہتا ہوں کہ اس کی تعریف نہ کرو اس میں کون سا ذاتی کمال یا اپنے گھر کا ہنر اور جوہر ہے۔ تعریف عطا کرنے والے کی ہو۔ تعریف کے بجائے اگر دعا دی جائے تو یہ کام کی بات ہوگی، اس سے تعریف کئے جانے والے کا فائدہ ہے اور تعریف کرنے والے کا ضرر نہیں ہے۔

صحیح محل استعمال کی ضرورت و اہمیت

فرمایا کہ سارا کھیل پرزہ کے برمحل ہونے اور اپنی جگہ پر کام کرنے کا ہے، پرزہ وہی ہے لیکن اگر اس کو بے محل استعمال کیا گیا یا اس سے وہ کام نہیں لیا گیا جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ ضائع ہوا، بلکہ بعض اوقات ثواب کے بجائے عذاب اور صلاح کے بجائے فساد کا سبب بنے گا، دیکھئے نماز سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں لیکن اگر

اس میں اغیار کا خیال اور غفلت اور توجہ بغیر اللہ غالب آجائے تو ایسے نمازیوں کے لئے بجائے بشارت کے وعید اور نماز کی بجائے تعریف کے مذمت آئی ہے۔ فرمایا گیا "فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ" یہی حال الفاظ کے استعمال کا ہے، اگر بے محل استعمال ہوں تو عقل کے بجائے جنون کا ثبوت اور ادب کے بجائے بے ادبی اور بدمذاقی کی دلیل ہے، جیسے کوئی شخص بیت الخلا میں بیٹھا ہو اور اپنے کسی مرض کی وجہ سے دیر لگتی ہو اور اس سے پوچھا جائے کہ اتنی دیر کیوں لگائی تو وہ کہے میں نعمت خانہ میں بیٹھا ہوا تھا، ایسے ہی جب کوئی شخص جو علومِ دنیا میں مشغول ہے اور اس علم سے غافل ہے جس پر نجات و ہدایت موقوف ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں "حصولِ علم" میں مشغول ہوں تو میرے دل پر بڑی چوٹ لگتی ہے کہ اس نے ان الفاظ کو غلط جگہ پر استعمال کیا، اس کو کہنا چاہیے تھا کہ میں اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں۔

مقصود و غیر مقصود میں امتیاز کرنا ضروری ہے

فرمایا کہ سارا معاملہ مقصود کے سمجھنے کا ہے اور مقاصد اور زوائد میں فرق کرنے کا ہے، مولانا جامی نے صحیح ارشاد فرمایا ہے "التوحیدُ اِسقاطُ الاضافات" اس حکیمانہ جملہ کی تشریح کے لئے عرض کرتا ہوں کہ ایک غیر مسلم یا کسی انجان شخص نے ایک نمازی کو وضو کر کے مسجد کی طرف جاتا ہوا دیکھا تھا، وہ سمجھا کہ وضو کی حقیقت چند اعضاء کا دھونا ہے۔ اس نے بھی دہلانیت و فہم، جن جن اعضاء کو دھوتے ہوئے دیکھا تھا، دھولیا اور ان کے پیچھے پیچھے وہ بھی چلا۔ مسجد میں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ انھوں نے ایک محراب اور ایک منبر کی طرف منھ کر کے رکوع و سجود کیا۔ اس نے بھی ہاتھ باندھ لئے اور اسی محراب و منبر کو مقصود و مسجود سمجھ کر رکوع و سجود کیا اور یہی سمجھتا رہا کہ انھیں چیزوں کو سجدہ کیا جاتا ہے،

حالانکہ جن کی اقتدا اور نقل کی تھی، ان کی نظر کے سامنے سے محراب و منبر قبلہ کی دیوار اور راستہ کے دریا و پہاڑ سب ہٹ کر خانۂ کعبہ قبلہ بنا ہوا تھا اور وہ بھی مسجود و مقصود نہ تھا، اللہ کی ذات مقصود و مسجود تھی۔ اب وہ صاحب موحد و خدا پرست کہلائیں گے اور یہ نقّال و کوتاہ نظر شخص مشرک و سنگ و خشت پرست، اسی کو حدیث میں کہا گیا ہے "انما الاعمال بالنیات و انما لامرء ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الیٰ دنیا یصیبھا او امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الیٰ ما ھاجر الیہ" (سارے اعمال کا دارومدار نیتوں پہ ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی، پس جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی اس کی ہجرت اللہ اور اسکے رسول کے لئے شمار ہوگی اور جس کی ہجرت کسی دنیاوی منافع کے حصول یا کسی عورت سے شادی کرنے کی خاطر ہوگی تو اس کی ہجرت انھیں چیزوں کے لئے شمار ہوگی۔)

نکاح خلاصہ و جامع عبادات

فرمایا کہ اس مرتبہ اجتماع میں آٹھ نکاح ہوئے، مولانا انعام الحسن صاحب نے نکاح کی دینی و شرعی حقیقت پر بہت اچھی تقریر کی، میں بھی اس وقت موجود تھا۔ یہ تقریر مجمل تھی، میں اس اجمال کی تفصیل عرض کرتا ہوں کہ نکاح افضل ترین عبادت ہے بلکہ خلاصہ اور جامع عبادات ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کو اس میں امت کے مقابلہ میں امتیاز حاصل نہ ہوتا۔ ہر مسلمان کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے لئے اس تعداد کی قید نہ تھی اور افضل الرسل اور آخری نبی کے گھر میں بیک وقت نو بیویاں تھیں اور فرماتے "کلّمینی یا حمیراء" (آؤ عائشہ مجھ سے باتیں کرو) آپ نے کبھی محبت و انس کے اظہار کے

لیۓ کہانیاں بھی سنائی ہیں لیکن بہت کم لوگوں کو اس کے عبادت ہونے کا استحضار ہے۔
کیا آپ نے کسی کو نماز میں سگریٹ پیتے ہوئے دیکھا ہے؟ لیکن میں نے نوشہ کو بارہا مجلسِ نکاح میں سگریٹ پیتے ہوئے دیکھا ہے، اگر اس کو اس کا علم ہوتا کہ وہ ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت میں مشغول ہے جو تقرّب الی اللہ کا ذریعہ ہے تو وہ اسی طرح سے اس میں ایسی چیزوں سے احتراز کرتا جیسے کوئی شخص نماز میں سگریٹ نہیں پی سکتا۔

افضل ترین عبادت مجموعۂ معاصی و منکرات بن گئی ہے

درحقیقت یہ شادیاں اگر نیت و ذہنیت صحیح ہو، اس قرب و ترقی کا ذریعہ ہیں جو بہت کم عبادتوں سے حاصل ہوتی ہے لیکن جو معصیتیں اور شریعت کی مخالفتیں عام دنوں میں نہیں ہوتیں وہ بھی ان تقریبات میں ہو جاتی ہیں اور ایک شادی بعض اوقات مجموعۂ معاصی بن جاتی ہے، اچھی پابند اور دیندار گھرانوں کی لڑکیاں بھی اس رات کو نماز چھوڑ دیتی ہیں اور کتنوں کی صبح کی نماز قضا ہو جاتی ہے، حالانکہ یہ ان کے حق میں شب قدر تھی اور ان کو اس کی قدر کرنی چاہیئے تھی، اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص رمضان کے دن میں تو شب قدر کے شوق و انتظار میں سارے دن جاگتا رہا اور دعاؤں میں مشغول رہا لیکن جب شب قدر ہوئی تو سوتا رہا، تو کیا لوگ اس کی نادانی و محرومی پر افسوس نہ کریں گے کہ جو وقت جاگنے کا تھا اس میں سویا اور جو قدر کی رات تھی اس میں اس نے ناقدری کی۔

حقیقی حیات کا ایک لمحہ بھی نعمتِ عظمیٰ ہے

فرمایا کہ حیات بڑی نعمت ہے، اس کا

---

[1] حدیث ام زرع کی طرف اشارہ جو بخاری میں بڑی تفصیل کے ساتھ آئی ہے اور بڑے بڑے علماء نے اسکی شرح میں رسائل لکھے ہیں۔

ایک لمحہ بھی غنیمت ہے۔ قرآن شریف میں اس کو بڑے انعام کے طور پہ بیان کیا گیا ہے۔
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً (مردوں اور عورتوں میں سے جو شخص بھی نیک عمل کرے گا بشرطیکہ وہ ایمان رکھتا ہو تو ہم اس کو اچھی زندگی عطا کرینگے)

خدا سے آرزو کرنی چاہیئے (حقیقی) حیات کا کوئی لمحہ ہی عطا فرمادیں۔ موت حالت حیات میں آئے نہ کہ حالت ممات میں، مردہ مرا تو کیا مرا وہ تو پہلے ہی سے مرا ہوا تھا۔ لطف تو زندہ کے مرنے کا ہے۔

قیمتی اور وزنی عبادت ہے، نہ کہ عادت

فرمایا اصل قیمت اور وزن عبادت کا ہے۔ نہ کہ عادت کا۔ عبادت بھی عادت ہو گئی تو پھر کیا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ میری رات کو اٹھنے کی عادت ہو گئی ہے، تین بجے آنکھ کھل جاتی ہے تو یہ عادت ہوئی۔ عبادت تو یہ ہے کہ سخت سردی کا موسم ہو گرم اور نرم بستر ہو، نیند کا غلبہ ہو۔ سردی کے مارے ہاتھ باہر نکالنے کی ہمت نہ ہو اور آدمی اللہ کی عبادت اور دعا و مناجات کے لئے اٹھے۔ جس طرح ڈاکیہ کی یہ آواز کہ منی آرڈر لایا ہوں جادو کا اثر رکھتی ہے اور یہ سن کر نیند کافور ہو جاتی ہے۔ آدمی سردی گرمی بھول جاتا ہے اسی طرح "هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَهُ، هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ (کیا کوئی مانگنے والا ہے جس کو میں دوں، کیا کوئی بخشش چاہنے والا ہے جس کی بخشش کر دوں[1]) کی آواز میں منی آرڈر والے ڈاکیہ کی صدا سے زیادہ کشش اور دلآویزی ہے اور اس کے لئے آدمی اپنی نیند حرام اور قربان کر دے۔

ذہن و اخلاق پر اثر عبادات کا ہوتا ہے نہ کہ عادات کا

عبادت ہی کا اخلاق پر اثر پڑتا ہے۔ اسی سے انسان

---

[1] حدیث صحیح کے مطابق آخر شب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان و صلائے عام ہوتا ہے۔

کا ذہن بدلتا ہے اور اسی کا اثر دیرپا ہوتا ہے۔ عادات میں کوئی اثر اور طاقت نہیں۔

بیعت وارادت کی حقیقت فرمایا کہ لوگ مرید ہونے آتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مرید تو اسی وقت ہو گئے جب کلمہ پڑھا تھا۔ یہ بیعت نہیں، بیعت کی تجدید ہے۔ غفلت ہو گئی تھی، بھول گئے تھے، اس سبق کو تازہ کر رہے ہو، ورنہ کون کس کا مرید؟ دیکھئے شہد کی مکھی کیسی حقیر چیز ہے لیکن اللہ نے اس کو جو کمال دیا ہے وہ نہ کسی انجینیر کو حاصل ہے اور نہ کسی ڈاکٹر کو۔ وہ جس طرح پھولوں پر بیٹھ کر ان کا جوہر نکال لیتی ہے کوئی بڑے سے بڑا ڈاکٹر اور کیمیا داں نہیں نکال سکتا۔ پھر وہ جس طرح اپنا چھتہ بناتی ہے، کسی انجینئر کی کیا مجال کہ ایسا ایک چھتہ بھی بنالے۔ یورپ میں شہد حاصل کرنے کے لئے مکھیوں ہی کو پلتے ہیں اور انھیں سے شہد نکلوا لیتے ہیں۔ براہِ راست وہ بھی شہد نہیں نکال سکے۔ گویا زبانِ حال سے مکھیوں سے کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ہی مرید ہیں۔ پیر تمھیں ہو، فیض تمھارا ہی ہے۔ اسی طرح پیر و مرید دونوں ہی ایک دوسرے سے فیض پاتے ہیں اور دراصل فیض کسی اور کا ہے۔

(مسجد میں جمعہ کا وقت قریب ہو چکا تھا اور ہم لوگوں کو بھی کھانا کھانے کے لئے اپنی قیام گاہ پر آنا تھا، اس لئے مجلس برخاست ہوئی لیکن جمعہ کا یہ دن جس میں عموماً مجلس نہیں ہوا کرتی مجلس اور استفادہ سے خالی نہیں رہا اور اس حیثیت سے بھوپال کے قیام کا یہ پہلا دن بھی خالی نہیں گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک)

۲۳

تیئیسویں مجلس

۱۵ ذیقعدہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۴ جنوری ۱۹۷۰ء یوم شنبہ (خانقاہ شریف)

مخصوص حاضرین:- مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب، نواب سید ظہور الحسن خاں صاحب (نبیرہ والا جاہ نواب سید حسن خاں صاحب مرحوم) مولوی حسن خاں صاحب میواتی، سید حسن عسکری طارق قادری، مولوی مظفر الحق ندوی، مولانا ریاست علی خاں صاحب، سید مقصود علی صاحب لکھنوی، حافظ منظور احمد صاحب وغیرہ وغیرہ۔

جذبات و جوش و خروش زیادہ قابل اعتماد نہیں

۱۰ بج کر دس منٹ پر تشریف لائے، فرمایا جذبات زیادہ قابل اعتبار نہیں۔ بڑے بڑے جذبے والوں کو دیکھا کہ (باغ و بہار) پھر کچھ عرصہ کے بعد دیکھا تو چوب خشک، میں نے کہا کہ جاندار شاخ میں تو کونپلیں پھوٹتی ہیں، درخت کی جتنی کاٹ چھانٹ کی جاتی ہے شاخوں میں نئی نئی پتیاں نکلتی ہیں اور روئیدگی بڑھتی ہے۔

تخریب میں تعمیر

فرمایا کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ مزاج کیسا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ مزاج اچھا ہے اور مزاج کو اچھا ہی رہنا چاہیئے۔ سارا انحصار مزاج ہی

پر ہے، باقی رہا جسم تو جو چیز بگڑنے کے لئے بنی ہے اس کا بگڑنا ہی اچھا ہے، اس کے بگڑنے ہی میں بننا ہے۔ شاعر بھی بعض مرتبہ عجیب عجیب باتیں کہہ جاتے ہیں۔ کیا خوب کہا ہے۔

چلی تیزی نہ کچھ بادِ صبا کی
بگڑنے پہ بھی زلف اس کی بنا کی

موت رخصت نہیں آمد ہے

کسی گھر میں کہرام مچا ہوا ہے کہ تشریف لے جا رہے ہیں اور یہ کوئی نہیں کہتا تشریف لا رہے ہیں۔ اگر ایک عالم سے تشریف لے جا رہے ہیں تو ایک عالم میں تشریف بھی لا رہے ہیں۔ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی صاحب بازار سے بادام لائے، استعمال کا وقت تو انھوں نے ان کو توڑا اب گھر میں رونا پڑا ہوا ہے کہ دیکھئے بادام توڑ رہے ہیں، کیسے اچھے اور خوبصورت بادام اور ان کو پتھر سے توڑ رہے ہیں اور ان کا چھلکا الگ کر رہے ہیں، حالانکہ بادام کا کام ہی یہی ہے کہ ان کو توڑا جائے، ان کی گری نکالی جائے۔ بادام سے مقصود گری ہے اور گری بھی نہیں گری کا روغن ہے۔

صحتمند جسم مقصود نہیں سلیم قلب مقصود ہے

اسی طرح جسم بالذات مقصود نہیں ہے کی بھی گری اور اس کا بھی روغن ہے اور وہی اصل مقصود ہے اور اسی سے اس کی قدر و قیمت ہے۔ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، ہاں جو اللہ کے پاس قلب سلیم لیکر آیا (وہی فائدہ اٹھائے گا۔) دیکھئے یہاں نہ نماز کا ذکر ہے نہ روزہ کا، نہ کسی عبادت کا ذکر ہے تو جوہر عبادت کا جو قلبِ سلیم ہے، اللہ وہ قلب سلیم عطا کرے جو اللہ کے احکام کا ایسا

ف یعنی انتقال ہو رہا ہے۔

استقبال کرے جیسا پیاسا پانی کا تشنہ ہوتا ہے۔ قلب سلیم کو دیکھنا ہو تو سلاطین کے پاس جاکر دیکھو۔ لوگ کس طرح ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں اور اس کے انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی حکم دیا جائے، جب ان کو کوئی حکم ملتا ہے اور کوئی خدمت ان کے سپرد کی جاتی ہے تو ہزار زبان سے شکر گذار ہوتے ہیں کہ حضور نے ہم کو اس قابل سمجھا اور ہم سے کام لیا۔

ذوق کے ساتھ تکلیف کا احساس نہیں ہوتا

کسی چیز کا ذوق ہوتا ہے تو اس کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی صحابہؓ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہم بھی آپؐ کی طرح روزہ رکھیں گے۔ ہمیں اور زیادہ روزہ رکھنے کی اجازت دیجئے۔ یہ قلب سلیم کی علامت ہے کہ وہ زیادہ کا طالب ہوتا ہے۔ یہی حال دنیاداروں کا ہے جس کو جس چیز کا چسکا زیادہ پڑ جائے۔

ملک اقلیمے بگیرد بادشاہ
ہم چناں در بند اقلیمے دگر

اسلام جمود سے نکالتا ہے اور ترقی کی راہ پر ڈالتا ہے

اس وقت بھی دیکھ لیجئے کہ زمین کی فتوحات حاصل کرنے کے بعد اب چاند پر حکومت قائم کرنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں، اسلام جمود سے نکالتا ہے۔ اور ترقی کی راہ پر ڈالتا ہے "ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" ایمان اور عمل صالح یہ دو پر ہیں جن سے پستی سے بلندی کی طرف اڑتا ہے، یہ پرواز کے لئے دو پر دیئے ہیں۔ یہ پر اڑنے کے لئے کافی ہیں۔ پرواز کا ایک جوڑ ہے۔ اگر وہ چھین لیا جائے تو پرند پھٹ سے زمین پر گر جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ۔
یہی جوہر پرواز ہے، اسی جوہر سے وہ آسمان وزمین میں معلق رہتے ہیں، عابد عبادت نہیں
کر رہا ہے، توفیق الٰہی اس سے عبادت کرا رہی ہے، پرندہ ہوا میں اڑ نہیں رہا ہے۔ قدرت
خداوندی اسے اڑا رہی ہے۔

گرنے کا خطرہ ترقی میں ہے نہ کہ تنزل میں

توفیق عابدوں سے چھن جاتی ہے تو
ایسا گرتے ہیں کہ کوئی حد نہیں۔ سید
نجم الہدیٰ صاحب بہاری (مقیم مکہ معظمہ) اور ان کے والد ملنے آئے، ان کے ایک
قریبی رشتہ دار ایک قریبی ریاست میں والی ریاست کے معتمد و مصاحب تھے، وہ ان
رئیس کی تعریف کرنے لگے کہ اب تو حالت ہی بدل گئی ہے، بڑے اچھے اشغال و اعمال
ہیں۔ میں نے کہا کہ خطرہ کا وقت اب آیا خدا خیر کرے۔ پہلے گاڑی پر چل رہے تھے گرتے
تو اٹھ سکتے تھے، اب ہوائی جہاز میں اڑ رہے ہیں۔ گریں گے تو کہیں ٹھکانا نہیں، اللہ جس
کو بلندی دیتا ہے، وہ خطرہ میں پھنستا چلا جاتا ہے، بلند لوگ ہی خطرہ میں رہتے ہیں کہ ذرا
سی غفلت ہوئی اور شیطان کا حملہ ہوا۔ وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا
فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ (جو رحمٰن کے ذکر سے غفلت میں رہے گا ہم اس کے لئے ایک شیطان
مقرر کر دیں گے جو اس کا ہم ذات ہوگا) ان کے اوپر جو فکر طاری ہے وہ بہت بڑی فکر ہے۔
فکر میں جب لذت ملنے لگتی ہے تو اس کا نام تفکر نہیں تیقن ہے۔ یہ ترقی کا باعث ہے۔

اللہ کا نام اثر و ذائقہ سے خالی نہیں

ایک صاحب نے لکھا کہ ذکر ابھی دل میں جما
نہیں۔ میں نے جواب دیا اللہ کا نام لیتے ہی
ذائقہ معلوم ہونے لگتا ہے، نمک کی کنکری منھ میں ڈالتے ہی منھ کھارا ہو جاتا ہے اور شکر

کی منھ میں ڈالتے ہی منھ میٹھا ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ نمک کی کنکری منھ میں ڈال کر یہ تصور کیا کرو اور دل میں خیال جمایا کرو کہ منھ نمکین ہو رہا ہے.... منھ نمکین ہو رہا ہے.... وہ تو نمک خود بتا دیتا ہے کہ اس نے نمک کا استعمال کیا ہے۔ سید ظہور الحسن صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ نے دورِ شاہجہانی دیکھا ہے۔ تاج محل اور شاہجہاں آباد کا نام لیتے ہی لوگوں کے چہرہ پر کیسی رونق آجاتی تھی۔ اگر کسی نے کہا کہ میں تاج محل[1] جا رہا ہوں تو اس کا چہرہ کھل جاتا تھا، اس لئے کہ وہ منافعے نظر کے سامنے آجاتے تھے جو وہاں سے وابستہ تھے۔

تخیل کی طاقت فرمایا کہ تخیل میں بڑی طاقت ہے۔ میں حیدر آباد میں چند لعل کی بارہ دری کے پائیں باغ میں جو تالاب ہے، نہا رہا تھا۔ ایک طرف سے برہمن کہیں سے پرساد کھا کر آرہے تھے۔ ایک برہمن اور غیر برہمن میں ہار جیت ہو گئی۔ کسی نے کہا کہ نہ یہ برہمن ہے نہ وہ برہمن بولا سمجھیں تو سب کچھ ہے نہ سمجھیں تو کچھ بھی نہیں۔ میرے دل کو یہ بات لگ گئی کہ سب سمجھنے کا فیض ہے، مولانا روم نے ایک غریب عورت کی حکایت بیان کی ہے جس کو بادشاہ نے محل میں بیگم بنا کر رکھا تھا، لیکن بیمار ہوتی چلی جا رہی تھی اور کوئی طبیب مرض کی تشخیص نہ کر پاتا تھا[2]، ایک طبیب جو صحیح معنوں میں حکیم تھے، اس راز کو پاگئے۔ انھوں نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا اور مختلف نام لینے شروع کئے۔ جب ایک زرگر کا نام آیا جس پر وہ عاشق تھی تو اس کی نبض تیز ہو گئی اور انھوں نے اس کا مرض دریافت کر لیا۔ ذکر حقیقی تو یہ ہے کہ زرگر کا نام آیا اور نبض تیز ہو گئی۔

---

[1] شاہجہاں آباد بھوپال میں نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کا محل جہاں وہ اجلاس کرتی تھیں۔

[2] یہ حکایت تفصیل سے ایک پچھلے ملفوظ میں گزر چکی ہے۔

"اِذَا ذُكِرَاللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا"
پھر اس سے ایسی ترقی ہوتی ہے کہ حجابات مرتفع ہو جاتے ہیں اور ماسوی اللہ بے حقیقت نظر آنے لگتے ہیں" وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ"

پیٹ اور پیٹھ کے مریض

فرمایا کہ لوگ زیادہ پیٹ اور پیٹھ کے مریض اور ان کی غذا کے طالب آتے ہیں۔ پیٹ بھر جائے عزت بڑھ جائے سب اسی کے طالب اور سائل ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جیب سے اشرفیاں گر رہی ہیں تو کہتے ہیں کہ تم کو کیا وہ تو ہماری گر رہی ہیں۔ اگر بتایا جائے کہ عمر جیسی چیز تلف ہو رہی ہے تو منھ بناتے ہیں کہ تم کو کیا پڑی ہے۔ ہمارا ہی نقصان ہو رہا ہے۔ اگر کہا جائے کہ ذرا سا زبان کو حرکت دینے اور ایک مرتبہ الحمدللہ کہنے کا ثواب یہ ہے تو کسی کو اس کی قدر نہیں ہوتی۔ حدیث میں آیا ہے کَلِمتان خفیفتان علے اللسان ثَقِیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمٰن۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

مظروف کا قصور نہیں ظرف کا قصور ہے

فرمایا کہ سارا معاملہ کسی شئے کی عظمت و فضیلت کے یقین و استحضار کا ہے۔ لوگ حج کو جاتے ہیں لیکن کتنے آدمیوں کو استحضار ہوتا ہے کہ حج سے ایسے گناہ معاف ہوتے ہیں کہ حاجی ایسا ہو جاتا ہے کہ جیسے آج وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا" کیوم ولدتہ امہ" یہی حال حفظِ قرآن کا ہے، لوگ آتے ہیں اور بڑے شوق سے اپنے بچوں کو پیش کرتے ہیں کہ یہ حافظ ہو گئے ہیں، ڈرجاتا ہوں کہ یہ اس دولت کی قدر بھی کر سکیں گے یا نہیں، بے شک دودھ بڑا خالص اور شفاف ہے لیکن یہ دیکھو کہ برتن بھی

ے اور وہ اپنے رب پر پورا اعتماد اور توکل کرتے ہیں۔ ۱۲

دُھلا ہوا اور صاف شفاف ہے یا نہیں، اگر برتن کثیف ہے تو وہ چیز بھی اس میں جاکر گندی نظر آئے گی۔ یہی نتیجہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے بہت سے حافظ چور دیکھے اور بہت سے عالم پلاؤ خور، اس میں مظروف کا کوئی قصور نہیں، ظرف کا قصور ہے۔ ظرف کو صاف کرنا اور اس لطیف چیز کے قابل بنانا ضروری ہے۔ برتن میں رنگ تھا پانی رنگین ہو گیا۔ گرد آلود تھا گرد آلود ہو گیا۔ کئی بزرگ صورت، دراز ریش، دینداروں کے لباس میں بڑی رکیک حرکتوں اور پست جرائم کے مرتکب پائے گئے۔ ذلیل قسم کی چوریوں میں پکڑے گئے۔ یہ تصفیۂ باطن نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ تقویٰ اختیار کریں، ہم کو ڈر ہوتا ہے کہ دین کو بدنام نہ کریں۔ سارا انحصار قلب پر ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ○ جب اللہ قلب عطا فرما دیتا ہے تو یہ سب چیزیں آسان ہو جاتی ہیں۔

طاعت اور صحبت کا اثر کبھی نہ کبھی ضرور ظاہر ہوتا ہے

فرمایا کہ آدمی گرمی میں دہی استعمال کرتا ہے، کوئی ضرر محسوس نہیں ہوتا، اس لئے کہ موانع موجود ہیں، سردی میں بیٹھے بیٹھے چھینکیں آنے لگیں، معلوم ہوا کہ موانع مرتفع ہو گئے، اب دہی نے اپنا اثر دکھایا، یہی حال بزرگوں کی صحبت یا کسی مقام کے فیضان کا ہے کہ جب تک موانع موجود ہیں اور حجابات پڑے ہوئے ہیں کوئی فیض نظر نہیں آتا، جہاں موانع معدوم ہوئے اور حجابات مرتفع ہوئے اچانک فیضان معلوم ہوا۔ ہمارے یہاں ایک بی بی تھیں، جوانی ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں، ہمارے ہی گھر کے قریب آکر پڑ گئیں۔ حضرت صاحب کے کپڑے دھویا کرتی تھیں، کھانا پکانے کی خدمت بھی انجام دیتی تھیں۔ جب انتقال کا وقت آیا تو رونے لگیں، میں کلکتہ میں تھا، کہنے لگیں بھائی جان ہوتے تو میں

کچھ کہتی، گھر میں اصرار سے پوچھا گیا تو کہا الحمدللہ سب لطائف جاری ہو گئے، وہی بات کہ وہی کھایا تھا کب اور اثر ظاہر ہوا کب، اللہ کے بندے جلدی وصول کے طالب ہو جاتے ہیں۔

سنت کا درجہ معلوم کرنے کے لئے صحابۂ کرام کا عمل معیار ہے

فرمایا کہ سنتیں بھی دو طرح کی ہیں، ایک جو کبھی ادا ہوئی اور مداومت کیلئے نہیں اور ایک جو مداومت کے لئے ہے، اسکے پہچاننے کے لئے صحابۂ کرام کا عمل پیمانہ کی حیثیت رکھتا ہے، انھوں نے جس سنت کی پیروی کی اور اس کے پابند رہے، وہ سنت دائمی ہے اور ساری امت کے لئے حرز جاں بنا لینے کے قابل ہے اور جس عمل کو انھوں نے ضروری نہیں سمجھا وہ دستور العمل نہیں بنائی جا سکتی۔ اس کی مثال یہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو حبشیوں کا کھیل دکھلایا، صحابہؓ نے اس عمل کو جاری نہیں رکھا۔ یہ نہیں ہوا کہ ہر صحابی اپنے گھر والوں کو کھیل دکھلائے اور گانا سنوائے۔ معلوم ہوا کہ یہ سنت دائمی اور استمراری نہیں ایک وقتی عمل تھا۔

مشائخ کی صحبت کا اثر عیب بینی نہیں عیب پوشی ہے

فرمایا کہ والد صاحب کے ایک مخلص مرید حیدرآباد سے آئے ہوئے تھے، کچھ عرصہ یہاں خانقاہ میں رہے، ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ حضرت صاحب کو دیکھنے کے بعد اب کوئی نظر میں جچتا نہیں، میں نے کہا کہ یہ تو آپ نے صحیح نتیجہ نہیں نکالا۔ بزرگوں کی صحبت کا اثر تو یہ ہوتا ہے کہ کسی کا عیب نظر نہیں آتا اور ادنیٰ میں اعلیٰ نظر آنے لگتا ہے۔ اس کے بعد حضرت نے اپنا ایک مضمون سنوایا جو ایک مرید مقیم مدینہ منورہ کے جواب میں لکھوایا گیا تھا، یہ صاحب علماء دیوبند کے مخالف ہیں اور ان کے اکثر خطوط ان حضرات

پر اعتراضات اور شکایتوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ وہ عرصے سے شجرہ کا تقاضا کر رہے تھے۔ حضرت نے بجائے شجرہ کے یہ مضمون لکھوایا جس کا اصل زور تصوف و اصلاح کی حقیقت کو بیان کرنے اور بدبینی اور عیب جلینی کے مرض کے علاج پر تھا، یہ ایک مستقل رسالہ بن گیا ہے جس کی اشاعت طالبین حق کے لئے بہت مفید ہوگی۔

بہت سے دینداروں میں قوت دافعہ کی کمی

فرمایا کہ بہت سے لوگوں میں قوت دافعہ کی کمی ہوتی ہے، بہت سے نیک اعمال کرتے ہیں، عبادات میں مشغول ہوتے ہیں، لیکن نماز روزے تک کے مسائل یاد نہیں اور بے تکلف علماء کی مذمت اور غیبت کرتے رہتے ہیں، اگر ان کا عمل فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ پر ہوتا تو اس مرض میں گرفتار نہ ہوتے۔

عمل و مشغولیت کے لئے کتاب و سنت ہے نہ کہ کتب تصوف

فرمایا کہ میں تصوف کی کتابیں پڑھ تو لیتا ہوں مگر ان کا عاشق نہیں عقائد کا انحصار کتاب و سنت پر ہے۔ اکثر صوفی وحدۃ الوجود کے قائل یا ئے تنزلات ستہ کی تشریح میں ہر وقت مشغول، بچوں تک کو اس کا درس دیتے ہیں، معلومات وسیع کرنے کے لئے پڑھ تو لیتا ہوں، لیکن ان میں انہماک نہیں، فرمایا کہ والد صاحب پر ایک جذب کی سی کیفیت تھی، اذکار و مراقبات میں استغراق تھا، تعلیم و تعلم کی طرف چنداں التفات نہ تھا، میں علم حاصل کرنے کا گرویدہ تھا، اسی شوق میں بھاگ کر ندوہ گیا۔ میں اس زمانہ میں کہتا تھا کہ اگر حضرت والد صاحب حضرت شاہ عبدالغنی صاحب سے حدیث پڑھتے تو کیسا اچھا ہوتا، سارا ہندوستان اور سب علمائے دیوبند انھیں کے شاگرد ہیں، ایک حدیث مبارک سو ختموں سے بہتر ہے، علم تو حاصل نہیں ہوا، عربیت حاصل نہیں ہوئی، مگر اسی دھن میں لگا ہوں اور یہی مشغلہ ہے۔

۲۴
چوبیسویں مجلس

۱۶ ذیقعدہ ۱۳۸۹ھ (۲۵ جنوری ۱۹۷۰ء بروز یکشنبہ خانقاہ شریف

حاضرین کی کثرت اور حضرت کی طبیعت کا جوش و خروش

آج اتوار تھا، خانقاہ کا اندرونی دالان اور بیرونی صحن اور چبوترہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا، ایک ساتھی نے مجلس کے اختتام پر لوگوں کو شمار کیا تو دو سو سے کچھ اوپر تھے۔ حضرت نے پہلے اپنے جامع ملفوظات کو کچھ مخاطب کر کے بیٹھے بیٹھے فرمانا شروع کیا، پھر اٹھنے کا اشارہ کیا۔ دو صاحبوں نے سہارا دیکر کھڑا کر دیا، کچھ دیر کھڑے ہو کر بیان کیا، پھر دالان سے باہر برآمدہ میں کرسی رکھ دیگئی اور حضرت نے بیٹھکر تقریر فرمانی شروع کی؛ لیکن تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد جوش میں آکر کھڑے ہوجاتے، کسی سہارے یا مدد کی ضرورت پیش نہ آتی، خادم کرسی کے پاس بیٹھا ہوا تھا، شمار کیا تو ۲۸ مرتبہ بیٹھے سے کھڑے ہوئے۔ حیرت ہوئی کہ دو آدمیوں کی مدد کے بغیر آپ کھڑے نہیں ہوسکتے کس طرح ۲۸ مرتبہ بلا کسی تکلف کے کھڑے ہوجاتے ہیں، یہ محض اندرونی جوش اور تقاضہ اور قوت ارادی کا کرشمہ تھا۔

خاموش افادہ و استفادہ

سلسلۂ تقریر کا آغاز کرنے سے پہلے بعض حضرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی خاموشی میں گویائی ہے اور ان کے نہ بولنے کے باوجود بھی پورا استفادہ ہوتا ہے۔ اس پر حضرت

خواجہ سید نصیر الدین چراغ دہلی کا یہ شعر پڑھا ؎

خاموشم و گویائم چوں خط بکتاب اندر

بے کارم و با کارم چوں مد بحساب اندر

فرمایا خاموش کی بات دلوں میں اثر کرتی ہے اور بولنے والوں کی گفتگو کانوں میں اثر کرتی ہے۔ دل تک پہنچی پہنچی، نہ پہنچی نہ پہنچی۔

درد و تکلیف کا اظہار مخلوق کے سامنے نہیں خالق کے سامنے کرنا مناسب ہے،

محبی عبد الرحمٰن نور ولی[1] (مقیم مکہ معظمہ) کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے اپنے بچہ کے گرنے کے حادثہ پر ایک رسالہ تحریر کیا ہے جس میں اس واقعہ کی پوری تفصیل اور اس کی تکلیف اور بار بار عمل جراحی اور اس کے والدین کے ابتلاو آزمائش کی روداد بڑے موثر اور دل دوز انداز میں درج کی ہے، میں نے کہا کہ اپنے تکالیف و مصائب کا اظہار مخلوق کے سامنے نہیں صرف خالق کے سامنے کرنا چاہیئے۔ قرآن شریف میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے اِنَّمَآ اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (میں تو اپنے درد و غم کا اظہار صرف

---

[1] جدہ میں تقریباً سوسوا سو سال سے پٹن گجرات کا ایک دیندار خاندان رہتا ہے جس کا پیشہ تجارت ہے۔ اس خاندان کے مورث کا نام نور ولی تھا اسلئے ہر فرد کے نام کے ساتھ یہ نسبت لگی ہوئی ہے اس خاندان نے ابھی تک اپنی وضعداری قدیم معاشرت اور ہندوستان کی اچھی خصوصیات و روایات قائم رکھی ہیں۔ جدّہ، مکہ معظمہ و مدینہ منورہ ہر جگہ ان کی تجارت اور املاک ہیں۔ اب اس خاندان کے بزرگ مخدومی الحاج عبد القادر نور ولی ہیں۔ اطال اللہ حیاتہٗ میاں عبد الرحمٰن نور ولی ان کے فرزند ہیں جو مکہ معظمہ میں رہتے ہیں۔ الحاج عبد القادر نور ولی ہی کی تحریک و ہمت سے علامہ محمد طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ کی مایۂ ناز کتاب لغت حدیث "مجمع بحار الانوار" دائرۃ المعارف حیدر آباد میں طبع ہو رہی ہے شکر اللہ مساعیہم ۱۲

اپنے مالک سے کرتا ہوں) انھوں نے اس گفتگو کے بعد رسالہ کی اشاعت کا خیال چھوڑ دیا۔
فرمایا کہ میں نے ایسی تکلیف میں ایسا ہشاش بشاش اور ہنستا ہوا چہرہ بہت کم دیکھا ہے۔

حقیقی دعا وہ ہے جو رونگٹے رونگٹے سے نکلے

فرمایا کہ لوگوں کا عام دستور ہو گیا ہے کہ مصافحہ کرتے ہی کہتے ہیں کہ دعا کیجئے۔ کثرت سے لوگوں کے خطوط اسی فرمائش کے آتے ہیں، مجھے اس پر اس مزدور کا فقرہ یاد آجاتا ہے جس کو اس کی توقع سے زیادہ پیسے دیئے گئے تو کہا باجی! رونگٹا رونگٹا آپ کے لئے دعا کرے گا، درحقیقت رونگٹوں ہی کی دعا کی ضرورت ہے۔ ایسا کام کرے جس سے بدن کے روئیں روئیں سے دعا نکلے۔ ایک خالی زبان کی دعا سے کیا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ (دعا بندگی کا مغز ہے) لوگوں نے بزرگان دین کی سالہا سال خدمت کی ہے۔ پھر کسی وقت انھوں نے مہربان ہو کر کہا کہ کیا چاہتے ہو، اس وقت دعا کی درخواست کی گئی اور دل سے دعا نکلی۔ بعض لوگ مجسم شریعت کے خلاف شکل بنا کر سامنے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دعا کیجئے۔ میں بعض وقت کہتا ہوں کہ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ کرے منھ سے بد دعا نہ نکلے"۔

انسان کا سودا اور کریم کی بندہ نوازی

فرمایا کہ اس آیت میں پورا قرآن شریف اور پورے ایمان کی تشریح آگئی ہے۔
اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ[1]
اللہ تعالیٰ نے ہم سے وہ چیز خریدی جس کا کوئی خریدار نہیں، کوئی جانور مرتا ہے تو اس کا چمڑا ہڈی سب کام کا ہوتا ہے اور اچھے داموں بک جاتا ہے۔ ہمارا نہ چمڑا کام کا، نہ ہڈی نہ گوشت نہ خون نہ بال، مگر اللہ اس کو خرید رہا ہے۔

[1] اللہ نے ایمان والے بندوں کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں (اور معاوضہ یہ طے کیا ہے کہ) ان کے لئے جنت ہے (التوبہ ۱۱۱) یہ حاشیہ صفحہ ۲۹۷ پر دیکھئے

عبادتِ نکاح کی بے حرمتی و ناقدری

اس کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور تقریر شروع کی۔ فرمایا کہ نکاح کی حقیقت کیا ہے؟ آپ آئینہ کو الٹی طرف سے ملاحظہ فرما رہے ہیں اس کی پشت بھی بہت رنگین اور منقش ہے۔ مگر اس میں صورت نہیں دکھائی دے گی، آپ اس کو سیدھا کر کے دیکھئے تو صورت صاف نظر آئے گی۔ اسی طرح نکاح بھی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے جس کو لوگ اس غفلت و بے شعوری کے ساتھ ادا کرتے ہیں کہ جو غفلت و معصیت کسی موقع پر نہیں ہوتی وہ اس میں روا رکھی جاتی ہے بلکہ مستحسن سمجھی جاتی ہے، یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی نماز میں سگریٹ پئے تو مسلمان تو مسلمان غیر مذہب والے بھی اس کو کیا کہیں گے۔

نکاح کے افضل العبادات ہونے کی دلیل

فرمایا کہ دو کام ہیں جو اعلیٰ ترین عبادت ہیں لیکن وہ سب سے زیادہ غفلت ناقدری، آزادی و لاابالی پن سے انجام دیئے جاتے ہیں، ایک نکاح اور ایک کھانا، آپ اسی سے اندازہ کیجئے کہ اگر نکاح محض لذت اور نسل حاصل کرنے کی چیز ہوتی تو انبیاء علیہم السلام (جو کہ افضل الخلق اور ہر وقت متوجہ بحق ہیں) اس سے بالکل سروکار نہ رکھتے، انبیاء علیہم السلام نے تو لذات کو کم کیا ہے۔ وہ کھانا کم کھاتے تھے، زینت و تکلف سے بری تھے، ان کی زندگی فقیرانہ و زاہدانہ تھی، انھوں نے کم سے کم آرام فرمایا، چٹائی پر

(حاشیہ صفحہ ۲۹۶)

؎ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کبھی تہجد کے وقت ذوق و شوق میں آکر یہ شعر پڑھتے تھے جو بالکل اس مضمون کا ہم معنی ہے۔

بندۂ عیب دار کس نہ خرد ‌ ‌ ‌ ‌ با ہزاراں گناہ خریدہ مرا

(از مرتب) ۱۲-

سوئے، انھوں نے راحتوں کا دامن ہمارے لئے کشادہ کیا اور اپنے لئے سمیٹا لیکن نکاح میں ان کا حصہ امت سے زیادہ ہے، نبیوں نے تو اللہ سے قریب ہونے کی چیزیں زیادہ اختیار کیں تو معلوم ہوا کہ یہ قرب کا سامان ہے۔ فرمایا اَلنِّکَاحُ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ[1] نیز ارشاد ہے یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ منکم الباءۃ فلیتزوج[2]۔

محبت کی مشق اور اس کا مظاہرہ

فرمایا کہ صوفیائے کرام حدیث قدسی کرکے بیان کرتے ہیں — کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ، میں نہیں کہتا کہ یہ حدیث محدثین کے یہاں کس پایہ کی ہے، لیکن یہ روایت صوفیائے کرام کے یہاں بکثرت منقول ہے، اس سے معلوم ہوا کہ پہلے جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ محبت ہے فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ پس دراصل یہ نکاح اور ازدواجی زندگی اسی محبت کی مشق ہے کہ اس میں دو دل جن سے بڑھ کر کوئی بیگانہ نہیں ہوتا، ایسے مل جاتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر یگانہ نہیں ہوتا، یہ اس حقیقی محبت کا ریہرسل ہے۔

محبت کی سچائی اور کارفرمائی

اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سب محبت کا کھیل اور اس کا ظہور ہے۔ اگر ایک مکان بن رہا ہے، تو یہ بھی محبت کا کرشمہ ہے۔ اگر ایک ٹوٹ رہا ہے تو یہ بھی محبت کا کرشمہ ہے، اگر ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہا ہے تو یہ بھی ملک وسلطنت کی محبت کرا رہی ہے۔ اگر چوری اور جرائم ہیں تو یہ بھی مال اور نفس کی محبت کی کارستانی ہے۔ معلوم ہوا کہ محبت ایک ایسا جوہر

---

[1] نکاح میری سنت ہے، جو کوئی میری سنت سے روگردانی کرے وہ میرا نہیں ہے ۱۲

[2] اے جوانو! تم میں سے جو شادی کر سکے وہ شادی کرلے۔ ۱۲

ہے جو انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ فرد کو فرد سے ملانے والی، افراد کو مجموعہ کی شکل میں لانے والی، ایثار و قربانی پر آمادہ کرنے والی شہادت کا شوق دلانے والی محبت ہی ہے۔

رواجی شادیاں

لیکن آج یہی محبت اور اس کا ذریعہ نکاح شرعی، غفلتوں اور معاصی اور خدا اور رسول کی نافرمانیوں کا میدان بن کر رہ گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب کوئی اچھی چیز چلی جاتی ہے تو بُری چیز اس کی جگہ ضرور متمکن ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ" یہ بالکل آج کل کی رواجی شادیوں کا نقشہ ہے۔ ہم قرآن کا تھرمامیٹر لگا کر دیکھ لیں کہ یہ حرارت غریزی ہے یا حرارت غریبی۔

کشمکش اور کشش و کوشش کا فیضان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" انسان اگر اس احسن تقویم پر رہ جاتا تو ملائک کے اندر جا ملتا۔ سعی و کوشش نہ ہوتی، یہ بزرگان دین کو جو عروج و نزول حاصل ہوا، وہ اسی کشمکش اور کشش و کوشش کا نتیجہ ہے۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ اچھی فطرت پر تخلیق ہونے کے بعد نیچے سے نیچے چلا جائے۔ اچھائی کسے کہتے ہیں؟ برائی کو کوشش سے دفع کرنا، جس درخت کی جڑ زیادہ نیچے جائیگی، وہ زیادہ مضبوط ہوگا جس کی کم جائے گی وہ کمزور ہوگا۔ ایک قوت ہے جو اسفل سافلین سے اعلیٰ علیین تک لے جاتی ہے۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔

جفا میں لذت کا احساس

ایمان کا خلاصہ یہ ہے کہ جن کو ہم جفائیں بلائیں سمجھتے

ہیں وہ لذات کی شکل میں ظاہر ہو جائیں، یہی ایمان تھا جو حضرت سمرہ بن جندبؓ کو اس پر آمادہ کرتا تھا کہ پنجوں کے بل کھڑے ہو کر اپنا قد اونچا اور جنگ میں شریک ہونے کا استحقاق ثابت کریں۔ یہ موت کی رغبت کیسی تھی؟ کیا یہ ایمان کا کرشمہ نہیں تھا؟ یہ ایمان نہیں کہ دنیا کی لذات میں پھنس جائے یہ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ کی صورت ہے۔

تقریبات میں اللہ و رسول سے بُعد

نکاح کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ نے جو محبت پیدا کی ہے اس کو جمود سے نکالا جائے، اس کا جمود توڑا جائے اور اس کو صحیح محل پر صرف کیا جائے، لیکن آج ہمارے نکاحوں کے موقع پر کیا ہو رہا ہے؟ اللہ ہی کی محبت کو دل سے نکالا جا رہا ہے اور اسی کے احکام اور حدود کو پامال کیا جا رہا ہے اور اسی کو ان محفلوں سے باہر رکھا جاتا ہے، بلکہ گھر میں بھی نہیں آنے دیا جاتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ میں کسی آقا کا ملازم ہوں، بڑی تنخواہ ملتی ہے، اس کا دیا کھاتا ہوں، اسی کے ٹکڑوں پر پل رہا ہوں، اب میرے یہاں دعوت ہوئی یا لڑکے لڑکی شادی، سب کو بلایا صرف اسی کو بھلایا۔ ہمارے یہاں شادی کے موقع پر صرف اللہ و رسول ہی نہیں بلائے جاتے، صاف کہہ دیا جاتا ہے کہ آپ تشریف لے جائیے، یہاں نکاح ہو رہا ہے۔ آپ کا کوئی کام نہیں، کتنا بڑا احسان ہے ان کا کہ عدم سے وجود میں لائے اور اس سے آگے بھی اعلا زندگی عطا فرمائیں گے لیکن کوئی نافرمانی نہیں ہوتی جو نوشہ میاں سے چھوٹ جاتی ہو، دولہا اور دلہن دونوں اللہ کے رسول کے پکے مخالف، دونوں نمازیں پی لیے رہے ہیں، نہ نمازوں کی فکر نہ زکوٰۃ کا دھیان۔ سب پیر صاحب کو بیٹی کا جہیز دکھاتے ہیں۔ یہ زیور دیا، اتنے جوڑے دیئے، اگر پیر صاحب کہیں کہ بہن زکوٰۃ کا بھی خیال ہے؟ تو حیرت سے منہ تکیں، کتنے آدمی ہیں جن کا اس آیت کے مضمون پر دھیان کبھی جاتا ہے وَالَّذِیْنَ

يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ نیز کہنے آدمیوں کا خیال ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے پر ان زیوروں کا جہنمی طوق پہنایا جائیگا سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔"

زکوٰۃ تو جب سے اسلام میں آئے اس کا ذکر آگیا، اب یہ کیا کہنا کہ اس کا تو کبھی ذکر ہی نہیں سنا اور کسی نے توجہ ہی نہیں دلائی۔

تقریبات میں اسراف ونمود ونمائش

نکاح اعلیٰ درجہ کی عبادت تھی لیکن اس میں بدعات بلکہ کفریات تک کا دخل ہو گیا۔ وہ اللہ اور رسول کو ایذا پہونچانے کا ایک ذریعہ بن گیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ"

میرے پاس شادی کے رقعے آتے ہیں۔ میں نے بعض لوگوں کو دکھایا کہ بتاؤ ایک رقعہ کی کیا لاگت آئی ہوگی، انھوں نے کہا کہ ڈیڑھ روپیہ سے کم تو کسی طرح نہ ہوگی، اس میں ایک غریب کی ہمدردی کر دی جائے تو کتنے اعلیٰ درجہ کی بات ہوتی اور کیسا خدا خوش ہوتا۔

ل اور وہ لوگ جو سینت سینت کر رکھتے ہیں سونا چاندی (یعنی دولت) اور ان کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں (جس کا حکم دیا گیا ہے) تو ان کو خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی جس دن کہ ان کی دولت کو تپایا جائیگا جہنم کی آگ میں پھر اس سے داغی جائیں گی ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں (اور بتایا جائے گا کہ) یہ وہی دولت ہے جو تم نے اپنے لیے سینت رکھی تھی تو مزا چکھو اس دولت کا جسے تم سینتتے تھے ۱۲ ل جو لوگ (اپنی حرکتوں سے) اللہ و رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں خدا کی لعنت پھٹکار ہے۔

حُسن کا معیار

آج ہمارے نوجوان نوشہ کیسی کیسی آرائش کرکے آتے ہیں تاکہ خوبصورت معلوم ہوں۔ خوبصورت تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے، کالا رنگ، موٹے موٹے ہونٹ لیکن یہ درجہ کہ ان کے جوتے کی چاپ جنت میں سنی گئی، خوبصورت بننا ہو تو حضرت بلالؓ کی زندگی اختیار کرو۔ ع

دعویٰ ہو حسن کو حسن کا محفل میں تیری آئے تو

یہ بازارِ زندگی ہے، وہ زندگی خریدی جائے جو خدا کو پسند ہو وہ کیسی زندگی ہے۔

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً[1]

روپیہ برباد کرنے کی ضرورت نہیں زندگی خریدنے کی ضرورت ہے۔

حفاظت دائمی اور حیات ابدی کا قانون

حیات آگے ہے یہ نہیں۔ سترہ برس سیاحت کی، بڑے بڑے قلعے دیکھے، ایلورا کا قلعہ دیکھا جو ایک ہی پہاڑ کو تراش کر بنایا گیا ہے، میں نے پوچھا قلعہ تو ہے قلعہ نشین کہاں ہیں؟ کہا گیا اُن کو زیرِ خاک ہوئے سینکڑوں برس ہو گئے، میں نے کہا کہ پھر یہ قلعہ کس کام کا، یہ ابابیلوں کا آشیانہ بنانے کے لیے یا بھیڑیوں کا بھٹ بنانے کے لئے ہے؟ مشہور ہے کہ کسی بادشاہ نے ایک قلعہ بنایا، سارے شہر کو دعوت دی، جشن منایا، سب نے قلعہ کے استحکام کی تعریف کی۔ ایک درویش بھی تشریف لائے، ان سے پوچھا کہ قلعہ کیسا ہے؟ انھوں نے کہا کہ کمزور ہے، سب نے قہقہہ لگایا اور کہا کہ آپ نے کیا کمزوری پائی؟ فرمایا کہ ملک الموت کو داخل ہونے سے نہیں روک سکتا، لوگوں نے کہا موت کس کے روکے رک سکتی ہے! کہا کہ پھر قلعہ کا کیا فائدہ؟ انبیاء علیہم السلام بھی تشریف لائے، انھوں نے بھی قلعے بنائے کیسے

---

[1] جو کوئی مرد یا عورت نیک اعمال کرے اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہو تو ہم اس کو حیوٰۃِ طیبہ عطا فرمائیںگے۔

قلعے ؟ اللہ کے احکام اور حدود کے قلعے! انھوں نے کہا کہ فصیل کو ٹوٹنے مت دو" الا ان لکل ملکٍ حمیً ألا ان حمی اللہ محارمہ[1]" یہی اصل قلعہ ہے، جن محرمات سے منع کیا ہے ان کو خارج رکھو، جن مامورات کا حکم دیا ہے ان کی حفاظت کرو پھر حیات ابدی ہے "لا یذوقون فیہا الا الموتۃ الاولیٰ ووقٰہم عذاب الجحیم[2]"

اہل قبور کی شہادت یہ ساری باتیں آپ قبرستان والوں سے سنیئے، ان مُردوں کی آواز اور امریکہ والوں کی آواز کسی ذریعہ اور صندوقچہ میں سے آتی ہے، یہ ذریعہ اور صندوقچہ قرآن شریف ہے، اس سے کان لگاؤ گے تو سنو گے " یا ویلتیٰ قد کنا فی غفلۃٍ من ھٰذا بل کنا ظٰلمین[3]"

تاریخ کی شہادت خلفائے عباسیہ کے گھروں میں جو کچھ ہو رہا تھا تاریخیں سب بتا رہی ہیں، پھر اس کا انجام کیا ہوا ؟ بغداد کی تباہی! جتنا اللہ کے احکام کو غالب کرتے جاؤ گے اللہ تم کو غالب کرے گا جتنا ان کو پامال کرو گے اللہ تم کو پست و پامال کرے گا -

(حضرت تقریر فرما کر اپنی جگہ آکر بیٹھ گئے، لیکن ابھی طبیعت سیر نہیں ہوئی تھی اور فرمانے کا تقاضا تھا، محبی مولانا محمد عمران خاں صاحب نے یہ محسوس کر کے کہ تعب زیادہ ہو گیا ہے اور اندیشہ ہے کہ پھر سلسلۂ تقریر شروع ہو جائے مجھے اٹھنے کا اشارہ فرمایا اور میرے اٹھنے پر مجلس برخاست ہو گئی)

---

[1] معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر بادشاہ کا کوئی مخصوص اور محفوظ علاقہ ہوتا ہے (جہاں عام لوگوں کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہوتی) یہ حیثیت شرعی محرمات کی ہے -

[2] وہ موت کا ذائقہ نہیں چکھیں گے پہلی موت کے سوا اور اللہ ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

[3] ہائے ہماری بدبختی - ہم اس سے غافل تھے، بلکہ ہم نے (اپنے پر) بڑے ظلم کیے۔"

۲۵
پچیسویں مجلس

۱۷ر ذالقعدہ سنہ ۱۴۰۱ھ ۲۶ جنوری سنہ ۱۹۸۱ء دوشنبہ —— خانقاہ شریف

آج چونکہ یوم جمہوریہ کی تعطیل تھی اس لئے روزانہ کی مجلس کے مقابلہ میں حاضرین کی تعداد کچھ زیادہ تھی اور کچھ دفاتر کے ملازمین اور کالجوں کے بعض اساتذہ اور طلبا بھی موجود تھے۔

خادمیت اور مخدومیت کے ذائقہ کا فرق | فرمایا کہ آپ کے آنے سے پہلے مطب چلتا رہا۔ راقم سطور نے عرض کیا کہ حضرت اب بھی مطب ہی ہے، فرمایا کہ دوسروں کی خدمت میں چٹپٹا ذائقہ ملتا ہے اور کوئی مجھ کو راحت پہنچائے اور خدمت کرے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کھانا تو ہے مگر پھیکا، اب میں دوسروں کی خدمت کا ارادہ کروں اور ان کو جسمانی راحت پہنچانے کی کوشش کروں تو ریاکاری پر محمول کیا جائے گا اور تصنع معلوم ہوگا، اس لئے یہ (طب) کا مشغلہ اختیار کیا کہ اس طرح لوگوں کی خدمت کا موقع ملے اور پھر وہ ذائقہ نصیب ہو۔

فائدہ مقصود ہے نہ کہ ظاہری اخلاق | فرمایا کہ حکیم ضیاء الحسن[1] صاحب بڑے باکمال طبیب اور بھوپال کے حکیم اجمل خاں

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

تھے، انھوں نے بڑے معرکے کے علاج کیے ہیں، مگر مزاج میں غصہ بہت تھا۔ لوگ اس کی شکایت کرتے تھے کہ حکیم صاحب غصہ ور بہت ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ بہتر ہے کہ اخلاق برتیں اور مٹھائی کھلائیں یا یہ بہتر ہے کہ ان کے علاج سے فائدہ ہو؟ اہل فن کا تو فن دیکھا جاتا ہے۔

حکیم محمد محسن صاحب بھی ایسے ہی تیز مزاج تھے، پرانی وضع کا لباس پہنتے تھے اور والیٔ ریاست سے بھی تیز لہجے میں بات کرتے تھے اور دوسرے طبیبوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، لیکن جس مرض کے علاج میں بڑے بڑے طبیب ناکام رہے ایک معمولی سی پتی کا عرق بتا دیا اور نفع ہو گیا، حکیم صاحب اخلاق برتیں اور علاج سے ٹھیک نہ کریں، اس سے تو یہ بہتر ہے کہ دو جوتی مار دیں اور نفع ہو جو اصل مقصود ہے۔ استادوں کے تو جوتے کھانے سے علم آیا ہے۔

اہل قلوب سے فائدہ اٹھانے کیلئے سب سے زیادہ تواضع شرط ہے

فرمایا کہ ایک صاحب نے علاج کے سلسلہ میں علاج کے بعد کہا کہ کیا پیش کروں؟ میں نے کہا کہ اخلاص، وہ وزیر تھے، انھوں نے کہا کہ میں تو صاحبِ قدرت ہوں۔ میں نے کہا کہ جس جگہ کو اللہ والی جگہ سمجھے، وہاں قدرت کو باہر طاق میں رکھ کر آئے، ایسی جگہ عجز لے کر آتے ہیں کہ عجز ہی پر رحمتِ الٰہی متوجہ ہوتی ہے۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ

لہ افسر الاطباء حکیم سید ضیاء الحسن صاحب، حکیم نور الحسن صاحب کے صاحبزادے اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے شاگرد رشید تھے۔ پانچ سال ان کے یہاں رہ کر مطب میں شریک رہے حکیم صاحب کو ان پر بڑا اعتماد اور خصوصی تعلق تھا۔ عرصہ تک بھوپال میں افسر الاطباء رہے۔ ۱۹۵۰ء میں انتقال کیا۔

تکان اور خستگی کا علاج فرمایا کہ بعض مرتبہ کسی مریض کو دیکھنے پیدل چلا تو تکان اور پاؤں میں درد کا احساس ہوا لیکن فوراً ہی شیخ سعدیؒ نے انجکشن دے دیا اور فوراً خستگی کا احساس جاتا رہا۔ وہ فرماتے ہیں۔

نیاساید اندر دیار توکس
چوں آسائش خویش خواہی وبس

یعنی تمہارے ملک میں کوئی آرام نہیں پا سکتا اگر تم کو صرف اپنے آرام کی فکر ہے۔ طب کا فن تو جس وقت سیکھا تھا اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ یہ مشقت تو برداشت کرنی ہے۔

فرمایا کہ کل دھوپ کی وجہ سے سبق مختصر کرنا پڑا قبل اس کے کہ لوگ گھبرائیں اور بس بس کہیں خود ہی گفتگو موقوف کر دینی چاہیئے۔

بیندیش آنگہ بر آور نفس
وزاں پیش بس کن کہ گویند بس

کھانے کو کس طرح عبادت اور ذریعۂ قرب بنایا جائے؟ فرمایا کہ کل میں نے دو عبادتوں کے متعلق کہا تھا۔ نکاح اور کھانا۔ دونوں سے وجود کا قیام ہے، کھانے سے فرد کے وجود کا اور نکاح سے نوع کے وجود کا، اب کھانے کو عبادت بنانے کی کیا صورت ہے ہم پہلے یہ غور کیا جائے کہ اس کا مقصود لذت ہے یا وجود کی بقاء؟ اسی طرح سے لقمہ اللہ کے ذکر کے ساتھ اٹھائے اور نیت یہ ہو کہ اس سے قوت حاصل کر کے عبادت میں صرف کریں گے۔ اب حالت یہ ہے کہ نہ کھانے کا طریقہ معلوم ہے نہ پینے کا غفلت کے ساتھ جانوروں کی طرح کھاتے پیتے ہیں۔

عبادات میں کیفیت اور اثر پیدا کرنے کا طریقہ نماز اور عبادات میں توجہ اور اثر کہاں

سے آئے؛ طبعی ضروریات اور روزانہ کے معمولات درخت ہیں اور عبادات ان کا ثمر، اگر ان طبعی ضروریات اور معاملات کی حفاظت نہ کی جائے گی تو ان درختوں میں پھل کیسے پیدا ہوں گے؟ کھانا، پینا، ملنا جلنا، خرید و فروخت ان کی درستگی حفاظت، اس کو شریعت کے مطابق ادا کرنے کا اہتمام اور ان میں اخلاص و نیت پیدا کرنے کی کوشش وہ درخت ہیں جن سے عبادات کے ذائقہ دار ثمر پیدا ہوں گے اور ان میں نورانیت آئے گی۔ درخت کی صحیح پرورش سے اس میں خود بخود پھل آتا ہے، حضرت شاہ غلام علی صاحب کا روزہ تھا۔ عصر کے وقت حاضرین مجلس میں سے کسی نے کسی بادشاہ کے ظلم کا تذکرہ کیا، فرمایا روزہ گیا، روزہ گیا، انھوں نے کہا حضرت روزہ گیا تو میرا گیا، میں نے غیبت کی آپ کی اس میں کیا غلطی؟ فرمایا "المستمع شریک المغتاب" (سننے والا بھی غیبت کرنے والے کا شریک ہوتا ہے) یہ وہ چیز ہے جس کو ہم کوئی چیز نہیں سمجھتے۔ یہی حجابات نمازوں اور عبادتوں کے وقت آتے ہیں، بیت الخلاء میں بھی اس کا رنج رہے کہ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ یہ وقت ذکر کا تھا، پھر اللہ اس کا پھل یہ عطا فرماتے ہیں کہ عبادت عبادت نہیں لذت ہو جاتی ہے۔

اصلاح و ترقی کے لیے حیات کی بیداری ضروری ہے

ان باتوں کا درست کرنا بہت آسان ہے طبیعت میں انتظام و اہتمام کا خود مادہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ حیات بیدار ہو جائے، انسان جب جیتا ہے تو زندگی لوازمات حیات خود تلاش کر لیتی ہے جس کو ہم حیات سمجھتے ہیں وہ حیات نہیں۔ "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً"۔

حیات کے اندر حیات

اس حیات کے اندر ایک حیات ہے، بادام کے اندر

بادام ہے۔ اصل بادام گری ہے اور گری بھی نہیں اس کا روغن ہے، لیکن اس سخت چھلکے والے پوست دار بادام ہی کو بادام کہتے ہیں، مگر اصل بادام بادام کا جوہر ہے، کوئی ایسا نہیں جو بے روغن کا بادام لے آئے، پتلے چھلکے کے بادام کی تلاش ہوتی ہے جتنا بادام کا چھلکا موٹا ہوتا ہے گری ہلکی ہوتی ہے، ہلکا چھلکا بادام قوی، موٹا اور مضبوط چھلکا بادام کمزور ہوتا ہے اور لاغر جسم میں قوی روح دیکھی جاتی ہے۔ اصل چیز روح اور جوہر ہے اس کا قالب کیسا ہی ہو۔

جوہر اور روح مقصود ہے

عبادت کے جسم کی روح رضاءِ الٰہی کی طلب ہے، صحابہ کرام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (تم دیکھتے ہو ان کو رکوع و سجود کی حالت میں) یہ جسم ہوا۔ روح کیا ہے؟ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا (وہ اپنے رب کا فضل اور رضامندی ڈھونڈتے ہیں) یعنی عبادت کے بادام میں رضا کی گری تلاش کرتے ہیں۔ ہر چیز میں روغن بادام تلاش کیا جارہا ہے۔ فطرت کے مطابق ہم کبھی کھوکھلا پھل لے کر نہیں آتے۔ بچہ بوڑھا ہر مذہب کے لوگ حیات کے طالب ہیں، حیات کا اندازہ خود کرلو۔ چھلکے کی حیات پسند ہے تو اسی میں عمر گنوا کر ایک دن چلے جاؤ گے، اگر گری کی حیات پر اکتفا کیا تو بھی وہیں تک رہے۔ روغن بادام کی قدر کی تو یہی مقصود اصلی ہے اور اسی سے انسان کو تمام مخلوقات پر شرف حاصل ہو۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔

تخیلات سے احساسات کی تبدیلی

فرمایا ذہن میں جس چیز کا مفید و آرام دہ ہونا بیٹھ جاتا ہے، آدمی کو اسی میں آرام محسوس

ہونے لگتا ہے، مِل میں کام کرنے والوں کو گرمی کی سخت شکایت ہے کہ اس گرمی میں سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ وہ تمنا کرتے ہیں کہ کسی طرح ان کو اس مصیبت سے نجات ہو۔ ایک ایک دن پہاڑ معلوم ہوتا ہے لیکن اچانک اعلان ہوتا ہے کہ اب اس مل کے کام کرنے والوں کو تگنی مزدوری ملا کرے گی، مِل چھوڑ دینے کا خیال بالکل دل سے نکل جاتا ہے اور اسی میں راحت معلوم ہونے لگتی ہے۔ ایک انجکشن مل گیا سب تکان جاتا رہتا ہے، روپیہ تو اس وقت ہاتھ میں نہیں آتا لیکن یقین ہے کہ مل جائے گا، بس اس میں امرتیوں کا مزہ آنے لگتا ہے۔ یہی حالت ہے کہ ایک خدائی آواز جس میں کسی عمل کے نتیجے اور انعام کا اعلان ہوتا ہے، حوصلوں کو بلند کر دیتی ہے اور پھر تکلیف، تکلیف معلوم نہیں ہوتی۔ کہاں کا وضو میں ٹھنڈا اور گرم پانی؟ کہاں کی نیند؟ کیسا آرام؟

پُرزہ اپنی جگہ سے ہٹا لو پوری مشین بیکار

فرمایا کہ حیدرآباد میں ایک صاحبزادہ کو گلستاں پڑھا رہا تھا۔ یہ شعر آیا ؎

چہ غم دیوار اُمت را کہ دارد چوں تو پشتی بان
چہ باک از موجِ بحر آں را کہ باشد نوح کشتی بان

میونسپلٹی کے ایک افسر جن کی داڑھی منڈی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں اور نماز روزہ سے کوئی مطلب نہ تھا، کہنے لگے کہ یہ شعر مجھ کو لکھ دو میرے کام کا ہے، گویا جب ان سے نماز کا سوال ہوگا تو وہ یہ شعر پڑھ دیں گے، ایسے ہی ایک بڑے میاں بالکل تارک الصلوٰۃ تھے۔ رات کو پچھلے پہر اٹھتے اور چند شعر پڑھتے جن کا مطلب یہ تھا کہ کسی کو اپنی شکرومستی پر ناز ہے، کسی کو اپنے عمل و عبادت پر، لیکن میرے پاس دل مایوس کے سوا کچھ بھی نہیں مجھے اس سرکار میں کون پوچھے گا؟ یہ اشعار پڑھتے اور خوب روتے اور دن بھر سوتے۔ یہ

نتیجہ ہے ذہن کو درست نہ رکھنے کا۔ پرزہ اپنی جگہ سے ہٹا لو تو پوری مشین بے کار ہمارا یہ دماغ کوڑے کچرے کی گاڑی ہے، اگر اس کو کتاب وسنت اور دین کے اصول سے نہ بھرا گیا تو اس میں کوڑا کرکٹ ہی رہے گا۔

دل جہاں ہے جسم بھی وہیں ہو فرمایا کہ بہت سے لوگ ہیں جو دینی اور علمی ماحول میں ہیں لیکن حقیقت میں نہیں ہیں، شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ مسجد میں ہر بیٹھنے والے کو مسجد میں بیٹھنے والا مت کہو اور بازار میں ہر پھرنے والے کو بازار میں پھرنے والا مت سمجھو۔

چوں ہر ساعت از تو بجائے رود دل
بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
وگر مال و جاہ است و زرع و تجارت
چو دل با خدا ابست بہ خلوت نشینی

فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ ایک تختی پر اس کو لکھ کر خانقاہ میں آویزاں کردوں کہ گھر کے بچے اور آنے جانے والے دیکھتے رہیں۔ جب غم ہوتا ہے تو انسان خوشی کی مجلس میں جاتا ہے، تب بھی غم میں ہوتا ہے اور خوشی میں ہوتا ہے تو جنازہ میں بھی جاتا ہے تو خوش رہتا ہے۔ قلب میں عمل صالح کو لینے کی قوت ہے۔ اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ۔

قلب کی زندگی کی علامت قلب کے زندہ ہونے کی علامت کیا ہے؟ پہلے کی زندگی سے بے رُخی اور بے اعتنائی اور آئندہ کی زندگی کے لئے سعی وکوشش (التجافی عن دار الغرور والانابۃ الیٰ دار الخلود) سفر تو آگے ہی کا

ہے۔ سواریوں میں برابر ترقی ہے، پہلے بیل گاڑیوں پر سفر کرتے تھے، پھر گھوڑا گاڑی نکلی، پھر ریل گاڑی، پھر ہوائی جہاز، اس سے معلوم ہوا یہ سفر دلالت کر رہے ہیں عالی سفر پر، اور بتلاتے ہیں کہ تیز رفتاری، سرعت اور لطافت کی کوئی حد نہیں، یہاں تک کہ پھر جسمانی سفر سے روح کی پرواز اور اسکے اپنے منزل مقصود پر پہنچنے کا مرحلہ پیش آجاتا ہے۔

چھبیسویں مجلس

۱۹ر ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۸ر جنوری ۱۹۷۰ء یوم چہار شنبہ خانقاہ شریف

کل ۱۸ر ذیقعدہ یوم سہ شنبہ کو حسب معمول مجلس ہوئی لیکن حضرت نے زیادہ تر حیدر آباد کے قیام اور سفر حج کے حالات، مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ جانے والے قافلوں کے سفر کی صعوبتیں، بدامنی اور بدوؤں کی سفاکی اور غارتگری کے واقعات اور مدینہ طیبہ سے مراجعت کا حال سنایا جس کا بیشتر حصہ اور ضروری واقعات و ارشادات تمہیدی اور تعارفی مضمون میں آچکے ہیں۔ اسلیے ان کا یہاں اعادہ ضروری نہیں سمجھا گیا۔ مجلس بھی مختصر رہی۔ آج ۱۹ر ذیقعدہ کی مجلس کا خلاصہ درج کیا جائے گا۔

حقیقت موت کی معرفت سے موت کی وحشت جاتی رہتی ہے

آپ نے طاعون سے بیمار ہونے اور اس کی شدت و کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کی اصل عدم ہے، اس کی ہستی عارضی ہے۔ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا لیکن انسان اپنی اصل (عدم) کی طرف راجع ہونے سے متوحش ہوتا ہے کیوں؟ سیئات کی سزا کا خوف کرب و نزع کا ڈر، لذات دنیا سے جدا ہونے کا خوف، اعزا سے جدائی کا صدمہ، اگر انسان اس اصل پر قائم رہے کہ یہاں کی ہر شے وہاں کا عکس ہے۔ بقول عارف شیرازی ؎

ما در پیالہ عکس رخِ یار دیدہ ایم

اے بے خبر ز لذّتِ شرب مدامِ ما

اس کے بعد حضرت نے ایک تحریر سنوائی جو بیماری سے افاقہ کے بعد نقاہت کی حالت میں لکھی تھی اور بڑے حضرت (حضرت پیر ابُو احمد صاحبؒ) نے اس کو سن کر بہت پسند فرمایا تھا۔ یہ تحریر چونکہ موت کی نہایت عارفانہ تشریح اور اسکے نعمت عظمیٰ ہونے کے بیان میں نہایت بلند پایہ اور محققانہ، شوق انگیز اور روح پرور ہے اور اس کی اشاعت نہیں ہوئی اس لئے بجنسہٖ اس موقع پر درج کی جاتی ہے۔

موت سے وحشت اور اس کے اسباب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥" ترجمہ:۔ فرما دو اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم "موت وہ ہے جس سے تم بھاگتے ہو پس وہ تم سے ملتی ہے، پھر لوٹائے جاؤ گے تم اس کھلا اور چھپا جاننے والے کے پاس، پھر جتا دے گا تم کو جو کرتے تھے۔

انسان کی اصل عدم ہے اس کی ہستی عارضی ہے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْكُوْرًا ٥ ہر شے اپنی اصل کی طرف راغب ہوتی ہے۔ برخلاف انسان کے کہ وہ اپنی اصل سے بھاگتا ہے ٥

ہر کسی کو دور ماند از اصل خویش

باز جوید روزگار وصل خویش

ناس کو نسیان سے مشتق کہتے ہیں۔ چونکہ انسان بھولنے والا ہے اس لئے اپنی اصل کو

بھی فراموش کیا۔ اصل سے غافل ہو کر فروع میں مشغول ہوا، عوارضات سے غافل ہو کر جوہر سے غافل ہوا، اب اس کی یاد دہی کو خلاق عالم ارشاد فرماتے ہیں کہ تجھ کو اپنی اصل کی طرف بازگشت ضروری ہے، گو اس سے فرار ہونا چاہتا ہے مگر وہ ملنے والی چیز ہے۔

سوال :۔ موت سے انسان کیوں گھبراتا ہے ؟ اس لئے کہ دوست، آشنا عزیز و اقارب کو جدا کرنے والی، لذات دنیا کو منہدم کرنے والی یہی چیز ہے۔ سیئات کی سزا کا خوف کرب و نزع کا ڈر رہتا ہے۔

موت اشتیاق و استقبال کی چیز ہے

جواب :۔ اگر اس اصول پر بھی انسان قائم رہے تو موت سے نہ بھاگے، بلکہ رغبت کرے، جب دوستوں عزیزوں سے محبت ہے اور ان کی جدائی شاق ہے تو جن کو یہ بطور مثال و نمونہ دیکھا کرتا ہے درحقیقت ان کی ہمدردی و رفاقت عکس ہے کسی دوستی و مودت کا، ان کا چہرہ آگاہ کرنے والا ہے صفت بیچون کا ان کے افعال ظل ہیں فعل الٰہی کے.... تو ظل پر مائل ہونا کار عقلاء نہیں ؎

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

ہر لذت دنیا میں بطور مثال ہے بلکہ دنیا خود مثال ہے کہ جس کی اصل عدم محض ہے یہاں کے فواکہ یاد دلانے والے فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۝ کے ہیں...... یہ حسینان جہاں وَحُوْرٌ عِيْنٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُوءِ الْمَكْنُوْنِ ۝ سے، غرض ہر نیک و بد اس عالم کا نظیر اس جہاں کی ہے، جبکہ ہم کو اچھے کھانے، خوش لباسی، جمیل منظری پسند ہے تو کیوں ان تمام کے اصل سے غافل رہ کر باطل اور فروغ کی طرف راجع رہیں ؟ اب یہ خوف کہ

تکلیف نزع اور سزا سیئات ؟ . . . یہ خود پیدا کردہ مصیبت ہے اس کے لئے چشم پرمعصیت سے آب خجالت بہانا اور کثرت استغفار اور اجتناب معاصی و محبت سید الثقلین علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام علاج ہے جب انسان ان امور پر کاربند رہے گا تو اس کو اپنے اصل کی طرف کشش ہو کر یہ جانے گا کہ "موت" انسان کے مِس وجود کے لئے اکسیر اعظم سے کم نہیں ؎

موت جسر موصل آمد سوئے یار
مرگ را آمادہ باش اے ہوشیار

ایں چہ خوش باشد کہ سوئے شہ روم
واصل درگاہ آں بیچوں شوم

وقت آمد کز جہانِ بے کسی
پائے کوباں سوئے بام او رسی

جب تک ہماری نظروں سے حقیقت اشیاء پوشیدہ ہے ہم ہر شے کو باطل تصور کر کے اپنی بینائی چشم بصیرت کو زائل و ضائع کر رہے ہیں جب کہ فضل خدا شامل حال ہوتا ہے عالم بصورت علم ظاہر ہو کر ہر شئے سے بہترین سبق حاصل ہوتا ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقِ دفتریست از معرفت کردگار

نظر آنے والی ایک شئے، ناظر بے شمار، ہر ایک کی کیفیت سے ادراک کر کے نئے طریقہ کا ذوق حاصل کرتا ہے ؎

اے رشک بہار در ہوائے کویت
ہر سو رفتیم ہمہ گزشتیم سُویت

از ہر گل ایں باغ بہ چندیں صورت
دیدیم روئے تو شمیدیم بویت

متوحش اور مجتنب ہونے کی چیز تو معاصی ہیں، ہم اس میں شیر و شکر ہو کر ایسی چیز سے محترز ہوتے ہیں جو لابد ہم سے ملنے والی ہم کو صعوبات دنیا سے نجات دینے والی اور ہماری انتہائی مرادات پر پہنچانے والی شے ہے۔ ہم کو اس رفیق اعلیٰ سے ملانے والی چیز ہے جو ہر مصیبت میں ہمارا شریک اور معاون رہا اور ہے، ایسے دوست سے کون بھاگے گا جس کو ہر قسم کی مدد کا اختیار اور ہر طرح ہماری بھلائی پر تیار ہے اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ؕ حیف صد حیف جس کی دوستی لازم تھی اس سے بھاگے، جس کی مصاحبت مضر ہے اس سے ہم قرین ہیں، پھر ذوی العقول ہونے کے مدعی ہیں، عقلاء کا کام تو خود ان امور کو سمجھنے کا ہے مگر واقف کرنے اور ڈرانے پر بھی دشمنوں کی خاطر دوستوں سے اجتناب ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۙ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِیْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ؎

یکے را کہ دانی کہ خصم تو اوست
نہ از عقل باشد گرفتن بدوست

یہ ضروری اور یقینی امر ہے کہ ایک روز ہادم لذات اس امانت الٰہی کو روز معین پر لے جاویں گے۔ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ؕ تو یہ اولیٰ ہے کہ قبل طلبی جان نثاری پر تیار ہو جاوے ؎

ایں جان عاریت کہ بہ حافظ سپرد دوست
روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ غیروں پر جان دیتا ہے اگر جان آفرین پر فدا ہو تو کیا حرج ہے ؎

چو بیشک نبشت است بر سر ہلاک
بدست دلآرام خوشتر ہلاک

بہت مسرت کا دن ہے اس نمک حلال و حق شناس کے لئے کہ جب اس کا مالک جان فدائی کا حکم دے ؎

بہ روزے بہ بیچارگی جاں دہی
پس آں بہ کہ در پائے جاناں دہی

جو اس جہاں میں موانست خدائے تعالیٰ سے پیدا کرتا ہے اس پر دنیا کا وداع کرنا دشوار نہیں ہوتا بلکہ اس کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سر خود نہادہ برکف
بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

صد ہزار حیات قربان ایسی ممات پر جو بامید لقائے دوست جان دی ہو۔

مکن گریہ بر گور مقتول دوست
برو خرمی کن کہ مقبول اوست

کوئی امر باتوں اور دعووں پر پورا نہیں ہوتا جب تک سر نیاز آستانِ بے نیازی پر رکھا نہ جاوے قول و فعل قابل قبولیت نہیں ؎

بزرگی بناموس و گفتار نیست
بلندی بدعوی و پندار نیست

قیامت کسے بینی اندر بہشت
کہ معنی طلب کرد اندر بہشت

تمام امور کا قیام جوہر اسلام پر ہے جبکہ یہ مستحکم اور استوار ہو تو کل عوارضات کامل و مکمل ہو جاتے ہیں۔ اسلام بسر نہادن یعنی سر فروشیدن ۔ آیت کریمہ سے واضح ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃ ۔ دعوی اسلام کے ساتھ ہی ہماری جان اور مال اللہ تعالیٰ کا ہو چکا ۔ ہم کو کسی قسم کا تصرف اپنے اختیار سے اس میں بجا نہیں، بیع شدہ چیز میں بائع کا کچھ اختیار باقی نہیں، شاہی باغ کا میوہ بادشاہ کی نذر کو باغبان لے جاتا ہے، اس پر انعام پاتا ہے ۔ خداوند کریم کی جان و مال اگر اسی کو نذر کر دیا جاوے تو ہماری کمال حیات اور ترقی اور انتہائے مرادات ہے ۔ خداوند تعالیٰ عقل سلیم عطا فرماوے ۔ جو اعمال قابل عمل ہیں سانس کی آمد و شد تک ان میں اختیار باقی ہے ۔ بعدۂ سوائے افسوس دوسرا چارہ و یارہ نہیں ؎

کنوں باید ایں مرغ را پائے بست
نہ وقتیکہ سر رشتہ بردت ز دست

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَم بِجَاہِ نَبِیِّکَ الْکَرِیْمِ عَلَیْہِ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالتَّکْرِیْم ۔

بندہ و مامور بن کر طبعی تقاضوں کو پورا کرنا تقرب کا بہترین ذریعہ ہے

فرمایا پرسوں میں نے جو نکاح اور کھانے کی حقیقت بیان کی تھی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بندہ یہ سب طبعی تقاضے بندہ

اور مامور من اللہ ہو کر پورے کرے اور اسکے اخروی منافع اور شرعی فضائل سامنے ہوں تو وہ خالص عبادت اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ ہے اور ان میں نفس کا کوئی حصہ اور خواہش و لذت طلبی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ بطور تمثیل ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ دریا کے کنارے پر رہتے تھے، دوسرے بزرگ دوسرے کنارے پر، ایک بزرگ نے جو متاہل اور صاحب اولاد تھے اپنی بیوی سے کہا کہ کھانے کا ایک خوان لگا کر دریا کے دوسرے کنارہ جو بزرگ رہتے ہیں، ان کے پاس لیجاؤ اور ان کو کھانا کھلا کر آؤ۔ بیوی نے کہا کہ دریا گہرا ہے، میں اسکو کس طرح پار کر کے دوسرے کنارے جاؤں گی۔ فرمایا کہ جب دریا میں قدم رکھنا میرا نام لے کر کہنا کہ اگر میرے اور میرے شوہر کے درمیان وہ تعلق ہوا ہو جو زن و شوہر میں ہوا کرتا ہے تو مجھے ڈبو دے ورنہ میں پار ہو جاؤں، اس نے یہی کہا، یہ کہنا تھا کہ دریا پایاب ہو گیا اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں وہ دریا کے پار ہو گئیں، انھوں نے کھانے کا خوان ان دوسرے بزرگ کو پیش کیا، انھوں نے اس کو اکیلے تناول فرمالیا۔ جب واپس ہونے کا وقت ہوا تو ان کو فکر ہوئی کہ آنے کا وظیفہ تو مجھے معلوم ہو گیا تھا، اب جاتے وقت کیا کہوں، ان بزرگ نے ان کی پریشانی دیکھی تو ان سے دریافت کیا، انھوں نے کہا کہ میں دریا سے کس طرح پار ہوں؟ انھوں نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ دریا کو کس طرح پار کیا تھا؟ انھوں نے کہا کہ میرے شوہر نے مجھے یہ ہدایت کی تھی کہ میں اس طرح کہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ اب جانا تو میرا نام لے کر کہنا کہ اس نے ایک لقمہ بھی کھایا ہو تو میں ڈوب جاؤں ورنہ پار ہو جاؤں، چنانچہ وہ پار ہو گئیں۔ اب انھوں نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ آپ نے صاحب اولاد ہو کر خلاف واقعہ بات کیوں کہی اور ان بزرگ نے آنکھوں کے سامنے کھانا تناول کرنے کے باوجود ایک لقمہ بھی کھانے سے انکار کیوں کیا؟ تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ کیا امر الٰہی سے کیا اپنے نفس کی خواہش سے نہیں کیا اور انھوں نے جو کچھ کیا وہ امر الٰہی سے کیا، نفس کا اس

میں کوئی حصہ نہ تھا اور دنیا جو کچھ کرتی ہے اور جس کا رواج ہے وہ نفس کے تقاضے کو پورا کرنا ہے امر الٰہی پیش نظر نہیں ہوتا، اسلئے دنیا جس کو ازدواجی تعلق شکم پروری اور ناؤ نوش سمجھی ہے ہم دونوں میں سے کوئی اسکا مرتکب نہیں ہوا۔

مضطرب اور متوحش کرنے والی چیز معاصی ہیں۔ موت تو وصال کا ایک ذریعہ ہے

فرمایا کہ یہاں کے فوائد وہاں کے فوائد کو یاد دلاتے ہیں۔ یہاں کا حسن وجمال وہاں کے حسن وجمال کا ایک ہلکا سا عکس ہے۔ ہم دھوکے میں ہیں۔ ہم نے دنیا کو دیکھا، انھوں نے خالق کو دیکھا، متوحش اور مضطرب کرنے والی چیز معاصی ہیں، موت تو وصال کا ایک ذریعہ ہے۔ حافظ نے خوب فرمایا ہے ؎

این جان عاریت کہ بہ حافظ سپرد دوست

روزے رخش بہ بینم وتسلیم مے کنم

یہی حقیقت ہے فرمایا گیا یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔

حقیقتاً بڑی مسرت کا دن ہے جب مالک بلائے، سپاہیوں میں نام ہو اور لڑائی سے منھ چرائے؟ پھر سپاہیوں کے بجائے طبلچیوں میں نام ہونا چاہیئے۔ میں حیدرآباد میں تھا جب ٹرانسوال ایک فوجی دستہ بھیجا جارہا تھا، بینڈ ایسی لے سے بج رہا تھا کہ میدان جنگ میں کود پڑنے کو جی چاہتا تھا۔ سپاہی جوش میں آآکر قدم پٹکتے تھے۔ جو اُس جہاں سے یگانگی پیدا کرلیتا ہے وہ بخوشی بے گانوں کو چھوڑ کر یگانوں میں جا ملنا چاہتا ہے" اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ" بلکہ ہتھیلی پر سر رکھے ہوئے صیاد کے انتظار میں کھڑا رہتا ہے کہ آئے اور سرفراز کرے ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف ۔۔۔ بامیدآں کہ روزے بشکار خواہی آمد

تمام مراتب عالیہ اسلام کے تحقق اور پختگی کا نتیجہ ہیں

فرمایا کہ تمام امور کا دارومدار اسلام پر ہے، تصوف، معرفت، حقیقت، سب اسلام کے بچے ہیں جب اسلام پختہ ہو تو ولایت صغریٰ کبریٰ قبولیت وغیرہ خود بخود اپنے اپنے وقت پر ہو جائے گی۔ لکھنؤ کے ایک دوست نے لکھا کہ آج کل فلاں مراقبہ کر رہا ہوں، میں نے لکھا کہ اسلام کا مراقبہ کرو، جب خدا نے جان و مال خرید لی ہے تو اب ہم کو تصرف کا حق نہیں "اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ"۔

خود ہی مالک خود ہی مشتری

لیکن عجب بندہ نوازی ہے کہ جو چیز ان ہی کی ملکیت ہے اسی کو خرید رہے ہیں اور اس پر انعام دے رہے ہیں۔ شاہی باغ کا مالی پھل اور پھول ڈالی میں لگا کر بادشاہ کے سامنے پیش کرتا ہے، یہ سب پھل پھول اسی کے باغ کے ہیں اور مالی کو تنخواہ بھی اسی سرکار سے ملتی ہے، لیکن انعام سے نوازا جاتا ہے۔

دنیا طلب بھی مجذوب ہوتے ہیں

فرمایا کہ انسان دنیا کو حاصل کرنے میں بھی مجذوب الفطرت ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے لئے ایسی ایسی مصیبتیں نہ اٹھاتا، حکیم سلطان محمود صاحب کے جوان صاحبزادے بیمار تھے، کزاز کا مرض تھا۔ میں ہی دیکھ بھال کرتا تھا۔ سخت دورہ پڑتا تھا، بالآخر اللہ نے صحت دی۔ افاقہ ہوا تھا کہ انگریزی امتحان کی تیاری شروع کر دی، میں نے کہا ابھی بیماری سے اٹھے ہیں اور مرض سخت ہے، محنت سے مرض کے عود کر جانے کا اندیشہ ہے، حکیم صاحب نے فرمایا کہ بچہ مانتا نہیں، اصل بات یہ ہے کہ دنیاوی منافع سامنے تھے، امتحان

دیا اور مرض کا حملہ ہوا اور جانبر نہ ہوئے۔ یہ کیا جذب کی علامت نہیں۔ ایک صاحب اقتدار آدمی موتی مسجد میں آئے، لوگ مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں کہ ان کے یہ یہ اختیارات ہیں اور ایسا حلیہ ہے، ایسا لباس ہے، بڑی باریک باریک باتیں اور چھوٹی چھوٹی جزئیات لوگوں کو یاد رہتی ہیں، یہ کیا ہے؟ یہ عشقِ دنیا کا نتیجہ ہے۔ یہی عشق صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے تھا۔ یہاں تک تفصیل بیان کرتے ہیں کہ التحیات پڑھنے میں آپ کی انگلیاں نہ زیادہ سمٹی ہوئی تھیں اور نہ زیادہ پھیلی اور اس کی تصویر کھینچ کر بتاتے ہیں، جس کے دل میں غیروں کی عظمت ہو تو اللہ کی عظمت کہاں آئے گی؟ ..... میرے ایک سسرالی عزیز نے جو سن رسیدہ تھے لکھا کہ میرے چار بیٹے ہیں اور چاروں برسرِ کار، صاحب اقتدار، مجھے کسی بات کی تکلیف نہیں لیکن جی چاہتا ہے کہ کوئی معاشی مشغلہ ہو اور کہیں کوئی کام مل جائے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ آپ نے چار زینوں کا ذکر کیا، چھت کا ذکر نہیں کیا، زینے سے تو آرام نہیں ملتا، انسان زینے پر نازاں ہے اور چھت کی فکر نہیں کرتا۔ وسائل پر نظر ہے، اور مقصد نظر سے اوجھل۔

ستائیسویں مجلس

۲۰ر ذلقیعدہ ۱۳۸۹ھ ۲۹ر جنوری ۱۹۷۰ء روز پنجشنبہ۔ خانقاہ شریف

مخصوص حاضرین:۔ مولانا حافظ محمد عمران خانصاحب، مولانا ریاست علی خانصاحب، ڈاکٹر رفیع الدین صاحب ناگپوری وغیرہ وغیرہ۔

بڑھاپا (روحانی) جوش اور رعنائی کا زمانہ ہے نہ کہ اضمحلال اور افسردگی کا

حیدر آباد کے زمانۂ قیام کے ایک واقفکار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ یہاں آئے بوڑھے نظر آتے تھے، مجھے ان کی نوعمری یاد تھی، فرمایا جس کو کچھ زمانہ کے بعد دیکھا بوڑھا دیکھا، یہ نوجوان ہونے کا وقت ہے، جذبات کے مشتعل ہونے کا وقت ہے، میں جوانوں سے کہتا ہوں کہ تم میں تو بڑے جذبے تھے، اگر یہ جذبات صحیح مقاصد کے لئے صرف ہوتے تو رنگ لاتے۔ قاعدہ ہے کہ (پست و عارضی) مقاصد کے حصول و تکمیل کے بعد جذبات سرد ہو جاتے ہیں، مقصد جتنا بلند ہوتا ہے اس پر پہنچنے کے لئے وسائل اور خارجی چیزیں آدمی راستہ میں چھوڑ جاتا ہے تاکہ ہلکا ہو کر اپنے مقصد اور ہدف پر پہنچے، جو لوگ چاند پر گئے تھے وہ باری باری سے ایک ایک راکٹ فضا میں چھوڑتے گئے۔ آخر تک صرف ایک ہی راکٹ رہ گیا۔ یہی حال جسمانی کثافتوں اور خارجی اجزاء کا ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

پرواز فطرت ما در دام بال می زد
آزاد کردہ فضلش از ہر قیود ما را

ان قیود کو پھینک کر دوسرے قیود کو مدنظر رکھتے ہیں، میں نے کلکتہ کا قصہ سنایا تھا کہ ایک مکان میں ایک پنجرہ میں مینا بند تھی کچھ مینائیں اڑتی ہوئی وہاں سے گزریں انھوں نے آواز لگائی، یہ مینا پنجرہ میں پھڑپھڑانے لگی، وہ اتنے دن پنجرہ میں رہنے کے باوجود پنجرہ سے مایوس نہیں ہوئی تھی۔ میں بہت پھڑکا، دوسرے گھر کی بات تھی، اگر موقع ہوتا تو میں دروازہ کھول دیتا اور کہتا کہ جا تیرے لئے بہت فضا ہے، کاشکہ اس فضا کی چاٹ ہم کو لگ جائے تو دام خود برا دکھنے لگے۔ جس کو یہ آواز آجاتی ہے اس کو یہ دام اور یہ قیدخانہ برا لگنے لگتا ہے ؎

پرواز فطرت ما در دام بال می زد آزاد کردہ فضلش از ہر قیود ما را

اسی کو فرمایا گیا ہے یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ یہ وہ پر ہیں جن سے آدمی اسفل السافلین سے اٹھ کر اعلیٰ علیین تک پہنچتا ہے یہ ایمان اور عمل صالح کے دو پر ہیں ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

فرمایا چاہیئے تو یہ کہ آج کا یقین کل کے یقین سے بڑھا ہوا ہو، اسلئے بڑھاپے میں جوانی سے زیادہ تازگی و رعنائی اور جذبہ و جوش ہونا چاہیئے۔ یہی دل کی وہ شاخ ہے جس کو باد خزاں[1] بھی خشک نہیں کر سکتی۔ شاعر نے خوب کہا ہے ؎

چلی سمت غیب سے اِک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا + مگر ایک شاخ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

---

[1] یہ شعر میر سراج الدین سراج اورنگ آبادی کی ایک نہایت دلپسند غزل کا ہے جو (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

موت سے وحشت کوتاہ نظری ہے فرمایا کہ موت کا صدمہ اور اس سے وحشت کوتاہ نظری پر مبنی ہے۔ بچوں کے کپڑے اتار دو تو منہ بناتے ہیں اور روتے ہیں، ان کو خبر نہیں کہ یہ کپڑے اس لئے اتارے جا رہے ہیں کہ اس سے اچھے کپڑے پہنائے جائیں۔ عید کے دن بچوں کے کپڑے اتارتے اور نہلاتے ہیں تو کس قدر روتے ہیں، عید کا جوڑا اسکے بغیر نہیں پہنایا جا سکتا۔

مصاحبین خاص سے نماز پڑھنے کا طریقہ سیکھنا چاہیئے یہاں مبارک علی صاحب نواب صاحب کے خاص مصاحب اور معتمد تھے، جب نواب صاحب کے پاس جانے لگتے تو اپنی مونچھیں ٹھیک کرتے، لباس کا پورا اہتمام کرتے، بوٹ کی ڈوریوں میں جو تھوڑا سا فیتل لگا ہوتا ہے، اگر اس کی قلعی اتر گئی ہوتی تو ڈوریاں بدلتے، ہم کو ان سے خدا کے سامنے حاضر ہونے اور نماز پڑھنے کا طریقہ آگیا، حالانکہ ان کے اعلیٰحضرت کو ایسی ایسی چھوٹی اور باریک باتیں نہیں دکھتی تھیں مگر ہمارے اعلیٰحضرت کو سب کچھ دکھتا ہے اور باریک سے باریک چیز ان کے سامنے ہوتی ہے، یہ اس وجہ سے کہ نماز کے پہلے رذائل سے جو تخلیہ و تنقیہ ضروری ہے وہ ہم نے نہیں کیا۔ بعض وقت بری بات اچھی کی طرف رہبری کر دیتی ہے، یہی حال استنجے اور قضائے حاجت کا ہے کہ اس سے عبادت کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور آدمی یکسوئی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ
اردو کی بہترین غزلیات میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ سراج عہد عالمگیری کے شعراء میں سے تھے۔ ۱۱۷۷ھ میں وفات پائی۔ اصل مصرعہ یوں ہے ع مگر اک شاخِ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی۔ حضرت نے اس میں لطیف تصرف سے کام لیا ہے۔

اس عالم میں بہت سی چیزیں حقیقت کیخلاف نظر آتی ہیں

فرمایا اس عالم ظاہری میں کوئی گورا نظر آتا ہے کوئی کالا، کوئی خوبصورت کوئی بدصورت، لیکن جو یہاں گورا اور خوبصورت نظر آتا ہے وہ اپنے عقائد و اخلاق کی بنا پر اعیان ثابتہ اور عالم مثال میں کالا اور بدصورت ہو۔ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کالے سمجھے جاتے ہیں، تم کو خبر نہیں کہ وہ بہت گورے ہیں۔ ابوجہل سرخ و سفید اور خوبصورت نظر آتا تھا، جی نہیں وہ بہت بدصورت اور سیہ فام ہے۔

مساجد کو زیادہ زیب و زینت کی ضرورت نہیں

اللہ کے گھر اور مسجدوں کو ظاہری آرائش اور تیز روشنی کی ضرورت نہیں، ان میں خود نور اور رونق ہے، اللہ تعالیٰ سلاطین سابقہ کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے خانۂ کعبہ پر حریر و دیبا کے پردے نہیں ڈالے، سیاہ غلاف ہی اس پر چڑھائے، مسجد میں روشنی کے لاڈ لگے تو مجھے پسند نہیں آیا۔ میں نے کہا ان روشنیوں سے وہ چراغ بجھ جاتا ہے۔

کبھی کسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش کے لئے چراغ جلانا نہیں بجھانا پڑتا ہے، اگر کسی کی ہیرے کی انگوٹھی رات کو گر گئی ہو تو اس کو تلاش کرنے کے لئے چراغ کو بجھانا مفید ہوتا ہے کہ وہ اندھیرے میں چمکے اور نظر آجائے، ہم نے جو باطنی چراغ جلایا ہے اس سے دیکھنا چاہیئے یہ قمقمے تو برکات سے بالکل اندھا کر دیتے ہیں۔ کئی سو روپے تقریبوں میں روشنی پر صرف ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ محض اسراف اور تبذیر ہے۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۔ یہ روشنی تو دیوالی میں اور زیادہ ہوتی ہے تو پھر کیا دیوالی اچھی ہے۔

لاؤڈ اسپیکر پر اذان کی مضرتیں

یہاں ایک مسجد میں لاؤڈ اسپیکر لگا، اس پر اذان ہونے لگی، اگر وہ بند کر دیا جائے تو دین کی اہانت ہوئی یا نہیں؟ اگر ایسا حکم دیا جائے تو ماننا ہی پڑتا ہے تو ایسی بات کیوں کرے جس سے ہٹنا پڑے

لاؤڈ اسپیکر جہاں لگانا تھا وہاں نہیں لگا یا یہ دماغ تو کچرے کی گاڑی ہے، اس میں ہر گندی اور مردار چیز پڑی ہوئی ہے، اس کچرے کی گاڑی میں اگر تھوڑا سا عطر بھی ڈال دیا گیا تو سوائے اس کے کہ بدبو تیز ہو جائے کوئی فائدہ نہیں، افسوس ہے کہ مسلمان جذبات میں آسانی سے بہہ جاتے ہیں۔ عقل سے کام نہیں لیتے، مسلمانوں کی اسی جذباتیت اور بے عقلی سے کئی مرتبہ اسلام اور مسلمانوں کی توہین کے واقعات پیش آئے اور ناکردہ گناہ مسلمان بھی مارے گئے۔

متکبرین سے کام لینے اور ان کی اصلاح کا طریقہ

فرمایا کہ جس شخص کے دماغ میں فرعونیت بھری ہوئی ہو اور وہ اپنے کو برسر حق اور مختار مطلق سمجھتا ہو اس سے اگر کوئی کام کرانا ہو یا اس کو کچھ سمجھانا ہو تو اس کو غلط کار بتلانے اور اسکی غلطیاں گنانے سے کام نہیں چلے گا۔ بعض اوقات اپنے کو خطاوار ماننے سے ایسا کام چل جاتا ہے جو بڑے بڑے دلائل اور دستاویزوں سے نہیں چلتا، یہاں ایک رئیس نے ایجنٹ گورنر جنرل کو اپنی ایک حقیقت کے اثبات کے لئے بار بار درخواستیں دیں ہر بار نامنظور ہوئیں۔ ایک بار مجھے دکھایا۔ میں نے کہا آپ تو حاکم کو مورد الزام قرار دیتے ہیں پھر اسی سے کام نکلنا چاہتے ہیں، آپ یہ لکھیے کہ مجھ سے اس وقت تک بھی غلطیاں ہوئیں اور آئندہ بھی ہوں گی، چنانچہ انھوں نے اسی طرح کا مضمون لکھا اور برسوں کا اٹکا ہوا کام فوراً ہو گیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو فرعون کے پاس جاتے ہوئے ہدایت فرمائی تھی کہ وہ اس کی نصیحت کے لئے نرم اور میٹھی زبان استعمال فرمائیں "فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى"۔ شیخ سعدی نے کہا ہے ؎

اگر شہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پروین

حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس براہین ساطعہ اور دلائل قاطعہ تھے اور معجزات الگ، ایک عصا ہی ایسا تھا جو اژدھا بن جاتا تھا اور فرعون کو نگل سکتا تھا۔ "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ" لیکن ان سب کے باوجود ان کو "قول لین" کا حکم دیا گیا۔

خوشی اور غم کے اظہار کا اسلامی طریقہ | فرمایا ایک سمرنا کی فتح پر مسلمانوں نے ایسا چراغاں کیا تھا اور ایسا جشن منایا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کوئی بڑی سلطنت ہاتھ آئی، یہ سب سُبک سری اور تُنک ظرفی کی باتیں ہیں۔ مسلمانوں کو خوشی ہوتی تو مسجد میں جمع ہو جاتے اور دعا کرتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے۔ ترکی کے متعلق پریشان کن خبر آجاتی تو والد صاحب فوراً ختم کا اہتمام فرماتے۔ غیر معمولی ختم ہوتا، سب مخلصوں کو بٹھا کر ختم اور دعا کراتے۔ یہی اسلامی طریقہ ہے۔

قرآن مجید کا مطالعہ خالی الذہن اور طالب حق ہو کر کرنا چاہیئے | فرمایا کہ حکیم ابو حبیب صاحب کو مکتوبات امام ربانی سے بے حد شغف اور اس پر بہت زیادہ عبور تھا، ہر چیز مکتوبات سے نکال لیتے تھے۔ وہ قرآن شریف کو بھی مکتوبات کی روشنی میں دیکھتے تھے، میں مکتوبات کو قرآن شریف کی روشنی میں دیکھتا ہوں اور اسی طرح ہر چیز کو قرآن ہی کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے۔ ع

جو پڑھا لکھا تھا نیازؔ نے اسے صاف دل سے بھلا دیا

قرآن شریف کے سامنے بالکل جاہل ہو کر آئے، ریاضی منطق وغیرہ سب کو بالائے طاق رکھ دے اور پھر بھیک کا ٹکڑا مانگے۔

بندہ نوازی کا ایک عجیب نمونہ وَاِنَّا لَـــہٗ کاتِبُوْن | فرمایا ان کی رحمت کا دامن وسیع ہے۔

ہر ایک کو اپنے دامن سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ "وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ كَاتِبُوْنَ" فرماتے ہیں "وَاِنَّا لَهٗ كَاتِبُوْنَ" ہم اس کے لکھنے والے ہیں۔ جو کام ہمنشیوں اور کراماً کاتبین کا تھا وہ خود کر رہے ہیں۔ اگر ہمارے اندر ایمان ہو تو ہم اس عزت افزائی اور ذرہ نوازی پر لوٹ جائیں۔

فرمایا حیدرآباد میں ایک انگریز افسر تھا جس کا نام واکر تھا۔ حیدرآباد میں اسی کا حکم چلتا تھا، سب امراء، وزراء اس سے دبتے تھے۔ ظفر علی خاں اسی کی وجہ سے حیدرآباد سے نکالے گئے۔ انھوں نے ایک شعر کہا تھا ؎

نہ بنگالی سے گھبراؤ نہ مدراسی سے کھٹکا کر
مگر سجدے میں جھٹ گر جا نظر آجائے گر واکر

حیدرآباد میں ہمارے ایک دوست عثمان میاں تھے، واکر ان کے خاندان کو بہت مانتا تھا، ان کے یہاں پولیس کا ڈریس تیار ہوتا تھا، عثمان میاں نے نوکری کے لئے درخواستیں دیں، منظور نہ کی، کہا کہ تم کچھ پاس نہیں ہو، میں خلاف قانون نہیں کر سکتا، انھوں نے مجھ سے شکایت کی، میں نے یا عزیز کا چلہ بتا دیا، قسمت کی بات وہ ایک دن درخواست لے کر پہنچے اس انگریز کے یہاں لڑکا نہیں ہوتا تھا، بڑی تمنا تھی، اسی دن اس کے یہاں فرزند تولد ہوا تھا، بہت خوش تھا، ان پر نظر پڑی کہا کیا درخواست لائے ہو؟ انھوں نے درخواست پیش کی، اس پر لکھ دیا کہ اول درجہ کی امینی (تھانیداری) پر تقرر کیا جائے، بیچارے دبلے پتلے اور کوتاہ قامت تھے۔ تھانیداری کے لئے سجتے نہیں تھے، لوگوں نے کہا کہ عملہ مخالف ہے، تمھارا تقرر باقی نہیں رہ سکے گا، ایسا ہی ہوا کہ عملہ نے بہت مخالفت کی، واکر کے سامنے بہت دلائل دیئے کہ یہ جسمانی وجاہت اور ڈیل ڈول بھی نہیں رکھتے، کچھ پاس بھی نہیں ہیں، مگر

اس نے کہا میں اپنے لکھے کو نہیں کاٹوں گا، چنانچہ انھوں نے تھانیداری کی، جب پولیس کے اونچے اونچے جوان ان کے سامنے کھڑے ہوتے تو عجیب منظر ہوتا۔ تو جب ڈاکٹر صاحب اپنا لکھا ہوا نہیں کاٹ سکتے تو وہ احکم الحاکمین کیسے کاٹ دیگا؟ "فَاِنَّا لَہٗ کَاتِبُوْنَ"

عبادات و اعمال کے نتائج دیکھ کر انسان کی بےخودی و ازخود رفتگی

فرمایا حیات تو بڑی چیز ہے منٹ دو منٹ کی بھی مل جائے تو بڑی نعمت ہے: بچپن میں بڑی بوڑھیوں سے دیوار قہقہہ کا قصہ سنا تھا کہ ایک بڑی اونچی دیوار ہے جس کے پیچھے پریاں رہتی ہیں، جب کوئی شخص جھانک کر دوسری طرف دیکھ لیتا ہے تو قہقہہ لگا کر دوسری طرف پھاند پڑتا ہے اور وہیں کا ہو رہتا ہے، جب کچھ پڑھا لکھا تو سمجھے کہ یہ سب افسانہ ہے، پھر جب کچھ اور پڑھا لکھا اور سمجھ آئی تو معلوم ہوا کہ حقیقت ہے، معاصی کی دیوار ہمارے سامنے کھڑی ہے اور دوسری طرف نیک اعمال عبادات و تسبیحات کی پریاں (اس کا اجر و ثواب) ہیں جب آدمی کی نظر ان پر پڑتی ہے تو بے اختیار جست لگا کر اس عالم میں پہنچ جانے کا جی چاہتا ہے۔ کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

ان مچھلیوں سے جو خشکی میں تڑپ رہی ہیں پوچھو، قبرستان میں جا کر دیکھو، سعدی فرماتے ہیں۔ لوگ ایک جنازے پر کپڑے پھاڑ رہے تھے، ایک بزرگ نے کہا کہ یہ (مردہ) تمھارے حال پر کفن پھاڑ رہا ہے کہ تمھارے قابو میں زبان ہے اور تم اسکے صحیح استعمال کر کے آخرت کا ذخیرہ جمع نہیں کرتے، مردے بھی یہی کہتے ہیں کہ یٰوَیْلَنَا قَدْ کُنَّا فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا بَلْ کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ٥ (ہائے ہماری بدبختی ہم اس دن اور اس عالم سے بالکل غافل تھے بلکہ ہم نے اپنے

کو برباد کیا)

خدا سے غفلت موت ہے اور استغفار حیات کا انجکشن ہے

فرمایا حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ مُصلّے پر ان کے دونوں طرف دو بلّیاں بیٹھی رہتی تھیں، ایک صاحب حضرت کی زیارت و ملاقات کے لئے بغداد گئے، دیکھا کہ دو بلّیاں کھڑی ہوئی باتیں کر رہی ہیں "بایزید تو مر گیا۔ اب سڑے گا گلے گا (بلیوں کا بات کرنا تعجب خیز نہیں، میں کسی وقت آپ کو بتاؤں گا۔ قطب وغیرہ بھی سنتے ہیں، ہم آپ بھی سنتے ہیں) غرض وہ صاحب جامع مسجد پہنچے اور دریافت کیا کہ حضرت بایزید کا مزار کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو، حضرت کے متعلق ایسی باتیں کرتے ہو، حضرت تو حیات ہیں، وہ صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کسی موقع پر حضرت سے پوچھا کہ مجھ کو راستہ میں دو بلّیاں ملی تھیں اور وہ یہ کہہ رہی تھیں۔ فرمایا بلّیوں نے جو کہا سچ کہا، کچھ وقت میرا غفلت میں گزرا تھا اور خدا سے غفلت موت ہے، جب مجھے غفلت ہوئی تو بلّیوں نے مجھے مردہ سمجھ کر رختِ سفر باندھا۔ اس موت کی عفونت اور بدبو جانور اور ملائکہ بھی ادراک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس موت سے حفاظت اور حیات کا انجکشن بھی پیدا کیا ہے جس سے لبِ دم آدمی بھی حیات حاصل کر سکتا ہے اور وہ انجکشن ہے استغفار۔

لے یہ ملفوظ دراصل آخری اٹھائیسویں مجلس کا ہے، یہاں درج ہو گیا ہے ۱۲

اٹھائیسویں مجلس

۲۷ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ مطابق ۵ اپریل ۱۹۷۰ء بروز یکشنبہ ۹ بجے صبح حسب معمول اتوار کو خانقاہ مجددیہ میں عمومی مجلس ہوئی۔ اتوار ہونے کی وجہ سے خانقاہ حاضرین سے بھری ہوئی تھی۔ ہر طبقہ اور درجہ کے لوگ تھے، حسب ذیل حضرات قابل ذکر ہیں: مولانا محمد عمران خاں صاحب، مولوی محمد نعمان صاحب، عزیزی مولوی محمد ثانی، نواب سید ظہور الحسن صاحب، سید معشوق علی صاحب، مولوی محمد مرتضیٰ صاحب ناظر کتب خانہ ندوۃ العلماء، یوسف صاحب تاجر (کویت)

علم اور عمل

فرمایا — لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پانی دم کر دیجئے۔ میں کہتا ہوں کہ میاں خود ہی دم کر لو، اللہ نے تم کو بھی علم دے رکھا ہے، میرے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے۔ دم کا پانی مانگنے کی مثال ایسی ہے کہ دیوار میں ایک چوکھٹا (بورڈ) لگا ہے آپ اسکو پڑھنا جانتے ہیں، مگر خود نہیں پڑھتے اور مجھ سے کہتے ہیں ذرا اس کو پڑھ دیجئے۔ میں کہتا

ؔ بھوپال کے اس سفر میں مرتب ملفوظات کی طبیعت مضمحل رہی اسلئے اس سفر کی مجلس وہ خود قلمبند نہ کرسکا۔ اتوار (۲۷ محرم) کی یہ مجلس عزیزی مولوی محمد ثانی نے مرتب کی تھی۔

ہوں میاں ذرا خود بورڈ پر نظر ڈالو اور خود پڑھ لو، اس کو دیکھ سکتے ہو، اس کو پڑھ سکتے ہو۔ پھر میرے محتاج ہو، حالانکہ وہ تمھارے سامنے ہے مگر ادھر کوئی توجہ نہیں کرتا۔

ماحول کا اثر

فرمایا — آدمی جس ماحول میں رہتا ہے عموماً اس میں رنگ جاتا ہے۔ اس کا ذہن اور دل و دماغ اسی میں چلتا ہے اور سارے اعضا اس سے مانوس ہوجاتے ہیں۔ وہ جب دوسرے ماحول میں جاتا ہے تو بڑی اجنبیت محسوس کرتا ہے اور تکلیف و گھٹن ہوتی ہے۔ حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک چمڑا پکانے والے کا لڑکا چمڑے دار ماحول سے اتنا متاثر تھا کہ ایک بار وہ عطر کی دکان سے گزرا تو عطر کی خوش بو کا متحمل نہ ہوسکا اور بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ جب باپ نے پرانے چمڑے کو سنگھایا تو ہوش آیا۔ یہی حال آج کے گندے ماحول کا ہے کہ اس ماحول میں پرورش پانے والا اچھے اور صالح ماحول میں گھٹن محسوس کرتا ہے اور وہ ماحول اس کے ذہن و دماغ پر بوجھ معلوم ہوتا ہے۔

فطرت صحیحہ غالب رہتی ہے

فرمایا — انسان کی فطرت صحیح ہوتی ہے، ماحول اس فطرت کو بدلتا ہے مگر وہ فطرت غالب آجاتی ہے جیسے قطب نما ہوتا ہے تم جس سمت میں اس کو رکھو گے قطب نما کی سوئی قطب کی طرف مڑ جائے گی۔ تم گھماتے جاؤ مگر سوئی اپنے مرکز ہی کی طرف جائے گی۔ میری خانقاہ میں ایک دیہاتی آیا، میں نے اس سے پوچھا تمہارے یہاں بارش ہوئی۔ اس نے بے تکلف جواب دیا ہم نے خدا کے کاموں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں سب کچھ کرتے ہیں تو بارش بھی خدا نے روک دی اور کہہ دیا کہ سب کام تو تم لوگ کرتے ہو تو بارش بھی برسالو۔ دیکھیے اس دیہاتی کی فطرت صحیح تھی، اس کا ذہن ادھر ہی گیا اور ایسا جواب دیا۔

کبھی عادت فطرت بن جاتی ہے

حقیقت حال یہ ہے کہ فطرت تو اپنے صحیح راستہ پر جارہی ہے اس کو بتکلف غلط راستہ پر ڈالا جاتا ہے اور غلط کاموں کا عادی بنایا جاتا ہے، حیدر آباد میں ایک رئیس نے ہتھنی خریدی تھی۔ وہ ہتھنی کسی تماشہ والے کی تھی، اس کی عادت تھی کہ ایک پتھر پہ چاروں پاؤں سمیٹ کر بیٹھتی تھی، حالانکہ اس کا بیٹھنا باعث تکلیف تھا اور وہ یہ عمل بہ تکلف کرتی تھی لیکن اس طرح بیٹھنا اس کی عادت میں داخل ہو چکا تھا، اسی طرح اور عادتوں کا حال ہے کہ وہ عادت بنتے بنتے فطرت ہو جاتی ہیں اور ان عادتوں کو چھوڑنا ناگوار ہوتا ہے۔ عادتوں کو چھوڑنا ایسا ہے جیسے کانٹوں پر چادر ڈال کر کھینچنا

ماحول سے لڑنا چاہیئے

لوگ فطرت کو برا کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو فطرت کے بُرے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے، فطرت سب کی صحیح ہے ماحول خراب ہے اس خراب ماحول میں رہ کر فطرت کی طرف رُخ کرنا ہے۔ صحابۂ کرام کی فطرت صحیح تھی، ماحول خراب تھا، انھوں نے عزم اور یقین سے اس خراب ماحول میں اپنے رُخ کو فطرت صحیحہ کی طرف کیا اور ماحول کا مقابلہ کیا۔ ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میرا تبادلہ ایسی جگہ ہو گیا ہے جہاں کا ماحول بہت خراب ہے، میں نے کہا ماحول خراب ہے تو کیا تمھاری فطرت تو صحیح ہے، یہ تو خوشی کی بات ہے۔ لاؤ مٹھائی کھلاؤ، معانقہ کرو، بہت اچھی جگہ تمھاری بدلی ہوئی۔ تم کو تو وہ ماحول نصیب ہوا جو صحابۂ کرام کو نصیب ہوا تھا، صحابۂ کرام نے اسی ماحول میں کام کیا اور ماحول کو بدلا تم بھی صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چلو، غلط ماحول میں رہ کر استقامت دکھاؤ، اگر پیروں کے گھر میں رہ کر اس میں رہے تو کیا کمال ہے۔

چو دل با خدا است تو خلوت نشینی

بہت سے تو ایسے ہیں کہ گھر میں ہر وقت اللہ و رسول کا تذکرہ سنتے ہیں، اچھے لوگوں کی گود میں پرورش پلتے ہیں، صالح ماحول میں زندگی گذارتے ہیں، مگر دوسرے غلط ماحول کی طرف ڈھلک جاتے ہیں کیونکہ ان کے رجحانات غلط ماحول کی طرف ہوتے ہیں۔

جن کی نظر خدا پر ہوتی ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتے

یاد رکھو کہ جن کی نظر خدا کی عظمت و طاقت پر رہتی ہے وہ دنیا کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتے، نہ کسی بناوٹی ہیبت سے مرعوب ہوتے ہیں، مقدمہ پیش ہے وکیل و گواہ حاضر ہیں۔ ایک خدا سے ڈرنے والا کبھی نہ گھبرائے گا، کیونکہ اس کو خدا پر بھروسہ ہے جو لوگ حاکموں کے سامنے جاتے ہوئے کپکپاتے ہیں ان کے دل میں حاکموں کی ہیبت ہوتی ہے۔ حاکموں کی ہیبت خدا کی عظمت کے احساس سے محروم کر دیتی ہے۔ ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ میرے ایک ملنے والے ہیں، ماشاء اللہ چہرے پر داڑھی ہے۔ شروع شروع لوگوں نے کہا کہ با ایں صورت تم انجینیرنگ کیسے پڑھو گے؟ مگر وہ خدا سے ڈرنے والے کسی اور سے نہ ڈرے اور داڑھی رکھے رہے، خدا کی عظمت کو دل میں بٹھایا، انجینیرنگ پاس کی، اب ماشاء اللہ بڑے انجن چلاتے ہیں، ماحول خراب ہے مگر وہ صورۃً نیک ہیں۔ مجھ سے وظیفہ پوچھا۔ میں نے کہا اللہ پر بھروسہ رکھنا تمھارا وظیفہ ہے بس اپنے نازک پرزہ (دل) کو ٹھیک رکھو، سارا کام بنتا جائے گا۔

مقصد حقیقی

فرمایا — فراہیم صاحب نے مجھ سے کہا کہ میرے بچہ کا تبادلہ ایسی جگہ ہوا ہے جہاں کا ماحول بہت خراب ہے، میں نے پوچھا تنخواہ کیا ملتی ہے؟ بولے ڈیڑھ سو۔ میں نے کہا اگر ڈیڑھ ہزار ملنے لگیں اور ماحول خراب رہے اور ساری تکالیف باقی رہیں تو دعا کروں؟ کہنے لگے حضرت یہ تو بد دعا ہوئی، جن کی نظر اخروی اجر پر ہوتی

ہے وہ دولت وثروت کے طالب نہیں ہوتے، وہ خدا کی خوشی کو مطمح نظر بناتے ہیں۔ میں کل ہی حیات الصحابہ[1] میں پڑھ رہا تھا کہ ایک صحابی نے حضور سے اس کی اجازت طلب کی کہ اپنی قوم میں جاکر تبلیغ کریں، حضور نے فرمایا کہ تمھاری قوم شہید کرڈالے گی، عرض کیا مجھ کو اجازت مرحمت فرمادیجیے اس میں میرے دل کو راحت ہوگی، اجازت مل گئی۔ وہ گئے۔ کسی نے نیزہ پھینکا وہ آنکھ میں لگا، ان کے قبیلہ نے بدلہ لینا چاہا، فرمایا بدلہ مت لو! یہ کیوں کہا، اس لئے کہ ان کو جزا کا یقین تھا اس لیے دنیا کی دولت، عزت، زندگی کی راحت ان کی نگاہوں میں ہیچ تھی۔

علتِ غائی اگر پیش نظر ہے تو کوئی تکلیف تکلیف نہیں رہتی بلکہ تکلیف بھی راحت بن جاتی ہے۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے، میری بچی علیگڈھ میں پڑھتی ہے، غذا خراب ہے مگر برداشت کر رہی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ چونکہ علت غائی (تعلیم) پیش نظر ہے اور وہ اس کے نزدیک ٹھیک ہے اس لیئے اس تکلیف کو خوشی سے برداشت کر رہی ہے۔

عارضی چمک دمک یا دائمی سکون

فرمایا — ظاہر پر نہ جایا کرو۔ ظاہری عزت ظاہری حسن وجمال، ترقی، دولت وثروت کا کیا اعتبار، یہ دیکھو نتیجہ کیا ہے، اگر نتیجہ خراب ہے تو یہ چمک دمک، حسن وجمال، عزت و دولت، راحت نہیں تکلیف ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے نہایت اچھا مکان ہے دیواریں خوب صورت، چھت بلند، نرم نرم بستر، بلند مسہری، گاؤ تکیئے لگے ہوئے، پلنگ پوش پڑا ہوا، ہر طرح کا آرام، آرائش وزیبائش، خدام خدمت کے لئے تیار۔ میاں صاحب تشریف لائے مسہری پر لیٹے اور سو گئے، اور ان کا نوکر سامنے زمین پر بے بستر بے تکیہ کے لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کھٹملوں، پسوؤں اور مچھروں نے میاں کو ستایا، ان کی آنکھ

---

[1] تالیف حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ

کھلی، کروٹ بدلنے لگے۔ اب کوئی غمگسار نہیں، اور نوکر صاحب آرام سے فرش پر خراٹے لے رہے ہیں۔ وہاں نہ مچھر تھے نہ کھٹمل نہ پسو۔ اب تم بتاؤ کس کو آرام ملا، میاں کو یا نوکر کو۔ نرم بستر اونچی مسہری، بجلی کے پنکھے راحت کا سامان بنے یا وہ فرش خاکی؟ انبیائے کرام یہی بتاتے ہیں کہ دنیا کی زندگی چاہے جتنی آرام دہ ہو اور چمک دمک رکھنے والی ہو، اس میں مچھر ہیں، کھٹمل ہیں، پسو ہیں، جس طرح ایک سونے والے کو نیند اور آرام مقصود ہے نرم بستر نہیں، وہ آرام کو ترجیح دے گا چاہے وہ زمین پر ملے یا بے بستر اور بے مکان کے حاصل ہو۔ اسی طرح آخری آرام و راحت اجر و ثواب مقصود ہے چاہے وہ فاقوں سے حاصل ہو یا دنیاوی مشقتوں سے علت غائی دائمی آرام ہے۔

جزا کے یقین پر ہر مشکل آسان

فرمایا — دنیا والوں کو دیکھو کہ وہ دولت و ثروت حاصل کرنے کے لئے مشکل سے مشکل کام کرتے ہیں، ان کے لئے دولت کی امید میں مشکل سے مشکل کام آسان ہو جاتا ہے اور ناممکن سے ناممکن عمل ممکن بن جاتا ہے، بس امید چاہیئے اگر کسی کو دولت یا کسی فائدہ کی امید ہوتی ہے تو سارے اعذار اور موانع ختم ہو جاتے ہیں اور قوت و طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ میں کورواؔئی گیا، میں چلنے پھرنے سے معذور رہوں، نہ پیروں میں طاقت، نہ دل میں ہمت، سخت گرمی کا موسم، لو چل رہی تھی، منہ جھلسا دینے والی گرم ہوا، نواب صاحب نے مجھ سے کہا آپ اس وقت اسٹیشن پیدل چلے جائیں، میں یہ سن کر گھبرا گیا، اسٹیشن جانا اور مجھ جیسے معذور کے لئے اس دوپہر میں اگر محال نہیں تو پہاڑ ضرور ہے، نواب صاحب میری نگاہوں میں محبوب تھے، مگر ان کے حکم سے میں بد دل ہو گیا، میری

ع علاقہ بھوپال کی ایک ریاست

معذوری کا لحاظ نواب صاحب نہیں کرتے اور اس دوپہر میں اسٹیشن جانے کو کہہ رہے ہیں نواب صاحب کے یہاں کا کھانا جو بہت قیمتی اور مرغن تھا میرے لئے زہر معلوم ہونے لگا، میں نے سوچا میں خواہ مخواہ یہاں آیا، وہ سوکھی روٹی، چٹنی گھر میں جو تھی اچھی تھی۔ اس بلا میں تو گرفتار نہ ہوتا۔ نواب صاحب پھر آئے اور بولے کہئے جائیں گے آپ؟ یہ کہہ کر نواب صاحب اندر چلے گئے۔ میں نے منت مانی اے خدا اگر اس سے چھٹکارا مل گیا تو میں تیری جناب میں ایک بکرا ذبح کروں گا مجھ کو اس سے نجات دیدے۔ نواب صاحب پھر آئے اور کہا اگر آپ نہیں جاتے تو تو میں فلاں شخص کو بھیج دیتا ہوں۔ اگر آپ جاتے تو آپ کا فائدہ ہو جاتا۔ ۱۵ ہزار روپیہ آپ کو مل جاتا۔ خیر کسی سے کہدیتا ہوں، ۱۵ ہزار کا نام سن کر میرے جسم میں لہر دوڑ گئی۔ ۱۵ ہزار کتنے زیادہ ہیں۔ صرف اسٹیشن جانے پر ملیں گے کتنا سستا سودا ہے۔ اب خون دوڑنے لگا، ۱۵ ہزار کے سامنے معذوری ختم ہو گئی جسم میں قوت آگئی بجلی دوڑنے لگی، بیساختہ منھ سے نکلا نواب صاحب میں جا سکتا ہوں، میں پوچھتا ہوں کہ ذرا سی دیر میں کیفیت کیوں بدلی، معذوری کیوں ختم ہو گئی۔ اس لئے کہ ۱۵ ہزار کی امید ہو گئی۔ جزا کا یقین ہو گیا۔ ایک بڑا فائدہ سامنے آگیا۔

دنیا یا آخرت

فرمایا۔۔۔ آخرت کی مثال دینا بھی صحیح نہیں۔ وہ تو بے مثال اور بے مثل ہے۔ اس کی مثال کیا، صرف سمجھانے کے لئے عرض کر رہا ہوں۔ حضرت مجدد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس عالم کا ایک تارہ بھی اس عالم میں آجائے تو سارا عالم روشن ہو جائے تو ان دونوں میں کیا مناسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نے ایک مردہ سنت کے احیاء پر سو شہیدوں کا ثواب بتایا ہے، لیکن ہمارا یقین مردہ ہے، نہ اجر و ثواب کا یقین ہے، نہ خدا کے وعدوں کا، اس لئے اسلام کی باتیں ناممکنات سی معلوم

ہوتی ہیں کیونکہ ہم نے ممکنات کے دائرہ میں قدم ہی نہیں رکھا۔ بس ہم دنیا کی ممکنات کے اندر پڑے ہیں۔ اسلئے اسلام کا چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ جیسے وضو، نماز، سنتیں تک ہم پر بھاری ہیں، بس ہماری نظر دنیاوی فوائد اور ظاہری ٹیپ ٹاپ پر ہے۔ قرآن مجید نے کیا خوب فرمایا ہے۔

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کے جینے کو اور
وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ○	وہ لوگ آخرت کی خبر نہیں رکھتے۔

دنیا کو محبت سے دیکھنا اور اس کی رغبت آخرت کا حجاب بن جاتی ہے اور دنیا سبز باغ معلوم ہونے لگتی ہے۔ مگر پھر کیا انجام ہوتا ہے فنا اور صرف فنا، انجام قبر ہے اور قبر ایک حسرت کدہ۔

عبرت و حسرت جاؤ اور قبرستان والوں سے پوچھو، دولت سے کھیلنے والے اور عیش و تنعم میں زندگی گزارنے والے خاک کا پیوند ہیں، تم کو یہ شہر خموشاں بتائے گا

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۙ	بہت سے چھوڑ گئے باغ اور چشمے اور کھیتیاں
وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا	اور گھر خاصے اور آرام کا سامان جس میں باتیں
فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۙ كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا	بنایا کرتے تھے۔ یوں ہی ہوا اور وہ سب ہاتھ
قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ○	لگا دیا ہم نے ایک دوسری قوم کے۔

کہو گے قبر والے کب بولتے ہیں؟ میں کہتا ہوں قبر والے زبان حال سے نہیں زبان قال سے بولتے ہیں، سننے کی طاقت ہونی چاہیئے۔ صلاحیت اور مناسبت ہونی چاہیئے۔ جس طرح اس دنیا میں دور دراز علاقہ کی بات آپ ٹیلیفون اور لاسلکی سے سنتے ہیں مگر کب جب آپ رسیور یا آلہ

سماعت اپنے کانوں سے لگاتے ہیں، اسی طرح قبر والوں کی بولی سننے کے لئے بھی ایک رسیور کی ضرورت ہے اور وہ ہے قرآن کریم۔ اس کے ذریعہ سنو تو سن سکو گے۔ قبر والے کہہ رہے ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔

یَا وَیْلَنَا قَدْ کُنَّا فِی غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا — ہائے کم بختی ہماری ہم بے خبر رہے اس سے

بَلْ کُنَّا ظٰلِمِیْنَ — بلکہ ہم تھے گنہگار۔

قبر والے چھاتی کوٹ رہے ہیں

کیا کہوں قبر والے اپنی چھاتی کوٹ رہے ہیں۔ ماتم کر رہے ہیں اس غم میں کہ دنیا کی زندگی برباد کی اور دنیا کے عارضی عیش و تنعم میں پڑ کر خدا فراموش بن بیٹھے اور آخرت کا عیش بھول گئے۔ یہ قول ان لوگوں کا ہوگا جو کافر ہوں گے اور قیامت میں کہیں گے کہاں گیا وہ عزت و ترقی، وہ مال و دولت، وہ آرام و راحت جو دنیا میں ہم کو حاصل تھا "من لم یذق لم یدر" (جس نے چکھا نہیں وہ کیا جانے)

بچے کی فطرت والدین بگاڑتے ہیں

فرمایا — بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، مگر ماں باپ کی حرکتوں اور اعمال سیئہ سے فطرت مسخ ہو جاتی ہے۔ ابھی چند دن کی بات ہے ایک معصوم سا بچہ کھیل رہا تھا۔ میں نے محبت سے اس سے پوچھا بیٹے کیا پڑھتے ہو، اس نے ایسا غلط اور بیہودہ جواب دیا کہ میں مبہوت ہو کر رہ گیا۔ میرے دل پر جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا۔ میں نے کہا جاؤ صاحبزادے جاؤ۔ تم نے ایسا زہر دیا جس کا تریاق مشکل ہے۔ یہ تمہارا قصور نہیں تمہاری تو فطرت صحیح تھی تمہارے باپ نے تمہاری فطرت بگاڑی بچپن ہی سے تم کو خراب کر دیا۔ ایسے ہی بچے قیامت میں کہیں گے۔

رَبَّنَا اِنَّا اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِيۡلَا ط — اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا پس انھوں نے بھٹکا دیا ہم کو راہ سے۔

وہ بچے اپنے مربیوں کی شکایت کریں گے کہ انھوں نے ہماری زندگی برباد کی۔

حرکت میں برکت فرمایا — ہم غریب لوگ تھے۔ گڑ کے چاول کھاتے تھے، اب خدا نے وسعت دی تو قسم قسم کے کھانے کھاتے ہیں، ان قسم قسم کے کھانوں کے آگے وہ گڑ کے چاول بھول گئے۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوتی، پہلے میٹھے تیل کے دیئے ٹمٹماتے تھے، اسی میں سارا کام ہوتا تھا، لوگ رہتے تھے، کھاتے تھے، پڑھتے تھے، لکھتے تھے اور اس میں خوش تھے۔ بڑی نعمت ہے۔ امرا اور بادشاہوں کے یہاں ۵ - ۵ چراغ جلتے تھے، شمعیں روشن ہوتی تھیں، ان کو تیل کی کیا کمی تھی۔ مالدار لوگ تھے، پھر دنیا نے ترقی کی، تیل کے بجائے بجلی آئی۔ دستی اور فرشی پنکھوں کے بجائے بجلی کے پنکھے ہو گئے، یہ اس لئے ہوئے کہ دنیا والوں نے فکر و تدبر سے کام لیا۔ تیل کے چراغوں کو کافی نہیں سمجھا۔ خدا نے عقل و تدبیر کی جو دولت انسان کو دی ہے، اس سے کام لیا گیا اور دیکھتے دیکھتے ترقی ہوتی گئی۔ اسی طرح ہم کو بھی اپنی موجودہ زندگی پر قناعت نہ کرنی چاہیئے۔ اس کو بہتر بنانے کی فکر کرنی چاہیئے۔ آخرت والی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے میں تدبیر سے کام لینا چاہیئے۔

خدا کا فرمان ہے

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ — جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی زیادہ کریں گے ہم اس کے واسطے اس کی کھیتی اور جو کوئی چاہتا

الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ٥ ہو دنیا کی کھیتی اس کو دیں گے ہم کچھ اس میں سے اور اس کے لئے نہیں آخرت میں کچھ حصہ۔

خدا نے ایمان کی جو روشنی ہم کو دی ہے بے شک یہ بڑی روشنی ہے، مگر اس روشنی میں اضافہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، جس طرح دیئے سے لیمپ ہوئے لیمپ سے ترقی کر کے بجلیاں ہوئیں اور انسان اس سے آگے سوچ رہا ہے، اسی طرح ہم کو ایمان کی روشنی کو بڑھانا چاہیئے۔ آج جس طرح بجلی کی روشنی میں دیئے اور لیمپ کی روشنی اندھیری لگتی ہے اسی طرح آخرت کی نعمتوں اور راحتوں کے آگے دنیا کی راحتیں ہیچ معلوم ہوں گی۔

دنیا کے معاملہ میں ہم ترقی کرتے جا رہے ہیں۔ ہمارا دماغ چلتا رہتا ہے مگر دین کے معاملہ میں قناعت پسند ہیں۔ ترقی کی کوئی پرواہ نہیں، یہ فطرت انسانی ہے کہ ایک ترقی کے بعد دوسری ترقی کو سوچتا ہے۔ دین میں بھی یہی ہونا چاہیئے۔ اسی کا نام عبادت ہے ہم روزہ رکھتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں، یہ سب ٹھیک ہیں مگر ان نمازوں میں، ان روزوں میں روح پیدا کریں۔ افسوس ہے کہ نماز پڑھنے والے نمازوں سے بیگانے ہیں نہ روح کا پاس نہ ارکان کا خیال، نہ جہت ٹھیک نہ دل صحیح رُخ پر، سجدہ کرتے ہیں تو پاؤں قبلہ سے بے رُخ۔

ادب کیا ہے؟

فرمایا —— ادب بڑی چیز ہے کہنے کا انداز ہونا چاہیئے۔ ایک بات کئی انداز سے کہی جاتی ہے، ایک کا اثر کچھ ہوتا ہے دوسری کا کچھ، جیسے آپ کسی کی دعوت کریں پہلے کھانے والے سے آپ کہیں میاں جلدی کھاؤ اور دوسروں کے لئے جگہ چھوڑو۔ تم دیر لگا رہے ہو۔ آپ کے اس جملہ سے مہمان اکھڑ جائے گا اور وہ قورمہ اور پلاؤ نہ معلوم ہو گا بلکہ زہر ہو گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ زہر کھانا زیادہ اچھا ہوگا اس طرز کے کھانے سے، تو غلط نہ ہوگا۔

طریقہ تو یہ ہے کہ ابھی تشریف رکھیے اور نوش فرمائیے، اسی طرح سے آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور خیال اس طرف لگا ہو کہ نماز ختم کروں اور فلاں کام شروع کروں تو یہ نماز کی بے ادبی ہے اور ایسا ہی ہے جیسے ایک معزز مہمان سے کہا جائے کہ جلدی کھانے سے فارغ ہوئیے تاکہ جگہ خالی ہو، دوسرے مہمان بیٹھیں۔

معاملہ بالکل الٹا کر دیا گیا ہے

فرمایا ــــ معاملہ بالکل الٹا کر دیا گیا ہے۔ نماز جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ دعا میں دیر لگاتے ہیں حالانکہ نماز دعا کی جامع ہے، وہ خود دعا ہے۔ نوافل کا بڑا اہتمام فرائض کا خیال کم ہے۔ حالانکہ نوافل بارات ہیں اور فرائض دولہا، میں تو کہتا ہوں کہ اگر کسی نے وظیفہ بھی نہیں پڑھا اور نماز کو قاعدہ کے ساتھ ادا کیا تو سب دعا اور وظیفے پورے ہو گئے، کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہزاروں میں ایک کو بھی نماز کے احکام اور ارکان یاد نہیں اور دنیا بھر کی معلومات پوچھ لیجیے، صبح ہوئی اخبار کی تلاش ہوئی، امریکہ میں کیا ہو رہا ہے۔ روس میں کیا ہو رہا ہے۔ میرے محلہ میں ایک شخص مسجد کے سامنے رہتا تھا مضبوط پہلوان، نام کا مسلمان، نماز ایک وقت کی نہیں پڑھتا تھا مگر اخبار کا کیڑا تھا، بس اسی میں اس کی زندگی تمام ہو گئی۔ خدا اس کی مغفرت کرے۔ بات یہ ہے کہ دماغوں میں دنیا کی گندگی کا کچرا بھرا ہے اور سرشار رہتا ہے! عطر لگانے اور خوشبو میں بسانے سے کام نہیں چلے گا۔ وہ کچرا نکال دیا جائے اور بدبو دور کر دی جائے خوشبو تو فطری ہے۔ عجب بات ہے لوگوں کے لئے یہ آسان ہے کہ پانی میں کھڑے گھنٹوں وظیفہ پڑھیں، مگر یہ کہو کہ اپنا حال بدلو، دماغوں سے کچرا نکالو۔ برے خیالات سے دل پاک کرو تو یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

فوزِ عظیم کا مدرسہ

فرمایا — بزرگانِ دین کے صدقہ میں تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دنیا ایک مدرسہ ہے۔ یہاں پڑھو اور سند لو۔ سند کون سی۔ حیات ابدی اور فوزِ عظیم کی۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ۝	البتہ ڈرنے والے باغوں میں ہیں اور چشموں میں، لیتے ہیں جو دیا ان کو ان کے رب نے، وہ تھے اس سے پہلے نیکی والے۔

میں تو کہتا ہوں کہ اس دنیا میں فوزِ عظیم اور حیات ابدی کی تعلیم صرف حاصل ہی نہیں کرنا بلکہ اس کے لئے جان دیدینے اور گلا کٹوا دینے سے بھی پورا حق ادا نہیں ہوتا۔ دیکھو دنیا والے دنیا کے لئے لاکھوں کی تعداد میں گلے کٹوا دیتے ہیں کہ ان کی نسلیں دنیا کی فلاح حاصل کر سکیں، حالانکہ یہ دنیا فانی ہے۔ اس کی بقا کی کوئی ضمانت نہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ حیات ابدی کے لئے مکھی تک نہیں اڑاتے۔ اصل میں خدا کا خوف ہی اصل ہے وہ جب کسی دل میں پیدا ہوتا ہے تو تقویٰ کرا لیتا ہے اور یہی فطرتِ صحیحہ کا تقاضا ہے۔

دنیا دار المحن ہے

خدا کے خوف اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے سے اللہ وہ زندگی عطا فرماتا ہے جس میں امن و سکون اور قرار ہوگا اور دائمی ہوگا۔ قرآن کریم میں تقویٰ اختیار کرنے والوں کے متعلق ہے:

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ۝	داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ بالکل بے خوف ہو کر

اور یہ زندگی جو دنیا کی ہے، اس کی راحت، اس کا آرام سب عارضی ہے لیکن دنیا والے اسی پر ایسے رہ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کو یہ دھوکا ہے کہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ ان کو یہ نعمت ملے گی، مگر خود دنیا کا یہ حال ہے کہ قدم قدم پر تکلیف و اذیت ہے۔ دولت ہے مگر دل کو

قرار نہیں، عزت ہے مگر جھوٹی، صحت ہے مگر بیماری کے ساتھ، جسم تھکنے والا، جوانی ہے مگر بڑھاپا لانے والی

وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ۔ اور جس کو ہم بڑھاپے کی عمر کو پہنچاتے ہیں اسکو ابتدائی طبعی حالت کیطرف لوٹا دیتے ہیں تو کیا وہ اسکو سمجھتے نہیں۔

اے کفِ دست و ساعد و بازو
ہمہ تودیع یک دگر بکنید

آج یہاں درد، کل وہاں تکلیف، دیکھیے مکھیاں اپنی حفاظت کے لئے چھتا بناتی ہیں، کتنا خوبصورت اور دلکش، کیسا منظم اور مرتب آج انسان بھی کیسے کیسے محل، مکان بناتا ہے۔ بڑے بڑے باغات، نہریں، آبشار مگر یہ سب آرام دہ چیزوں کے ساتھ کیا حاصل ہوتا ہے۔ آخر میں موت، بیماری، تکلیف۔ امن و سلامتی مفقود ہے، انبیاء کرام ایسے محل بنواتے ہیں کہ آرام و راحت کے ساتھ دائمی سکون و قرار بھی ملتا ہے۔ "آمنین" کا وعدہ بھی ہے۔

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا فرمایا ــــ بے لگامی اور خدا فراموشی غضب الٰہی کو لاتی ہے دیکھنے میں کتنی خوش کن اور فرحت افزا ہوتی ہے، یہ قہقہے عیش کوشی، لذت اندوزی اپنے پردہ میں خدا کی ناراضگی، عتاب، غضب کو ڈھانپے ہوتی ہیں اور انسان غافل رہتا ہے، اسی طرح بعض دفعہ کی ناگواری، پریشانی آرام و راحت کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور انسان اس وقت سمجھتا ہے جب اس کو راحت میسر ہوتی ہے، یہ تکالیف شرعیہ میں جو ہم کو آپ کو بظاہر ناگوار گذرتی ہیں۔ حقیقت میں انھیں میں بڑے منافع ہیں اور جب یہ منافع ہم کو حاصل ہوں گے تو ناگواری کے بجائے جذبۂ احسان شناسی

پیدا ہوگا۔

دنیا کی مصیبتیں مقدمۃ الجیش ہیں قیامت کی مصیبت و ذلت کی

فرمایا — آج دنیا جن حالات سے گذر رہی ہے، جو مصیبتیں تباہیاں آرہی ہیں اور ہم ان میں بھی خوش ہیں، کھا پی رہے ہیں، ہنس بول رہے ہیں، کھیل تماشے کرتے پھرتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ یہ مصیبتیں کیوں آرہی ہیں، ان کے نتائج کیا ہوں گے، آج یہاں زلزلہ آیا، کل وہاں آیا، محل گرے مکانات منہدم ہوئے، آدمی مرے۔ مالی نقصان ہوا، یہ بے مقصد اور بے نتیجہ نہیں ہے کہ ہم ان کی خبریں پڑھتے رہیں اور تبصرے کرتے رہیں۔ یہ مقدمۃ الجیش ہیں اس بڑے زلزلہ کا جو قیامت میں آنے والا ہے، یہ ریہرسل ہے اس یوم عظیم کی جو مرنے کے بعد آنے والا ہے، یہ خدا کی طرف سے آگاہی ہے بچھوؤں اور سانپوں کے کاٹنے کی مگر کون ہے جو ان سے سبق لے۔ سنیے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ[۱] ...... اس زہریلے سانپ سے بچو ورنہ اس کے کاٹنے کے بعد راکھ ہو جاؤ گے۔

یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى — جس دن اس کو دیکھو گے بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پلائے کو اور تم دیکھو گے سب لوگوں کو بے ہوش و حواس۔

آج کے واقعات ان کی مثالیں ہیں، سکر کی تھوڑی بہت حالت آج بھی ہے، مدہوشی غفلت، زندگی میں پائی جاتی ہے۔ ایسی مجلسوں میں جہاں باپ چچا بزرگ اپنے غیر چھوٹے بڑے لوگ ہوتے ہیں ہمارے آج کے نوجوان تنگ پتلون جو آج کے فیشن میں داخل ہے پہن کر کس بے حجابانہ انداز سے آتے ہیں کہ ستر تک کا خیال نہیں کرتے، نگاہیں شرم سے

---

[۱] اے لوگو خدا سے ڈرو قیامت کا بھونچال بہت بڑی چیز ہے۔ ۱۲

جھک جاتی ہیں، مگر آنے والے کو اپنی بے حیائی کا احساس کبھی نہیں ہوتا۔ یہ شکر نہیں اور کیا ہے۔ اس قیامت کے بڑے شکر کا مقدمہ ہے۔ میں تو کہتا ہوں یہ نشہ بھی نہیں ہے، پتھر کا بت جیسا بنا دیا ہے۔ یہ غلفت اور اللہ کا عذاب ہے جو مسلط کیا گیا ہے

چھپی ہوئی آگ

فرمایا۔ دیا سلائی کتنی معمولی ہوتی ہے۔ ایک چھوٹی سی ڈبیا اس میں کچھ تیلیاں، چھوئیے اور رکھ دیجئے، نہ گرمی، نہ آگ نہ چنگاری مگر ذرا تیلی کو رگڑ دیجئے شعلہ نکلے گا اور جہاں بھی لگے گا آگ بھڑک اٹھے گی، اس ڈبیا میں دیکھنے کو تو آگ نہیں ہے مگر حقیقت میں آگ بھری ہے بس استعمال کرنے کی دیر ہے پٹرول کے پیپے ہیں ذرا اس ڈبیا کی تیلی رگڑ کر اس کارخانہ میں چھوڑ دو۔ کیا نتیجہ ہوگا۔ پورا کارخانہ جو ابھی تک پرسکون تھا، آگ کے شعلوں کی نذر ہو جائے گا۔ اسی طرح برے اعمال اور خدا کی نافرمانیاں ہیں کہ دیکھنے میں کوئی بات نہیں مگر اس کے عمل سے ایسی آگ لگتی ہے کہ خدا کی پناہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا ادب

فرمایا۔ خدا نے ہم کو ادب سکھایا ہے اور سب سے بڑا ادب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سر جھکا دینا ہے۔ قرآن نے صحابۂ کرام کو خطاب کر کے کہا۔

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ نہ اونچی کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز پر۔

کتنا معرکۃ الآرا لحاظ ہے کتنا عظیم المرتبت ادب ہے۔ دیکھو مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک کے آگے اپنی آواز پست رکھنا۔ یہ حکم وقتی نہ تھا صرف صحابۂ کرام کو نہ تھا بلکہ پوری امت کو ہے، قیامت تک ہے۔ یہ قرآنی آواز آج بھی اسی طرح آرہی ہے جس طرح اپنے نزول کے وقت سنائی دی تھی، آج یہ آواز ہم کو بتا رہی ہے کہ حضورؐ کے کسی حکم آگے

اپنی مصلحت نہ ڈھونڈنا، دین میں علل مت تلاش کرنا، بے چون وچرا حکم رسول کو ماننا ورنہ تمھاری آواز حضور کی آواز پر بلند ہو جائے گی اور اس کا نتیجہ ہو گا

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ کہ اکارت ہو جائیں تمھارے اعمال اور

لَا تَشْعُرُوْنَ۔ تمھیں خبر بھی نہ ہو۔

صحابۂ کرام نے اس ادب کو سیکھ لیا تھا اور وہ آوازوں کو حضور کی آواز کے آگے اتنی پست رکھتے تھے کہ گویا مجلس میں ہی نہیں ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے حالات بدل جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مخالف آتے تھے، زہر میں بجھی تلوار لاتے تھے اور سر قدموں میں ڈال دیتے تھے۔ ان کے قصے پڑھو اور دیکھو صحابہ کے قصے قصے نہیں وہ تو ایسے ہیں جیسے ہمارے کان ناک زبان یعنی وہ تمام اعضاء جن پر ہماری زندگی کا انحصار ہے۔ کل ہی میں حیات الصحابہؓ میں دیکھ رہا تھا کہ جب مشرکین مکہ کو بدر میں شکست ہوئی تو رنج و غم کی فضا چھا گئی۔ عمیر نے صفوان سے مشورہ کیا کہ اگر قرض اور بیوی بچوں کا خیال نہ ہوتا تو (نعوذ باللہ) میں جا کر کام تمام کر دیتا۔ صفوان نے ان کاموں کی ذمہ داری لی۔ عمیر تلوار کو زہر میں بجھا کر مدینہ چلا۔ حضورؐ اپنی مجلس میں رونق افروز تھے۔ حضرت عمرؓ نے عمیر کو اس حال میں آتے دیکھا تو خدمت میں عرض کیا کہ خدا کا دشمن آرہا ہے، حکم ہو تو آگے بڑھ کر قتل کر دوں۔ ارشاد ہوتا ہے تو آنے دو، وہ قریب آیا تو فرمایا کس ارادے سے آئے ہو؟ کہنے لگا اپنے بیٹے کو چھڑانے۔ ارشاد فرمایا اور وہ جو صفوان سے تنہائی میں مشورہ کر رہے تھے وہ کیا تھا؟ عمیر کا دل بدل گیا فوراً مسلمان ہو گئے، یہ کیوں ہوا ان کا ارادہ کیوں بدلا قاتل سے شیدائی کیوں بن گئے۔ حالات میں یکدم تغیر کیسے ہوا۔ قرآن میں ڈھونڈو اور تلاش کرو ملے گا۔ میں تو یہی کہتے کہتے مر جاؤں گا کہ اپنے جسم کے نازک پرزے کو درست

کرلو اور اس کی حفاظت کرو۔ صحابہ نے صرف بالکمانی درست کرلی تھی اور اس میں جو تنکا آگیا تھا وہ نکال دیا تھا۔ عمیر نے بھی آخر وہ تنکا نکال دیا تو حالت بدل گئی اور فطرت صحیحہ لوٹ آئی۔ ساری مشینری جو غلط چل رہی تھی صحیح چلنے لگی۔

شوقِ لقائے مولیٰ میرا تو یہ حال ہے کہ میرے قدم تو موت میں پڑ رہے ہے اور میرا رُخ اب ادھر ہی ہے۔ مجھے اب کوئی آرزو اور تمنا نہیں بس ایک ہی تمنا ہے۔

اسی تمنا میں عمر گذری کہ یار ہم سے تو آملے گا
نہ ہم نے جانا کہ وصل کیا ہے نہ ہم سمجھے وصال کیا ہے

خدا مجھے حیات نصیب کرے، میں تو موت کے مدرسے میں داخل ہو کر اسی سے مانوس ہو چکا ہوں۔

مکن گریہ بر گور مقتول اوست
برو خرمی کن کہ مقبول اوست

میں ایک مرتبہ بہت کمزور ہو گیا تھا اور جسم سے خون مفقود ہو گیا تھا۔ سارے احباب و مخلص دوست اس پر متفق تھے کہ خون چڑھایا جائے۔ میں نے کہا کہ جس کو جینے کی تمنا ہو وہ خون چڑھائے۔ میرا حال تو یہ ہے "اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِىْ اِلَيْكَ" اللہ تعالیٰ کے شوقِ لقا میں جو قدم اٹھا اس پر تو خوش ہونا چاہیئے۔

صاحبِ ملفوظات کا وصال

ملفوظات کے مرتب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اواخر محرم ۱۳۹۰ھ (اوائل اپریل ۱۹۷۰ء) میں صاحب ملفوظات حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھوپال حاضر ہوئے تھے۔ آخری مجلس جس کے ملفوظات ناظرین کرام نے کتاب کے آخری صفحات میں ابھی پڑھے ہیں، ۲۷ محرم (۵ اپریل) کی تھی۔ اس کے ٹھیک ۴۵ دن کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ (۲۰ مئی ۱۹۷۰ء) کو بغیر کسی خاص علالت کے اچانک حضرت کا وصال ہو گیا جس کی اطلاع مولانا محمد عمران خانصاحب ندوی کے تار سے اسی رات میں مل گئی تھی ـــ دو چار دن کے بعد خود مولانا موصوف لکھنؤ تشریف لائے ان سے واقعۂ وصال کی جو تفصیلات معلوم ہوئیں وہ بڑی ایمان افروز تھیں، ان کو ایک مختصر مضمون کی شکل دے کر الفرقان کے ربیع الاول کے شمارہ میں شائع کر دیا گیا تھا۔ بعد میں کچھ اور قابل ذکر چیزیں حضرت کے بڑے صاحبزادے مولانا حافظ محمد سعید میاں صاحب کے ایک عنایت نامہ سے معلوم ہوئیں، اب ان کا بھی اضافہ کر کے اسی مضمون کو اس مجموعۂ ملفوظات کا خاتمہ بنایا جا رہا ہے، امید ہے کہ اس کا مطالعہ انشاء اللہ بہت سے ناظرین کے لئے ایمانی کیفیت میں زیادتی اور ایسی موت کا شوق پیدا ہونے کا وسیلہ بنے گا۔

محمد منظور نعمانی

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً
فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي ٥

اگرچہ حضرت علیہ الرحمۃ کی عمر قمری حساب سے قریبًا ۸۰ سال اور شمسی حساب سے قریبًا ۷۸ سال تھی اور جسمانی طور پر بہت لاغر اور نحیف بھی تھے لیکن ضعف پیری کا کوئی خاص اثر نہیں تھا، روحانی قوت نے جسم کو بھی چاق و چست بنا رکھا تھا، علاوہ اپنے خاص اشغال و اوراد اور معمولات کے جن میں دن رات کا بڑا حصہ مصروف رہتا تھا مجلس میں گھنٹوں مسلسل تقریر فرماتے تھے۔ رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی کے مرتب کئے ہوئے ملفوظات جو ناظرین کے پیش نظر ہیں، ان میں بھی مولانا موصوف نے حضرت کی اس غیر معمولی کیفیت کا تذکرہ کیا ہے۔

ادھر کئی مہینے سے عام و خاص گفتگوؤں میں اس کا اظہار فرماتے تھے کہ مجھے نوٹس مل چکا ہے، جانے کا وقت بہت قریب آچکا ہے، بلکہ فرماتے تھے کہ زندگی کا وقت ختم ہو چکا ہے، اب موت میں چل رہا ہوں، گذشتہ مہینہ اپریل میں مولانا علی میاں بعض رفقاء کے ساتھ ایک دن کے لئے بھوپال حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے تھے، حضرت علیہ الرحمہ کی مجلس میں یہ مولانا کی آخری حاضری تھی، اس مجلس کے آخری ملفوظ میں بھی پوری صراحت کے ساتھ حضرت نے اپنے بارے میں یہی اطلاع دی تھی اور بھی مختلف ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس آخری دور میں اس احساس و یقین کا اتنا غلبہ تھا کہ قریب قریب ہر مجلس میں اس کا اظہار فرماتے تھے۔

مولانا محمد عمران خاں صاحب نے بتایا قریباً دو مہینے پہلے حضرت کی طبیعت چند روز کچھ ناساز رہی تھی، ہاتھ پاؤں پر کچھ ورم ہوگیا تھا جو علاج سے جاتا رہا، لیکن اس کے بعد سے جسمانی ضعف بہت بڑھ گیا۔ سہارے کے بغیر اٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے مگر نماز بالکل اسی طرح پڑھتے تھے جس طرح ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ دیکھنے والے کو اس میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا تھا۔ البتہ مسجد تشریف نہیں لے جا سکتے تھے گھر ہی پر جماعت ہوتی تھی، اس شدید ضعف کے زمانہ میں بھی معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ بے خوابی کی شکایت ہوگئی تھی، اس لئے رات کو نیند بہت دیر سے آتی تھی لیکن ہمیشہ کے معمول کے مطابق تہجد کے لئے اپنے وقت پر اٹھ جاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جو وقت سونے کا ہے اس وقت تو نیند آتی نہیں اور جو وقت سونے کا نہیں جاگنے کا ہے اس وقت آتی ہے تو میں اس کو پاس نہیں آنے دیتا۔

روزانہ کا معمول تھا کہ فجر کے بعد اشراق تک مصلے ہی پر اذکار و اوراد میں مشغول رہتے اشراق پڑھ کر خانقاہ تشریف لے آتے اور کسی کو ساتھ بٹھا کر پہلے قرآن مجید کے ۴-۵ پارے سناتے، سننے والے صاحب اگر حافظ ہوتے تب بھی حضرت کے حکم کے مطابق قرآن مجید میں دیکھ کے سنتے، اس کے بعد گویا مجلس شروع ہو جاتی۔ سب سے پہلے ایک دو رکوع کے بقدر قرآن مجید تلاوت فرما کر اس کا ترجمہ سناتے، اس کے لئے مولانا فتح محمد صاحب جالندھری کا ترجمہ سامنے رہتا، اسی سے پڑھ کر سناتے' اس کے بعد کسی اردو تفسیر سے (اکثر احسن التفاسیر سے جو اُردو کی بہت اچھی تفسیروں میں سے ہے) کچھ پڑھ کر سناتے اور اس ترجمہ اور تفسیر کے سلسلہ میں جو کچھ ذہن پر وارد ہوتا اس کو درمیان میں فرماتے جاتے۔ اس کے بعد حدیث کی کتاب (زیادہ تر مشکوٰۃ شریف) سے کوئی صاحب پہلے حدیث کا عربی متن پڑھتے اور حضرت کتاب ہی سے اس کا ترجمہ خود پڑھ کر سناتے ۔۔۔ اس کے بعد امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی

کے مکتوبات میں سے کوئی مکتوب پڑھ کر سناتے اور کوئی دوسرے صاحب مکتوبات کے
مطبوعہ اردو ترجمہ سے اس کا ترجمہ پڑھ کر سناتے اور حضرت کو جو کچھ فرمانا ہوتا وہ فرماتے۔
پھر حاضرین مجلس کے احوال اور ان کی سطح کا لحاظ فرماتے ہوئے اس طرح کے حقائق و معارف
بیان فرماتے جس کا نمونہ ناظرین کے سامنے ہے

یہ سب روزمرہ کا معمول تھا اور بس یہی حضرت کی مجلس تھی۔ اکثر ۱۰-۱۱ بجے یہ سلسلہ
ختم ہوتا تھا۔ اتوار کے دن حاضرین کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی تھی۔ اس آخری دور
میں چار چار سو اور پانچ پانچ سو تک پہنچ جاتی تھی۔ اس دن ارشادات کا سلسلہ بہت
طویل ہو جاتا اور مجلس کبھی کبھی بارہ بجے کے بعد ختم ہوتی۔

آخری اتوار (۱۷ر مئی ۵۸ء) کو مجلس اور زیادہ طویل ہوئی اور اس دن بار بار
اس کا اظہار فرمایا کہ میرا وقت بالکل قریب آگیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک خاص الہامی
کیفیت کے ساتھ عارف رومی کے یہ اشعار بھی پڑھے ؎

ایں چہ خوش باشد کہ سوئے شہر روم   واصلِ درگاہِ آں بیچوں شوم
وقت آمد کز جہانِ بیکسی   پائے کوباں سوئے بام او رسی

اس کے بعد پیر اور منگل کو بھی بالکل اپنے معمول کے مطابق مجلس ہوئی۔ بدھ کے دن
بھی جو حضرت کے وصال کا دن ہے، روزمرہ کی طرح مجلس ہوئی بلکہ اس دن صبح کو
قرآن مجید روزمرہ کے معمول سے بہت زیادہ قریباً دو گنا سنایا۔ ایک نئی بات یہ بھی ہوئی
کہ اس تلاوت قرآن مجید کے درمیان مٹی کے لوٹے میں پانی طلب فرمایا اور قریب رکھ لیا
تلاوت فرماتے جاتے تھے اور لوٹے میں ہاتھ ڈال کر چہرے پر پھیرتے جاتے تھے۔ اس وقت
تو حاضرین مجلس نے اس بارے میں کچھ زیادہ غور نہیں کیا لیکن چند ہی گھنٹے بعد جب وصال

ہوگیا تو سمجھ میں آیا کہ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ادا ہو رہی تھی۔

قرآن مجید کی تلاوت کے بعد دوسرے معمولات ترجمۂ قرآن و حدیث شریف بھی روزمرہ کے معمول کے مطابق بلکہ کچھ اضافہ ہی کے ساتھ پورے ہوئے اور حضرت گیارہ بجے کے بعد خانقاہ سے اٹھ کر اندر تشریف لے گئے، بہت خفیف سا کھانا تناول فرمایا۔

گھر میں ایک الماری ہے جس میں حضرت اپنی کچھ خاص پسندیدہ چیزیں محفوظ رکھتے تھے اور وہ ہمیشہ بند رہتی تھی۔ سب سے چھوٹی صاحبزادی صاحبہ کو بلایا اور وہ الماری کھلوائی، ان سے فرمایا جو چیزیں لینا چاہو لے لو۔ انھوں نے کچھ چیزیں نکال لیں اور معمول کے مطابق الماری کو بند کرنا چاہا تو فرمایا اب اس کو بند نہ کرو، کھلی رہنے دو، پھر صاحبزادے مولانا سعید میاں اور میاں مصباح الحسن سے کچھ باتیں فرماتے رہے پھر قیلولہ کی نیت سے لیٹ گئے، دو ڈھائی بجے کے قریب اٹھ کر نماز ظہر ادا فرمائی اور پھر لیٹ گئے۔ یہاں تک کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا طبیعت پر گھبراہٹ ہے پھر اٹھ کر غسل خانہ تشریف لے گئے، وہاں چکر آگیا، چھوٹی صاحبزادی کو احساس ہوگیا۔ وہ اور ان کی والدہ پہنچیں، وہاں سے اٹھا کر لایا گیا اور لٹا دیا گیا۔ اس وقت غشی کی سی کیفیت تھی، قریبًا دس منٹ میں ہوش آگیا، ڈاکٹر قریشی صاحب کو بلایا گیا تھا، وہ فورًا پہنچ گئے، حضرت نے ان سے فرمایا کچھ نہیں بس چکر آگیا تھا، اس کے بعد کچھ پڑھنے میں مشغول ہو گئے لیکن سنا نہیں جا سکا کہ کیا پڑھ رہے ہیں، بڑے صاحبزادے نے صرف یہ آیت سنی وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ اسی حالت میں پیٹ میں یا سینہ میں تکلیف شروع ہوئی۔ شدتِ کرب کی وجہ سے بار بار اٹھانے اور لٹانے کو فرماتے۔ ڈاکٹر قریشی صاحب نے انجکشن تیار کیا اور عرض کیا کہ اسے لگوا لیجئے انشاء اللہ ابھی سکون

ہو جائے گا۔ فرمایا اچھا لگا دیجئے اور پھر کچھ پڑھنے میں مشغول ہو گئے، اس وقت بہت تیز آندھی چلی، اس سے اس کمرے کے دروازے جس میں حضرت آرام فرما رہے تھے ایک دم کھل گئے۔ گھر والوں کو حیرت ہوئی کہ دروازوں کی کنڈیاں چڑھی ہوئی تھیں پھر وہ ہوا سے کیسے کھل گئے، بہرحال دروازے پھر بند کر دیئے گئے، فوراً ہی حضرت نے دروازہ کو کھول دینے کا اشارہ فرمایا، اس وقت یہ محسوس کیا گیا کہ حضرت کو کسی کی آمد کا انتظار ہے اور آپ استقبال کے لئے متوجہ ہیں، اس وقت صاحبزادگان، صاحبزادیاں اور اہلیہ محترمہ قریب تھیں، فرمایا کہ تم سب خاموش کیوں ہو، کلمہ پڑھو، کلمۂ شہادت پڑھو، یٰسین شریف پڑھو۔ بڑے صاحبزادے مولانا حافظ محمد سعید صاحب نے یٰسین شریف شروع کر دی، دوسرے حضرات کلمہ طیبہ اور کلمۂ شہادت پڑھنے لگے، فرمایا اب میں رخصت ہو رہا ہوں، گھٹنوں تک جان نکل چکی ہے، پھر کچھ پڑھنے میں مشغول ہو گئے جو سنا نہیں جا سکا، تھوڑی دیر بعد فرمایا اب ہاتھوں کی جان نکل چکی ہے، پھر موجودین کو مخاطب کر کے فرمایا تم سب گواہ رہنا اور پھر بلند آواز سے ایک دفعہ کلمۂ شہادت پڑھا، پھر قریباً ایک منٹ کے بعد بلند آواز سے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اور روح واصل بحق ہو گئی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ۝ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن یمین نے یہ شعر اسی موقع کے لئے کہے تھے ؎

منگر کہ دل ابن یمین پر خوں شد

بنگر کہ از سرائے فانی چوں شد

مصحف بکف و پا بہ رہ و دیدہ بدوست

با پیک اجل خندہ زناں بیروں شد

بڑی صاحبزادی صاحبہ ناگپور میں تھیں، ان کو ٹیلیفون سے اطلاع دی گئی، وہ اسی وقت بھوپال کے لئے روانہ ہو گئیں، ان کے انتظار کی وجہ سے تدفین میں تاخیر کی گئی، غسل مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا حافظ نعمان خاں ندوی اور چاروں صاحبزادوں نے دیا۔ دیکھا گیا کہ انگشت شہادت جو کلمۂ شہادت پڑھتے وقت سنت کے مطابق حلقہ بنا کے اٹھائی گئی تھی وہ اسی حال میں تھی اور اسی حال میں رہی۔

جمعرات کے دن ۴ بجے سہ پہر جنازہ خانقاہ سے اٹھ سکا۔ جنازہ میں شریک ہونے والوں کا اندازہ پچاس ہزار سے ایک لاکھ تک کیا گیا ہے۔ جنازہ کے باہر لانے تک گرمی شدید تھی جو دن بھر رہی، خطرہ تھا کہ اس غیر معمولی ہجوم میں جس میں کسی کو سر و پا کا ہوش نہ رہے گا متعدد موتیں ہو جائیں گی، یہ بھی اندیشہ تھا کہ جنازہ کے لے جانے میں بڑی بے ترتیبی اور افراتفری ہوگی اور عجب نہیں کہ بیسیوں کی عصر کی نماز قضا ہو جائے اور سیکڑوں کو نماز ادا کرنے میں سخت دقت کا سامنا ہو، لیکن سب باتیں خلاف قیاس پیش آئیں — جنازہ کا نکلنا تھا کہ رحمت الٰہی کا ایک شامیانہ ہزارہا مخلوق خدا کے سر پر تن گیا، یعنی ابر آ گیا اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی، جو مسلسل تدفین تک رہی، جا بجا سقے اور لوگ بالٹیوں میں برف کا پانی لئے کھڑے تھے جو بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ پانی پلاتے تھے، ان میں سے بعض کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ لوگوں نے نہایت اطمینان کے ساتھ وضو، اور جماعت کیساتھ عصر کی نماز پڑھی جنازہ کے لیجانے میں بڑا سکون اور نظم رہا۔ جنازہ اندازہ سے بہت پہلے خاندانی مقبرہ واقعہ جہانگیر آباد مقابل پولیس لائن پہنچ گیا۔ جنازہ کی نماز صاحبزادگان کے اصرار سے مولانا محمد عمران خاں صاحب نے پولیس لائن کے میدان میں پڑھائی اور عصر و مغرب کے درمیان تدفین عمل میں آئی۔ لوگ تدفین کے بعد بھی دیر تک وہاں بیٹھے اور قرآن شریف پڑھتے رہے اور ایک بار امام احمد بن حنبل کے ان تاریخی

الفاظ اور پیشین گوئی کی یاد تازہ ہو گئی کہ

"بیننا وبینہم الجنائز"

(ہمارے عقیدے کی صحت و مقبولیت عند اللہ جانچنے کے لئے
ہمارے جنازہ کا انتظار کرو)

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝